بسم اللہ الرحمن الرحیم

حیات طیبہ

مرتب

الفقیر اِلی اللہ تعالیٰ

بلقیس اظہر

جماعت عائشہؓ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حیات طیبہ

مرتب:

الفقیر اِلی اللہ تعالیٰ

بلقیس اظہر

جماعت عائشہؓ

نمبر شمار	فہرست مضامین	صفحہ نمبر

1	حیاتِ طیبہ	4
2	کامیاب زندگی	7
3	وتعز من تشاء وتذل من تشاء	12
	☆ اسم اعظم	15
4	عبادات	16
	☆ عبادت کی چار بڑی رکاوٹیں	16
5	عبادات اور ان کے کفارے	23
6	زہد کیا ہے؟	26
7	کامل ایمان کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے؟	30
8	پرسکون زندگی گزارنے کا طریقہ	35

حصہ دوئم

9	ماہِ محرم	38
	☆ شہادت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ	39
	☆ شہادت حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ	42
10	ماہِ ربیع الاوّل (برکتوں اور رحمتوں کا مہینہ)	47
	☆ شجرہ نسب	50
	☆ عید مصطفی (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)	51
11	ماہِ رجب	56
	☆ واقعہ معراج	61
	☆ نقشہ واقعہ معراج	65
12	ماہِ شعبان المعظم	66
13	ماہِ رمضان المبارک	74
	☆ وفات حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	75
	☆ وفات حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	76
	☆ ولادت حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ	76
	☆ شہادت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	76

☆ روزے کے مقاصد 81
☆ نماز تراویح کے فضائل ومسائل 82
☆ اعتکاف اور روزہ 86
☆ جمعہ اور جمعۃ الوداع 91
☆ صدقہ فطر اور عید الفطر کے فضائل ومسائل 93
☆ جنات کا رمضان 95
14 ماہ شوال المکرم 98
15 ماہ ذیقعد 100
16 ماہ ذی الحج 101
☆ شہادت حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ 107

حیاتِ طیبہ

اللہ تعالیٰ سورہ نحل، آیت نمبر 97 میں ارشاد فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''جس نے بھی نیکی کی اور عمل صالح اختیار کیا مرد ہو یا عورت تو ہم اس کو نہایت ہی پاکیزہ زندگی عطا فرمائیں گے۔ جو حیات طیبہ ہوگی صاف اور اعلیٰ ترین زندگی اور اس کی اس نیکی پر ہم اس کو بہت اجر وثواب عطا فرمائیں گے''۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ نیکی کرنے پر 2 وعدے کیے گئے ہیں۔

(1) پاکیزہ زندگی (2) اجروثواب

حقیقت یہ ہے کہ یہ زندگی ہمارے پاس ایک امانت ہے اس امانت کو امانت داری کے ساتھ اسکے مالک کو سپرد کر دینا ہے اس لیے کہ اس زندگی کے ہم خود مالک نہیں۔ نہ ہم نے بنائی نہ ہم نے خود پیدا کی نہ خود اس کو ختم کر سکتے ہیں۔ دینے والا بھی اللہ ہے اور لینے والا بھی اللہ ہے۔ تو جس کے ہاتھ میں لینا اور دینا ہے وہی مالک قرار دیا جائے گا۔ بلا اِرادہ زندگی آ گئی اور بلا اِرادہ چھین لی جائے گی۔

(1) انسانی زندگی کا دورِ اوّل زندگی کا مادہ (حیوانی زندگی):

ہماری زندگی ایک مادہ ہے اور یہ مادہ چار چیزوں پر مشتمل ہَے۔ سب سے پہلی چیز کھانا پینا ہَے۔ اِسی سے زندگی ہَے اگر کھائے پیئے گا نہیں تو مردہ کہا جائے گا۔ پھر رہنا سہنا ہَے۔ یعنی مکان اور باہم مِل جل کر رہنا۔ تو یہ بنیادی چیزیں۔ کھانا پینا۔ پہننا اوڑھنا اور رہنا سہنا یہ بنیادی چیزیں ہیں جن سے ہماری زندگی بنتی ہَے۔ یہ زندگی کا پہلا دور ہَے یعنی حیوانی زندگی۔ انسان طبع حیوانی سے ابتدا کرتا ہے۔ ایک بچہ یہ چاہے گا کہ سب کچھ مجھے مِل جائے جیسے اگر کُتے کو ہڈی ڈالیں اور پھر دوسری ہڈی دوسرے کتے کو ڈالیں تو پہلا کتا اِس ہڈی کی طرف بھی لپکے گا اور دوسرے کتے کو مارنے پر تیار ہو جائے گا۔ یعنی ہماری زندگی پر جب تک ہماری طبیعت کام کرے گی تو حیوانوں کی سی زندگی ہوگی۔ اِس لیے یہ زندگی حیوانی زندگی ہے۔

(2) انسانی زندگی کا دورِ ثانی عقل وشعور (انسانی زندگی):

پھر انسان کے شعور نے کام کیا، عقل نے کہا کہ کھانا اچھی طرح پکا کر کھایا جائے، کپڑے سی کر پہنے جائیں، مِل جُل کر رہا جائے، گھر بنا کر رہا جائے، گویا عقل نے دو چیزوں کا اضافہ کیا، ایک ظرافت کا اور دوسرے اجتماعیت کا کہ جو کچھ مجھے مِل رہا ہَے۔ وہ میرے بھائیوں کو بھی ملنا چاہیے۔ اَب اِس حالت میں انسان تمدن، لین دین، تجارت، زراعت قائم کرتا ہَے۔ اور یہ انسانی زندگی ہے۔

(3) انسانی زندگی کا تیسرا دور ایمان کی قوت (ایمانی زندگی):

ایمان کی روشنی کے بعد کھانا کھانے کے لیے جب بھی کوئی بیٹھے گا تو سوچے گا کہ کھانا اس طرح کھاؤں کہ اللہ راضی ہو جائے، لباس اس طرح کا پہنوں کہ اللہ خوش ہو جائے۔ ایسا لباس پہنوں جو اللہ تعالیٰ کی منشاء کے خلاف نہ ہو۔ کھانا کھاتے وقت حلال اور حرام کا خیال رکھے گا۔ یہ فلاں جانور کا گوشت نہیں ہونا چاہیے یعنی (خنزیر) کا۔ جیسے اطباع بری خاصیت کی اشیاء کے کھانے سے منع کرتے ہیں۔ اطباع روحانی (حضرات انبیاء علیہ السلام) بھی بری اشیاء سے روکتے ہیں۔ ہر گوشت کی ایک خاصیت ہے، خنزیر کی طبیعت میں بے حیائی اور بے غیرتی ہے۔ نجاست خور ہے، غلاظت خور ہے، ایک خنزیر دوسرے ہم جنسوں پر جست کرتا ہے تو وہی گندگی اور وہی صورت اسکے کھانے والوں میں آئے گی۔ یعنی غلاظت، کدورت، بے حیائی، بے غیرتی جیسے اوصاف پیدا ہوں گے۔ درندوں کا گوشت شیر، بھیڑیا کو حرام قرار دیا گیا ہے کیونکہ ان کے گوشت کے اندر درندگی کی خاصیت ہے، تو ان چیزوں کو کھانے والا انسان اعلیٰ سے اعلیٰ جانور بن جائے گا۔ مگر انسانیت ختم ہو جائے گی۔ اس لیے ان کا کھانا منع ہے اور ایسے جانوروں کے کھانے کی اجازت دی جو اعتدال کی نشانی رکھتے ہیں تا کہ عدل پیدا ہو۔

یہ خاصیت اللہ ہی جانتا ہے کہ اس نے کس مخلوق کو کیسا بنایا، یہ اُسی کا حق ہے کہ وہ کہے کہ مَیں نے فلاں فلاں جانور حلال کیا اور فلاں فلاں حرام کیا۔

قرآن پاک میں سورہ المائدہ۔ آیت نمبر 3 اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''حرام کیا گیا تُم پر خنزیر اور مُردار (یعنی وہ جس کی روح نکل گئی ہو)، تو اسمیں روحانیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا''۔

اس میں صرف مادیت رہ جاتی ہے اور خالص مادیت ایک تعفن ہے ایک گندگی ہے۔ روح آ کر گندگی کو دُور کرتی ہے۔

تو اللہ جو شریعتوں کے بھیجنے والے ہیں اور ساری چیزوں کے پیدا کرنے والے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ کس چیز میں کیسی خاصیت ہے اور کیسا خمیر رکھا ہے اور کیا نہیں رکھا، تو اُسی کو حق ہے کہ وہ کہے کہ فلاں چیز استعمال کرو اور فلاں مت کرو۔

تو جب آدمی ایمان کی حکومت کے نیچے آ جاتا ہے تو پھر اس کے کھانے پینے، رہنے سہنے، پہننے اوڑھنے میں رضائے الٰہی پیشِ نظر رہتی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ مجھے کوئی کام مالک اور محسن کی رضا کے خلاف نہیں کرنا ہے۔ تو وہی کھانا پینا، وہی سونا جاگنا، وہی اُٹھنا بیٹھنا، وہی مکان بنانا اور رہنا سہنا۔ ان پر جب طبیعت اثر کر رہی تھی، تو حیوانی زندگی تھی، جب عقل حکومت کرنے لگی تو انسانی زندگی بنی اور جب خُدا کی وحی حکومت کرنے لگی تو ایمانی زندگی بن گئی، یعنی نفس مہذب بن گیا۔

اسلام ایک جامع مذہب ہے فقط نماز روزہ نہیں سکھاتا بلکہ اسکا تعلق سلطنت سے بھی ہے، گھریلو زندگی سے بھی ہے اور میدانی اور جنگی زندگی سے بھی، صلح سے بھی ہے اور جنگ سے بھی ہے۔ کام وہی کرنے ہیں جو انسان کی زندگی کے لیے ہوتے ہیں، مگر ان کا رُخ دین کی طرف بدل دینا ہے، یعنی قلب کا رخ ذرا سیدھا کر دو تو دین بن جاتا ہے۔

(4) منشاءِ خُداوندی کی حکومت عرفانی زندگی:

اب جتنا بھی اللہ کے لیے کام کرے گا۔ اللہ کی معرفت اور پہچان بڑھتی جائے گی۔ قربِ خداوندی نصیب ہوتا جائے گا۔ ایمانی زندگی میں صرف عقیدہ تھا کہ مالک الملک ایک ہے اور تمام کام اللہ کی رضا کے لیے اور رضا کے مطابق کرنے ہیں اب فقط علم نہیں رہے گا بلکہ پہچان ہو جائے گی اور اب منشاء کی پابندی کرنے لگے گا، اب تک قانون کی پابندی کر رہا تھا۔ حکم ہوا کہ نماز پڑھ لے، ''کہا بہت اچھا'' حلال اختیار کر حرام چھوڑ دے، کہا ''بہت اچھا'' رشوت مت لو، کہا ''بہت اچھا'' جھوٹ مت بولو، کہا ''بہت اچھا'' تو جتنے احکام ہیں ان کی پابندی کا نام ایمان اور اسلام ہے۔ کہ اللہ کے بنائے ہوئے قانون کے نیچے زندگی بسر کرو، یہی زندگی ہے لیکن زندگی کا ایک مرتبہ اس سے بھی اُوپر ہے وہ ہے قانون کی پابندی کرتے کرتے آخیر میں قانون ساز کی منشاء کی پابندی کرنا اور قانون سے بالاتر ہو کر عمل کرنا۔ مثلاً قانون یہ ہے کہ کسی محبوب نے حکم دیا کہ اپنے باغ سے ہمیں پھول بھیج دو اور تم نے اسے پھول پہنچا دیئے اور قانون سے بالاتر کی منشاء یہ ہے کہ سارا باغ ہی اُس کے سپرد کر دو۔ کہ پھول کیا ہے سارا باغ ہی حاضر ہے۔ تو منشاء کی پابندی کرنا گویا پہچان پر عمل کرنا ہے اِسی کو معرفت اور عرفان کہتے ہیں۔ ایک علم اور اعتقاد جو غائبانہ تھا اور ایک یہ کہ اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ کو آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اب قانون کا انتظار نہیں اب تو نگاہ ہی مقصد بتلا دے گی۔ اُسے معرفت کی زندگی کہتے ہیں۔ اور اُسی کا نام **عرفانی زندگی** ہے۔

اولیاء اور کاملین کی زندگی عرفانی زندگی ہوتی ہے، محض جائز اور ناجائز ہی نہیں دیکھتے بلکہ جائز کے اندر بھی دیکھتے ہیں کہ منشاء اگر کم کھانا ہے تو یہی کرنا ہے اور یہ ہو کہ بالکل نہ کھاؤں تو فاقہ کرنا ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ اور اہل اللہ جو فقر و فاقہ کو پسند کرتے ہیں تو شریعت نے یہ حکم نہیں دیا تھا مگر شریعت بھیجنے والے کا منشاء ان کے حق میں ہی تھا کہ جب زیادہ سے زیادہ زہد بڑھ جاتا ہے تو زیادہ سے زیادہ درجات بلند ہو جاتے ہیں حدیث میں ہے کہ **''جس نے محبت کی تو اللہ کے لیے، عداوت باندھی تو اللہ کے لیے، دیا تو اللہ کے لئے، ہاتھ روکا تو اللہ کے لیے، تو اس نے اپنے ایمان کو کامل کر لیا'۔** (سنن ابی داوٗد، حدیث نمبر 4681)

صحابہ کرامؓ نے منشائے الٰہی اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے گھر بار لٹا دیا۔ قانونِ شریعت سے آگے جا کر تمام چیزیں وقف کر دیں ورنہ حق تو صدقاتِ واجبہ ادا کرنے سے ہی ادا ہو جاتا ہے۔ تو گویا عرفانی زندگی بسر کرنے والا اللہ کے سامنے حاضر ہوتا ہے اسے دیکھتا ہے۔ اُسے عرفانی زندگی بھی کہتے ہیں اور احسانی زندگی بھی ''یعنی احسانی زندگی یہ ہے کہ، اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا اللہ کو دیکھ رہے ہو۔ اگر اس مقام پر نہ پہنچ سکو تو کم از کم یہ کہ اللہ تو ہمیں دیکھ ہی رہا ہے''۔ یہ اکمل زندگی ہے۔

(5) وحدانی زندگی

اور جب اتنا قریب ہو جائے کہ گویا تمام اعمال محبوب کو دیکھ کر کر رہا ہے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ صرف دیکھنے پر قناعت کرے، اب چاہتا ہے کہ نہ صرف دیکھوں بلکہ مصافحہ کروں، تو ایک وقت یہ بھی آتا ہے کہ اس معرفت اور احسان کے بعد جی چاہتا ہے کہ معانقہ کروں (گلے لگاؤں)۔ حق تعالیٰ جل شانہ سے مل لوں، حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ "بندہ نوافل پڑھتے پڑھتے مجھ سے اِتنا قریب ہو جاتا ہے کہ میں اس کا کان بن جاتا ہوں، جس سے وہ سُنتا ہے، اِس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اِس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے"۔ (بخاری، حدیث نمبر 6502) یعنی ظاہری اعضاء اس کے ہوتے ہیں اور قوتیں میری کام کرتی ہیں۔ یہ گویا وہ مقام

ہے کہ اپنے نفس کو مٹا کر ختم کر دیا اور اللہ کے سامنے کر دیا اور اللہ کی ذات اور تجلیات کے اندر غرق ہو گیا۔

اس زندگی کو ہم وحدانی زندگی کہیں گے کہ وحدت پیدا ہوگی، اِس کا مطلب یہ نہیں کہ بندہ خدا میں غرق ہو کر اس کا جزو بن گیا۔ اللہ تعالیٰ جزیت سے پاک ہے، بلکہ مطلب یہ ہوگا کہ اس نے اپنی نفسانی شہوات کو ختم کر کے مناسبت مع اللہ کے جذبات پیدا کر لیے، کہ جو وہ کرتا ہے مَیں بھی وہی کروں گا۔ وہ جو چاہے گا مَیں بھی وہی چاہوں گا۔

کسی نے ایک بزرگ سے پوچھا" کیا حال ہے "؟ اِس نے جواب دیا کہ ''ایسے شخص کا کیا حال ہوسکتا ہے کہ جسکی مرضی پر دونوں جہانوں کے کارخانے چلتے ہوں"؟ پوچھنے والے نے کہا" کیا آپؒ اس درجے کے ہیں"؟ فرمایا"ہاں الحمدللہ مَیں اِسی مقام پر ہوں"۔ اس نے کہا" آخر کس طرح"؟ تو فرمایا"اس طرح کہ دونوں جہاں کے کارخانے اللہ کی مرضی پر چلتے ہیں اور مَیں نے اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی میں فنا کر دیا ہے جو وہ چاہتا ہے وہ مَیں چاہتا ہوں، اگر کوئی پیدا ہوتا ہے تو کہتا ہوں الحمدللہ، یہی بہتر تھا، اگر کوئی مرتا ہے تو کہتا ہوں کہ الحمدللہ یہی مناسب تھا۔ مَیں کون ہوں رائے دینے والا کہ وہ تو مارے اور مَیں کہوں کہ زندہ رہے، تو سارا عالم میری مرضی کے مطابق ہوا نا"؟

اب دیکھیے کہ زندگی کا مادہ وہی ہے کھانا، پینا، چلنا پھرنا اوڑھنا بچھونا، لیکن وہ اس درجے پر آ گیا کہ قانون سے بالاتر ہو کر محض منشاء کی پابندی میں غرق نہیں بلکہ اس کی مرضی کے اندر فانی ہو جاتا ہے۔

قرآن پاک (سورۃ الانفال آیت نمبر 17) کا مفہوم: غزوہ بدر کے موقع پر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے میدانِ جنگ میں مٹھی بھر کنکریاں اُٹھا کر دُشمن کی طرف پھینک دیں تو جس کسی پر کنکری گری اس کے پورے بدن، قلب، جگر کو پھاڑ کر رکھ دیا۔ سارے بدن سے پار ہو کر گزر گئی، کنکر میں اتنی جاں یا طاقت کہاں؟ مگر ان کے اندر جذباتِ حق موجود تھے۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ آلہ کار تھے اور خُدائی قوت آپ خاتم النبیین ﷺ کے اندر کارفرما تھیں، اس کو قرآن مجید میں (سورہ نجم، آیت نمبر 4-3) اس طرح فرمایا گیا ہے ترجمہ: ''نبی اپنی مرضی سے بولتا ہی نہیں وہ جو کچھ بولتا ہے وہ وحی الٰہی ہوتا ہے''۔

مطلب یہ کہ زبان تمہاری کلام ہمارا ہوتا ہے، تمہارا ذاتی کلام بھی تمہارا نہیں، زبان تمہاری کلام ہمارا روشنی ہماری اور چراغ تمہارا۔

ایک اور جگہ پر قرآن پاک سورۃ الفتح آیت نمبر 10 یں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ

ترجمہ: ''اے نبی (خاتم النبیین ﷺ)! جو تمہارے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ یقیناً اللہ سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے''۔

تو یہاں وحدت بیان کی گئی ہے کہ نبی خاتم النبیین ﷺ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ کہا، نبی خاتم النبیین ﷺ کے کلام کو اپنا کلام کہا، نبی خاتم النبیین ﷺ کی منشاء کو اپنی منشاء کہا، یہ تب پیدا ہوتا ہے جب وحدانی زندگی آ جائے۔

اہلِ اللہ کی زندگی کی جھلک:- یہاں ہم نے پانچ زندگیاں پیش کی ہیں:-

1۔ حیوانی زندگی 2۔ انسانی زندگی 3۔ ایمانی زندگی 4۔ عرفانی زندگی 5۔ وحدانی زندگی

مگر ان پانچوں زندگیوں میں جو ابتدائی زندگیاں ہیں یعنی حیوانی زندگی اور انسانی زندگی، یہ سب کے درجے میں ہیں اور آخر کی دو زندگیاں یعنی عرفانی زندگی اور وحدانی زندگی یہ ثمرہ کے درجے پر ہیں اور بیچ کی زندگی یعنی ایمانی زندگی یہ اصل مقصود ہے۔ ان ساری زندگیوں کا مقصد یہ ہوا کہ سارے کام رضائے الٰہی کے لیے ہوں تو مقصد دراصل بیچ کی زندگی یعنی **ایمانی زندگی** ہے۔ جس کا نام شریعت اور اتباع شریعت ہے۔ قانونِ شریعت کی پابندی نہیں ہوسکتی، جب تک حیوانی زندگی اور انسانی زندگی ہم میں نہ ہوں۔ اس لیے اصل مقصود ایمانی زندگی رہ گئی، کہ میرا جینا مرنا اللہ رب العزت کے لیے ہو اور اس کے قانون کے تحت ہو۔ اس کو قرآن مجید نے حیاتِ طیبہ قرار دیا ہے۔ سورہ نحل، آیت نمبر 97 میں کہا گیا کہ ''جو شخص ایمان اور عمل صالح اختیار کرے گا، مرد ہو یا عورت ہم اسے پاکیزہ زندگی عطا فرمائیں گے"- وہ کیا ہے؟ حلال کا جذبہ پیدا ہوگا، حرام خوری سے بچے گا، جتنا اس سے بچے گا اتنا ہی حق تلفی سے بچے گا اور جتنا حق تلفی سے بچے گا، امن کا ذریعہ بنے گا اور پھر باہمی محبت اور حسنِ سلوک پیدا ہوگا''۔

یاد رکھیے کہ شریعتِ اسلام کے اتباع ہی میں درحقیقت امن ہے جتنا اس سے ہٹیں گے برائی پیدا ہوگی، کیونکہ حق تلفیوں سے نفرت اور برائی پیدا ہوتی ہے۔ تو اصل بنیادی چیز، جس سے کسی مملکت میں امن وسکون ہو وہ انبیاء کا اتباع ہے اور ان کی لائی ہوئی زندگی کی پیروی ہے ان کی سُنتوں کا اتباع ہے''۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

****

کامیاب زندگی

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں ہر جان دار کی نسل کو برقرار رکھنے کا ایک طریقہ اختیار کیا ہے ہر جاندار اپنی اگلی نسل کو اپنے وجود سے جنم دیتا ہے۔مثلاً درخت اپنے بیج سے ایک نئے درخت کو جنم دیتا ہے۔گھوڑا ایک اور گھوڑے کو، کُتا ایک اور کتے کو اور انسان ایک نئے انسان کو جنم دیتا ہے۔

دوسرے جانداروں میں یا دوسرے جانداروں کے لئے اس طریقہ جنم میں کوئی پیغام ہو یا نہ ہو مگر اعلیٰ ترین درجے کا شعور رکھنے والے انسانوں کے لئے اس میں ایک غیر معمولی پیغام ہے۔اور وہ یہ کہ دنیا میں ان کی جگہ لینے ان کے اپنے وجود سے ایک دوسرا شخص آچکا ہے۔اب نسل انسانی کے لئے ان کا نعم البدل سامنے آگیا ہے۔بظاہر یہ زندگی کی آمد ہے۔لیکن درحقیقت یہ خوشی کی بقا کے لفافے میں رکھا ہوا موت کا المناک پیغام ہے۔یہ زندگی کے دروازے پر موت کی خاموش دستک ہے۔ یہ دستک انسان کے دروازے پر دوبارہ اس وقت سنائی دیتی ہے۔جب اس کے ماں باپ میں سے کسی کا انتقال ہوجاتا ہے۔

جو نادان پہلی دستک پر نہیں چونکے انہیں دوسری اور زیادہ واضح دستک پر ہڑبڑا کر اٹھ جانا چاہئے۔انہیں جان لینا چاہیے کہ ان کی پیدائش کے بعد ان کے ماں باپ کا جانا اگر مقدر ہے۔تو ان کی اولاد کے آجانے کے بعد ان کا جانا بھی طے ہو چکا ہے۔

جوانی اور ادھیڑ عمر مالی اور جسمانی ہر دو اعتبار سے زندگی کا بہترین حصہ ہوتا ہے۔انسان چاہے تو اس بہترین وقت کو استعمال کر کے جنت میں اعلیٰ مقام حاصل کر سکتا ہے۔مگر اکثر لوگ زندگی کے اس قیمتی دور کو دنیا کی عارضی زندگی کی ترقی کے لئے وقف کر دیتے ہیں۔

ایسے میں موت دو مرتبہ ہوشیار کرنے کے لئے زندگی کے دروازے پر دستک دیتی ہے۔تاکہ لوگ غفلت کی نیند سے جاگیں اور ہمیشہ والی جنت کے حصول کے لئے اپنی تمام تر صلاحتیں لگا دیں۔کیونکہ موت بہت جلد ایک زلزلے کی صورت میں نمودار ہو کر انسان کی ہر ترقی اور ہر تعمیر کو ڈھا دے گی اور پھر ایسے انسان کے پاس پچھتاوؤں کے علاوہ کچھ نہیں ہوگا۔ہمیں موت کی اس دستک پر کان لگائے رکھنے چاہیے قبل اس کے کہ یہ دستک موت کا زلزلہ بن کر نمودار ہو جائے۔

ہمارے لئے نشہ حرام ہے۔لیکن انسان ہر دور میں نشہ کرتے آئے ہیں۔نشہ انسان کو وقتی طور پر مزہ یا سرور دیتا ہے۔اور اُسے زندگی کے تلخ حقائق سے دور کر دیتا ہے۔نشہ ہمیں مستقل بنیادوں پر کبھی سکون نہیں دے سکتا۔نشہ انسان کو ہوش سے بے ہوشی کی طرف لے آتا ہے۔دوسرے لفظوں میں یہ ایک غفلت ہے۔اور نشے کا عادی ہونے کے بعد لوگوں سے غافل ہوتا چلا جاتا ہے۔آہستہ آہستہ نشے کی عادت کے بعد اس کا سرور کم سے کم ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ جب لوگ مزے کے بجائے مجبوری میں نشہ کرتے ہیں۔اور پھر طرح طرح کے عوارض اور مسائل کا شکار ہوجاتے ہیں۔انسان اپنی تاریخ میں ناک اور زبان کے راستے سے ہی نشہ سے واقف رہے ہیں۔جیسے ہیروئن اور شراب وغیرہ۔ مگر اکیسویں صدی میں نشہ کی ایک نئی قسم ایجاد ہوگئی ہے۔جو آنکھوں کے راستے انسانوں کے اندر اُتر جاتی ہے۔یہ نشہ انفارمیشن ایج کے آلات سے ملنے والی تفریح کا نشہ ہے۔

"ٹی وی، فلمیں، ڈرامے، کھیل، وڈیو گیم، انٹرنٹ، فیس بُک، چیٹنگ وغیرہ" اس نشہ کی نمایاں ترین مثالیں ہیں۔

اکیسویں صدی کا ہر فرد کم یا زیادہ اس نشے کا شکار ہے۔لوگ اس نشے کے بھی اسی طرح عادی ہوجاتے ہیں جیسے شراب، افیون، اور چرس وغیرہ کا نشہ ہوتا ہے۔ان چیزوں کے بغیر ان کے شب و روز اور صبح شام نہیں کٹتے۔اور اس نتیجے میں بچے تعلیم سے، خواتین گھر سے، اور مرد اپنی ذمہ داریوں سے بے نیاز ہوجاتے ہیں۔لوگ ایک گھر میں رہ کر ایک دوسرے سے بے نیاز ہوجاتے ہیں۔دوست احباب اور رشتہ داروں سے ملنے کا وقت نہیں رہتا۔وقت کا ضیاں، ذہنی صلاحیتوں کا مفلوج ہونا اور اخلاقی اقدار کی کمزوری اس کے عام نتائج ہیں۔یہ نشہ بھی فرد اور معاشرے کو ایسا ہی نقصان پہنچا رہا ہے جیسے دوسرے نشے۔

مگر بدقسمتی سے کوئی اس نشہ کو نشہ نہیں جانتا۔اور پھر خود کو اور اپنے بچوں کو اس نشہ سے بچانے کی کوشش نہیں کرتا۔یہاں تک کہ یہ انسانوں کو سکون سے بالکل محروم کرنے پر تلا ہوا ہے۔دنیا میں آخرت کی کمائی کا یہ وقت شیطان نے کتنے اچھے روپ میں چھین لیا ہے۔موجودہ وقت کا گزر جانا کتنی بڑی محرومی ہے۔محرومی اور ذلت کا سامنا کرنا انسانوں کے لئے ہمیشہ ایک اذیت ناک تجربہ ہوتا ہے۔

قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے مجرموں کو جب ذلت اور محروی کا سامنا ہوگا تو اس کے ساتھ پچھتاوے اور ندامت کو بڑھانے والے سارے عناصر بھی اس موقع پر جمع کر دیئے جائیں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ (سورۃ یونس، آیت نمبر 45)

ترجمہ: ''اور جس دن اللہ اس کو اکٹھا کرے گا۔ وہ محسوس کریں گے کہ گو یا وہ دن کی ایک گھڑی (وہی دنیا میں) رہے اور وہ ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے''

اس آیت کا پہلا جملہ بتا رہا ہے کہ نافرمان لوگ بروز قیامت ماضی میں گزری ہوئی زندگی کو ایسا محسوس کریں گے۔ گو یا شام قیامت سے قبل دن کی ایک گھڑی میں وہ دنیا میں رہے ہیں۔ وہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ اس صبح زندگی میں لوٹ کر اپنے اعمال کو بہتر بنا لیں۔ مگر ایسا کرنا ممکن نہ ہوگا۔

ان کا دوسرا عذاب یہ ہوگا کہ نامرادی اور ذلت کے ان لمحات کے گواہ ان کے جانے پہچانے سارے لوگ وہاں ہوں گے۔ **کیسی مایوس کن ہوگی قیامت کی نامرادی اور کیسی شدید ہوگی اس روز کی رسوائی؟**

افسوس اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کو بھولے رہتے ہیں اور وہ اپنے رب کو نہیں پکارتے۔ وہ ابلیس کی پکار پر لبیک کہتے ہیں اور غفلت کے جھولے جھولتے ہوئے ایک روز قبر کے اندھیرے میں جا گرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ انسان کی ہر پکار کا جواب دینے کو ہر وقت تیار ہے۔ لیکن بدنصیب ہیں وہ جو اسے پکارتے ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ ہاں اس کو محسوس کرنے کے لئے بندے میں خود زندگی ہونی چاہیے۔ کونسی زندگی؟ ایمان کی زندگی۔ جس شخص میں ایمان کی زندگی موجود ہے۔ وہ زندگی کے ہر موڑ پر اللہ تعالیٰ کی معیت (ساتھ) کا زندہ تجربہ کر لیتا ہے۔ یہی رویہ جنت کی ختم نہ ہونے والی نعمتیں حاصل کرنے کا درست طریقہ ہے۔ سب کا انجام سب کی منزل قبر کا گڑھا ہے۔ مگر انسان کا معاملہ یہ ہے کہ وہ اس حقیقت سے غافل ہو کر جیتا ہے۔ وہ ایسے جیتا ہے جیسے اسے کبھی مرنا ہی نہیں مگر جب مرتا ہے تو ایسے غائب ہو جاتا ہے جیسے کبھی موجود ہی نہ تھا۔ مستقبل کی ضروریات کے لئے کچھ نہ کچھ نظر انداز کرنا بھی مجبوری ہے۔ جیسے گھر کے لئے سامان وغیرہ کا ہونا مجبوری ہے۔ عام لوگوں کو تو شاید اس سے فرق نہیں پڑتا لیکن ہاں جو لوگ آخرت کو اپنا مقصد حیات بنا کر جیتے ہیں ان کا دل اس احساس سے کیوں بوجھل رہتا ہے؟ یہ مسئلہ ہر شخص کا ہے۔ کسی نے ایک عارف سے سوال کیا کیا مال جمع کرنا بری بات ہے؟ عارف کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے سر اٹھایا اور خود ایک سوال کر دیا۔ کشتی کس لئے بنائی جاتی ہے؟ سائل نے جواب دیا! پانی میں سفر کرنے کے لئے'' ''اور اگر پانی کشتی میں آجائے تو''؟ عارف نے دوبارہ سوال کیا۔ ''کشتی ڈوب جائے گی'' سائل نے جواب دیا۔

بس یہی مثال مومن اور مال و دنیا کا صحیح تعلق بیان کرتی ہے۔ مال اور دنیا سے متعلق ہزاروں سوال پیدا ہو سکتے ہیں۔ مگر یہ مثال یاد رہے تو پھر سوال کا جواب خود مل جاتا ہے۔ مومن کا وجود کشتی کی طرح ہوتا ہے۔ اسے ترک دنیا کی اجازت نہیں۔ اسے دنیا میں جینا ہے کہ یہی امتحان ہے۔ مگر مال کے بغیر جیا نہیں جا سکتا۔ جیسے کشتی پانی کے بغیر نہیں چل سکتی۔ کشتی کے ہر طرف پانی ہوتا ہے لیکن کشتی کے اندر پانی نہیں ہوتا۔ ہونا بھی نہیں چاہیے۔ اسی طرح مومن کے ہر طرف دنیا ہوتی ہے۔ مگر اس کے دل میں دنیا نہیں ہوتی۔ چیزیں اس کے گھر میں آتی ہیں دل میں نہیں۔ مال بینک اسٹیٹمنٹ میں نظر آتا ہے۔ دل کے بینک میں صرف آخرت کا حساب ہو رہا ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو بہت دولت بھی نقصان نہیں پہنچاتی۔ اور اگر ایسا نہیں تو بہت کم دولت بھی انسان کو سانپ کی طرح ڈس لیتی ہے۔

ہم انسان اپنے پروردگار کی نعمتوں کو عام طور پر دو حصوں میں بانٹتے ہیں۔ ایک بڑی نعمت ہے۔ دوسری چھوٹی نعمت، چھوٹی نعمت کی تعریف ہر فرد کے حساب سے مختلف ہو سکتی ہے۔ مگر انسان کی نفسیات کے اعتبار سے اس کا معیار نعمت کے ملنے پر انسان کا ردعمل ہے۔

جس چیز کے ملنے پر انسان بے حد خوش ہوتا ہے وہ اس کے نزدیک بڑی نعمت ہوتی ہے۔

اور جس چیز کے ملنے پر کوئی ردعمل نہ آئے وہ انسان کے نزدیک ایک چھوٹی اور معمولی نعمت ہوتی ہے۔

مثلاً پسند کی شادی کے وقت ایک نوجوان جتنا خوش ہوتا ہے۔ پانی کا ایک گلاس پیتے وقت وہ وہی خوشی محسوس نہیں کرتا۔

تاہم حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں ہر نعمت بڑی نعمت ہے۔

مثلاً شادی پر خوشیاں منانے والے نوجوان کا پانی اگر شادی سے صرف ایک دن پہلے بند کر دیا جائے تو نکاح کے وقت تک وہ اپنی دلہن کو بھول کر پانی کو زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ بنا چکا ہوگا۔ تاہم یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی عنایت ہے کہ وہ زندگی کی ہر بڑی نعمت کو مفت فراہم کر رہا ہے۔ مثلاً زندگی، صحت، عافیت، ہوا، پانی، رشتے ناتے، یہ وہ نعمتیں ہیں جو عموماً انسان کو بلا روک ٹوک اور بلا مشقت مل جاتی ہیں۔ یہ اس کے کرم پر کرم ہے کہ اس نے جو نعمت جتنی زیادہ اہم رکھی ہے اتنی زیادہ وہ عام کر دی ہے۔ مثلاً ٹھنڈا پانی سب سے بڑی نعمت ہے اور پانی کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے کتنا عام کر دیا ہے۔ سانس لینے کے لیے آکسیجن کتنی اہم ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہوا کے

اجزا میں اسے شامل کر کے بندوں کے لئے کتنا عام کر دیا ہے۔ کہ شکر کی طرف دھیان ہی نہیں جاتا۔

اس لئے جو نادان شعور نہیں رکھتے وہ ایسی نعمتوں کو چھوٹی نعمت سمجھتے ہیں، یا اکثر لوگ تو انہیں کوئی نعمت ہی نہیں سمجھتے۔ یہ اسلام رکھنے والے لوگ ہوتے ہیں کہ ایمان ان کے دل میں اثر ہی نہیں ہوتا۔ لیکن جو لوگ ایمان رکھتے ہیں وہ اس احساس سے ہی تڑپ اُٹھتے ہیں کہ ان کے مہربان رب نے ضرورت کی ہر چیز انہیں بے حساب اور بالکل مفت دے رکھی ہے۔ ان کی آنکھیں شکر گزاری کے احساس سے بہتی رہتی ہیں اور یہ صبح شام اپنے رب کے احسانات کو یاد کر کے روتے رہتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں عنقریب جہنم کی آگ سے بچا کر جنت کی ختم نہ ہونے والی نعمتوں میں بسا دیا جائے گا۔

تعجب تو اس بات پر ہوتا ہے کہ انسان جسے باشعور کہا گیا ہے وہ یہ بات کیوں نہیں سمجھ جاتا کہ دنیا کی سب سے زیادہ قیمتی چیز زندگی ہے۔ اور یہ ہر شخص کو مفت مل گئی ہے۔ پھر زندگی کو برقرار رکھنے اور زندگی کو پُرلطف بنانے کے لئے تمام سامان ہمیں مفت دستیاب ہیں۔ مثلاً ہوا، پانی، زمین، موسم، دن، رات، اور اس کے بعد اگر غور کریں تو وجود انسانی کے تمام اعضاء قویٰ اور جوڑ و بند وغیرہ۔ یہ ان لاتعداد نعمتوں میں سے صرف چند ہیں۔ انسانی وجود کے اندر کے ہر نظام کو اگر غور سے دیکھا جائے تو انسان بے اختیار پکار اٹھتا ہے: **"مالک میں تیری نعمتوں کا شکرانہ ادا کرنے کے قابل نہیں ہوں"۔**

لیکن ہمارے وجود تو سوچکے ہیں۔ ہمارے دل میں کبھی اس ہستی کی سچی یاد نہیں جاگتی جو یہ سب کچھ ہمیں دیتا چلا جاتا ہے۔ ہماری یہ آنکھیں اس کے اعتراف نعمت میں کبھی نم نہیں ہوتیں۔ احساس کی دنیا اس کی محبت میں سرشار نہیں ہوتی۔ **افسوس کے حسن کی ہر قسم کا ادراک اور اپنے عجز کی ہر شکل کا احساس رکھنے والا یہ انسان اپنے مالک سے بے پرواہ ہو کر جیتا ہے۔** اللہ تعالیٰ کی ہستی سے زیادہ حسین وجود کسی کا نہیں۔ مگر اس کا یہ حسن اس کی صفات کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ سورج اس کے جلال کا ایک ادنی پرتو (عکس) ہے۔ بدر کامل (پورا چاند) اس کے جمال کا ایک حقیر نمونہ ہے۔ آسمان اس کی عظمت کا ایک معمولی سا نشان ہے۔ بارش اس کی رحمت کا محض ایک قطرہ ہے۔ زندگی اس کی شفقت کا بس ایک ذرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کا مخلوقات میں یہی ظہور وہ ذریعہ ہے جس سے بندہ مومن یہ جانتا ہے کہ اس کا رب کیسا ہے؟؟؟

اس بے مثل اللہ تعالیٰ کی معرفت (پہچان) اگر کسی کو حاصل ہو جائے تو وہ خود بھی کامل ہو جاتا ہے۔ مخلوق میں کامل اللہ تعالیٰ کی بندگی اس کی زندگی ہو جاتی ہے۔ مخلوق سے محبت اس کی عادت بن جاتی ہے۔ صبر اس کی سیرت اور شکر اس کا طریقہ بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یاد اس کو قوت دیتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی لگن اسے ہر سرد و گرم میں باعمل رکھتی ہے۔ یہ وہ بندہ مومن ہوتا ہے جس کا دل اللہ کا گھر بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس گھر میں کبھی کوئی منفی جذبہ جگہ نہیں بنا پاتا۔

حسد، تکبر، کینہ، نفرت، بخل، اسراف، نمود و نمائش، نفسانیت، غفلت، غیبت، تجسس، بدگمانی، حرام کی محبت جیسی گندگیاں کبھی اس گھر میں نہیں آسکتیں جس گھر میں اللہ کی یاد رہتی ہے۔ اس کی خوراک اس کی گفتگو اس کی عادات سب اس کے قابو میں ہونے کے باوجود اس کے رب کی مرضی کے خلاف نہیں جاسکتیں۔ اور کبھی چلی بھی جائیں تو وہ توبہ کے آنسوؤں سے اپنے ہر داغ کو دھوڈالتا ہے۔

یہ بندہ مومن ایک مکمل آزاد وجود رکھتا ہے۔ لیکن یہ ایک مکمل پابند اور گرفتار بندہ بن کر جیتا ہے۔ یہی آزاد مگر اسیر بندہ دراصل اللہ کا بندہ ہوتا ہے۔

انسانوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کو مکمل اور یکطرفہ اختیار حاصل ہے۔ اس کے بعد یہ عین ممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں پر سخت قسم کے قوانین ضابطوں اور مطالبات کا بوجھ ڈال دیتا۔ اور انسانوں کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا کہ وہ اس کے ہر حکم اور قانون کی تعمیل کریں، مثلاً وہ کہہ سکتا تھا کہ روزوں کی پابندی ایک ماہ کے بجائے تمام سال کے لیے ہے۔ دن میں پانچ نمازیں نہیں 50 فرض ہیں حج ہر سال کرنا ہے۔ زکوٰۃ کی شرح ستر فی صد ہے۔ دین کے فرائض کے علاوہ وہ دین کے کمال کو بھی انتہائی مشکل احکام پر مشتمل کر سکتا تھا۔ مثلاً عیدالاضحیٰ کے دن وہ ہر انسان سے اس کے پہلے بچے کی قربانی مانگ سکتا تھا۔ اعتکاف میں نہ بولنے کی پابندی عائد کر سکتا تھا۔ غرض اس طرح کی ہزاروں پابندیاں لگانا اس کے لئے بالکل ممکن تھا اور انسان اس کے مقابلے میں چوں بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس احکام کی خلاف ورزی پر جہنم کی سزا ملتی اور جنت کے اعلیٰ درجوں کا حصول خواب اور خیال کی بات ہوتی۔

مگر اس کی ذات پر قربان جو اپنی تمام تر طاقت کے باوجود انسانوں سے اتنے آسان مطالبات کرتا ہے۔ جس کا پورا کرنا قطعاً مشکل نہیں۔ پھر ان مطالبات کے پورا کرنے سے اس کی ذات کو کوئی فائدہ بھی نہیں۔ مگر اس کے باوجود انسانوں کی اکثریت ان آسان احکام کی پیروی کو بھی نظر انداز کئے ہوئے ہے۔

اس میں شک نہیں کہ پروردگار شرف کی انتہا بھی ہے۔ اور شرافت کی انتہا بھی مگر انسان اس کی قدر نہیں کرتا۔ جو عطا میں مہربانی کرتا ہے۔ اور محرومی میں

احسان کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ انسانوں کے ساتھ ہمیشہ عطا اور کرم کا معاملہ رکھتا ہے۔**کتنا کمزور ہے یہ انسان جو زندگی اور اقتدار کی خواہش کے باوجود ان چیزوں سے محروم ہوجاتا ہے اور کتنا کریم ہے وہ رب جو ایک سجدے کے عوض اسے یہ سب کچھ عطا کردیتا ہے۔**

یہ دنیا امتحان کی جگہ ہے۔اس لیے اس دنیا کے ہر معاملے میں انسان کی یہ غفلت اور سرکشی برداشت کی جا رہی ہے۔مگر عنقریب سزا اور جزا کی وہ دنیا قائم ہونے والی ہے۔جس میں اللہ تعالیٰ اپنے چہرے سے نقاب اٹھا دے گا اور حسن توحید کی تجلی کائنات کے ہر ذرے کو جگمگا دے گی۔اس روز کچھ بدبخت ہوں گے جن کی تقدیر ان کے نامہ اعمال کی طرح سیاہ ہی رہے گی حسن ازل کی اس تجلی سے اس کا وجود منور نہ ہوگا یہ وہی محروم ہوں گے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہ جانی اور فانی دنیا ہی میں مشغول رہے۔

قرآن کریم میں دنیا کی زیب وزینت،خوبصورتی اور جمالیات سے متعلق دو قسم کے بیانات ملتے ہیں۔

ایک وہ جن میں بااصرار یہ کہا گیا ہے کہ دنیا کی زیب وزینت نہ صرف جائز ہے۔بلکہ دنیا میں اہل ایمان ہی کے لیے تخلیق کی گئی ہے۔(سورۃ الاعراف،آیت نمبر 32)

جبکہ دوسری طرف اس کی مذمت کی گئی ہے۔(سورۃ حدید،آیت نمبر 20)

ان دو قسم کے بیانات میں بظاہر تضاد محسوس ہوتا ہے۔اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر ہمارے ہاں بالعموم یہ بات مان لی گئی ہے کہ زینت دنیا تقویٰ اور ایمان کے اعلیٰ درجات کے منافی ہے۔

قرآن کا گہرا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ معاملہ یوں نہیں ہے۔زینت دنیا سے متعلق قرآن پاک کا اصل بیان وہی ہے جو سورہ اعراف میں بیان ہوا ہے۔

زینت دنیا کی مذمت یا متاع دنیا کی بے وقعتی قرآن کریم میں جب کبھی زیر بحث آتی ہے تو وہ کفار کے اس رویئے کا بیان ہوتا ہے۔جس میں وہ حق وانصاف اور انفاق واحسان کو فراموش کر کے اپنی ساری تگ ودو کا مرکز دنیا اور اس کی خوبصورتی کو بنا لیتے ہیں ظاہر ہے کہ یہ رویہ اپنی ذات میں بڑا منفی رویہ ہے۔

اصل مخالفت اس بات کی ہے کہ انسان دنیا کی رنگینی میں گم ہو کر آخرت کو بھول جائے۔انسان اللہ اور بندوں کے حقوق کو بھول جائے اور عیش وعشرت کی زندگی میں مگن رہے۔یہ رویہ بلاشبہ ایک قابل مذمت رویہ ہے۔

مال بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔لیکن اس نعمت کی حقیقت یہ ہے کہ یہ انسانوں کو آزمائش کے لیے دیا جاتا ہے۔انسان کو جو کچھ بھی ملتا ہے اللہ تعالیٰ کی عطا سے ملتا ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کی ایک تقسیم ہے۔یہ تقسیم ہمیشہ غیر متوازی رکھی جاتی ہے۔اس تقسیم کے ذریعے اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتا ہے۔کہ پیسے والے لوگ مال پا کر قارون بنتے ہیں یا رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے ارشاد کے مطابق یہ جان لیتے ہیں کہ یہ مال اصل میں انہیں ضعیفوں کی وجہ سے ملا ہے۔جو لوگ قارون بنتے ہیں ان کا انجام بھی قارون جیسا ہوگا۔لیکن جو لوگ اسے عطیہ الٰہی سمجھ کر ہر نیک کام میں اس کو خرچ کرتے ہیں۔انہیں اللہ تعالیٰ کے نبی خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ بسا دیا جائے گا۔

انسان کی معلوم کائنات دو دنیاؤں کا مجموعہ ہے۔ 1-اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ دنیا 2-انسان کی اپنی دنیا

1۔اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ دنیا: یہ دنیا زندگی اور اس کی ہر رعنائی کا آخیری نشان ہے۔اس دنیا میں بے پناہ حسن ہے۔بے حد توازن ہے۔رنگ وخوشبو کی دل آویزی ہے،نغمہ وآہنگ کی دلکشی ہے۔نور ولطافت کے ان گنت دریچے ہیں۔لمس اور لذت کے بے شمار جھروکے ہیں۔زیست کی حرارت ہے۔تاروں کی جگمگاہٹ ہے۔جگنوؤں کی روشنی ہے شفق کی لالی ہے۔ہوا کی سرسراہٹ ہے۔ساز کی دلکشی ہے۔اور آواز کا سرور ہے۔غرض انسان کسی بھی خوبی کا تصور کرلے اس کا ایک مکمل نمونہ یہاں موجود ہے۔یہ دنیا اللہ تعالیٰ کے بے انتہا کمال کا ایک ادنیٰ تعارف ہے۔**مگر یہ کمال جمال کی رنگ آمیزی سے عبارت ہے۔**

2۔انسان کی اپنی دنیا:- اس دنیا پر موت کا راج ہے۔یہاں فنا کی حکمرانی ہے۔یہاں زلزلے ہیں۔بجلیاں ہیں۔سیلاب ہیں طوفان ہیں۔بیماریاں ہیں۔بڑھاپا ہے،معذوری ہے،غم والم ہے،مایوسی ہے،خوف وملال ہے،دکھ کی جلن ہے،پچھتاوے کی آگ ہے۔یہاں بے گناہ قتل ہوجاتے ہیں۔معصوم سزا پاتے ہیں۔کمزور ظلم کا نشان بن جاتے ہیں۔ہنرمند بے سہارا اور باصلاحیت بے روزگار رہ جاتے ہیں۔

غرض موت ہر قبا پہنے اور پریشانی ہر ردا اوڑھے دھرتی اور اس دھرتی کے باسیوں کو ہر روز اپنا نشانہ بناتی ہے۔یہ دنیا اگر اللہ تعالیٰ کی رضا سے نہیں مگر اس کے اذن سے ہی ظہور پذیر ہوئی ہے اس سے یہ بھی اللہ تعالیٰ کے کمال کا ادنی تعارف ہے۔**مگر یہ کمال اس کے جلال کا عکس لئے ہوئے ہے۔**

موت اور زندگی کا یہ سلسلہ نہ جانے کب سے شروع ہوا ہے اور نہ جانے کب تک چلے گا؟ کوئی نہیں جانتا۔مگر جو ہم جانتے ہیں۔وہ یہ ہے کہ عنقریب انسان کو

معلوم ہوجائے گا کہ یہ دو دنیائیں ختم ہوجائیں گی۔ پھر ایک نئی دنیا قائم ہوگی۔

اُس دنیا میں رب تعالیٰ ایک مرتبہ پھر اپنے جلال وکمال اور اپنے جمال وکمال کی صناعی سے دو دنیائیں تخلیق کرے گا۔مگر یہ دو دنیائیں اس کے کمال وجلال کا تعارف نہیں بلکہ اس کا مکمل نمونہ ہونگیں۔

ان میں پہلی دنیا! جنت کی دنیا ہوگی۔اس دنیا میں صرف جمال خداوندی ظہور ہوگا۔مگر ہر جمال کمال کی انتہا کو پہنچا ہوگا زندگی ہوگی مگر موت سے بے خوف۔ جوانی ہوگی مگر بڑھاپے سے بے پرواہ۔حسن ہوگا مگر زوال سے نا آشنا۔لذت ہوگی مگر بے زاری سے محفوظ۔سکون ہوگا مگر ہر اندیشے سے مامون الحمدللہ و سبحان اللہ۔

دوسری دنیا! جہنم کی دنیا ہوگی۔اذیت، مصیبت، ملامت، حسرت، محرومی، مایوسی، بھوک پیاس تڑپ۔ بے حسی، پچھتاوے، غرض عذاب اور آگ کے اتنے روپ ہوں گے کہ گنے نہیں جاسکتے۔ یہ سب بھی کمال کے درجے پر ہوگا۔مگر یہ کمال۔ جلال وغضب اس تپش سے عبارت ہوگا جس سے سرزمین دوزخ کا ذرہ، ذرہ سلگ رہا ہوگا۔

استغفر اللہ استغفر اللہ ،اللہ اکبر اللہ اکبر

پہلی بستی کو دو قسم کے لوگ لے جائیں گے ایک جو اس دنیا میں اپنے مالک سے بے پرواہ ہو کر نہیں جیئے۔ جو حکم سامنے آیا انہوں نے جانا۔ جہاں غلطی ہوئی معافی مانگ لی۔ایمان واخلاق کے تقاضوں کو مقدور بھر بجالاتے رہے دوسرے وہ جو جنت کی اعلیٰ بازی لے گئے۔

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات کو اپنی زندگی بنالیا۔وہ ہر لمحہ اس کی یاد اور اس کی محبت میں جیئے۔ زندگی کے ہر سرگرم میں اس کے آگے جھکے رہے۔اس کے دین کی نصرت میں سعی اور جدوجہد کرتے رہے اور عبادت رب میں سرگرم رہے۔ ایک ان دیکھا داتا اُن کا معبود تھا تو اس معبود نے بھی ایسے لوگوں کو ابدی طور پر اپنے قرب سے نواز دیا۔

دوسری بستی کے پاس بھی دو قسم کے لوگ ہوں گے پہلے وہ جو سرکشی کرتے رہے۔ ظلم وفساد مچاتے رہے۔قتل وخون ریزی جن کا شیوہ رہا۔اور فسق وفجور جن کا پیشہ رہا۔جن کے سامنے سچ آیا تو جانتے بوجھتے انہوں نے آنکھیں بند کرلیں۔انہوں نے حق کو حق کی شکل میں دیکھ لیا لیکن تکبر اور نخوت نے ان کی گردنوں میں سریا لگا دیا۔ان کے سر نہ جھکے،تعصب، مفاد پرستی، فرقہ پرستی، اور کبر اُن کے دلوں کا روگ تھا۔**ان کا روگ انہیں لے ڈوبا۔ اور ڈوبا بھی اس بستی میں جہاں ہر طرف عذاب کی بارش ہو رہی تھی۔**

اس بستی کے دوسرے مکین وہ ہیں جن کے دل غفلت کا شکار رہے۔ دنیا کے مزوں اور لطف نے انہیں اندھا کر دیا۔ بدکاری اور بدی نے ان کی زندگی کا احاطہ کرلیا۔ وہ جانور بن کر جیے اور پیٹ وفرج کے تقاضوں سے اوپر اٹھ کر نہ دیکھ سکے کہ جمال اور کمال کی کس دنیا میں وہ بسائے گئے ہیں؟ وہ اللہ تعالیٰ کی اس تعارف گاہ کو ایک چراگاہ

سمجھے معرفت، عبادت، اور عبادت کی خوراک کے بجائے گناہ اور معصیت کا رزق ان کا مقدر بنا۔ انہوں نے معرفت رب کا ایک دفعہ ملنے والا یہ موقعہ ہمیشہ کے لیے کھو دیا۔ یہ غافل بھی سرکشوں کے ساتھ جلال الٰہی کا ناقابل برداشت تپش کا سامنا کریں گے۔

ہم سب ان چار گروہوں میں سے کسی ایک گروہ میں ہیں کچھ زیادہ وقت نہیں ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو معلوم ہوجائے گا کہ کون تھا جو اللہ تعالیٰ کی آہٹ پر ڈرنے والا تھا؟ اور کون تھا جو آخرت کی ہر گرج کے بعد بھی غفلت کی نیند سویا رہتا تھا؟ کون تھا جو سراپا حمد تھا؟ اور کون تھا جو سرکشی کا پیکر تھا؟ **اس لیے تعجب اس بات پر نہیں ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ مجرموں کو اب کیوں نہیں پکڑ رہا؟ حیرت اس بات پر ہونی چاہیئے کہ اس کی یقینی پکڑ کے باوجود جرائم کیوں کیئے جاتے ہیں؟**

جو وقت کو برباد کرے گا وہ ایک دن خود برباد ہوجائے گا۔ اس لئے یہ جان لینا چاہیے کہ نجات بلاشبہ انسانی ضرورت ہے۔ مگر شکر ومحبت میں ڈوبی ہوئی بندگی اس سے کہیں بڑھ کر انسانی ضرورت ہے۔خوش نصیب ہیں جو اس سعادت کو حاصل کرنے والے ہیں۔

یاد رکھیں کہ!

کامیاب زندگی یہ نہیں کہ ہم کتنے خوش ہیں بلکہ کامیاب زندگی یہ ہے کہ ہمارا رب ہم سے کتنا خوش ہے؟

****

وتعز من تشاء وتذل من تشاء

نیک لوگ عموماً دو طرح کے ہوتے ہیں:-

ایک وہ جنہیں ان کی نیکی، تقوی اور پارسائی نے اللہ تعالیٰ کی معرفت سے نوازا ہوتا ہے۔

دوسرے وہ جن کی عبادت وریاضت، فضل وکمال اور منصب ومرتبہ نے انہیں اللہ تعالیٰ سے زیادہ اپنی ذات کا عرفان بخشا ہوتا ہے۔(خود کو کچھ سمجھنے لگتے ہیں)

ظاہری سیرت، اور کردار کے حساب سے بظاہر دونوں گروہ ایک جیسے معلوم ہوتے ہیں، دونوں ہی عبادت گزار، ریاضت اور مجاہدہ کرنے والے ہوتے ہیں۔

لیکن بعض اوقات قدرت ایسے حالات پیدا کر دیتی ہے جو کسوٹی بن کر اس بات کا فیصلہ کر دیتے ہیں کہ ان دونوں گروہوں میں سے کون سا گروہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا مستحق ہے؟ اور کونسا گروپ اس کے غضب کا حقدار ہوگا؟

اس طرح کے حالات اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب اللہ تعالیٰ اِن نیک لوگوں کی موجودگی میں اور ان کے سامنے کسی ایسے شخص کا مرتبہ بلند کر دیتے ہیں جس سے یہ خود کو بالاتر خیال کرتے ہوں۔ اگر یہ نیکوکار پہلے گروہ سے ہوتا ہے یعنی جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت سے نوازا ہوا ہوتا ہے۔تو اس کا ذہن فوراً ہی اللہ تعالیٰ کی بے حساب بخشش اور عطا کی طرف مڑ جاتا ہے۔ کہ باری تعالیٰ نے اسے کس کس انداز میں نوازا ہے۔ وہ اپنے مالک کے حضور گر پڑتا ہے اور پھر اس کی زبان سے معرفت کے اعلیٰ ترین الفاظ نکلتے ہیں۔ اس کے زمین بوس وجود سے وہ دعائیں نکلتی ہیں جو آسمان کا سینہ چیرتی ہوئی عرشِ قبولیت تک جا پہنچتی ہیں۔ اس کا عجز بارگاہ الٰہی میں اس طرح گویا ہوتا ہے:

'' مالک تو نے اپنی کتاب میں ہمیں سکھایا ہے کہ جب حق داروں کا حق ان کو دیا جا رہا ہو اور ایسے میں کوئی سوالی آجائے تو اسے بھی از راہ عنایت کچھ نہ کچھ دے دینا چاہیے''۔(سورۃ النساء آیت نمبر 8) ''مولا تو نے اپنے اس بندے کو جو کچھ دیا ہے یقیناً اپنے علم وحکمت کی بنیاد پر دیا ہے۔ باری تعالیٰ اس تقسیم کے وقت میں بھی ایک سائل بن کر تیری بارگاہ میں حاضر ہو گیا ہوں۔ اے رب تو مجھے وہ سب کچھ بلاحق دے دے جو تو دوسروں کو حق کی بنیاد پر دیتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کی شان کریمی یہ گوارا نہیں کر سکتی کہ جس کرم کی اس نے دوسروں کو تلقین کی ہے وہ خود اس کا اظہار نہ کرے۔ چنانچہ پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت مانگنے والے پر برستی ہے۔ اور اس طرح برستی ہے کہ دنیا دیکھتی ہے۔ مانگنے والے کی جھولی عطا اور بخشش کے خزانوں سے بھر دی جاتی ہے۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے ذلیل ہونے والا اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے ماتھے کو زمین پر رگڑنے والا انسانوں کے سروں کا تاج بنا دیا جاتا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے وہ جسے چاہے عنایت کرے بے شک وہ بہت بڑا اور بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

اس کے برعکس دوسری قسم کے نیکوکاروں کے سامنے پیش آنے والا ایسا کوئی بھی واقعہ ان پر حملے کے مترادف ہوتا ہے اور یہ ان کے مینار عظمت کو زمین بوس کر دیتا ہے۔ وہ یہ گوارا نہیں کر پاتے کہ اللہ تعالیٰ کی بخشش ہمیں چھوڑ کر دوسروں کی طرف کیسے متوجہ ہوگئی؟ ان کا نفس اس بات کو قبول نہیں کر پاتا۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان کے دل میں اس شخص کے خلاف حسد، بغض اور عداوت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور پھر حسد اور تکبر کی یہ آگ ان کا اپنا ہی نشیمن جلا ڈالتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قہر ان پر نازل ہو جاتا ہے اور وہ بارگاہ الٰہی سے مردود کر دیے جاتے ہیں۔ اس بات کو روزمرہ زندگی کے ایک واقعے سے سمجھا جا سکتا ہے۔

تمثیل:- دو دوست باتیں کر رہے ہیں، اچانک ایک آدمی جو ان دونوں کا ہی واقف ہے وہاں پہنچ جاتا ہے۔ یہ تیسرا آدمی آج ایک بڑا آدمی ہے آج اس کی بہت عزت ہے لیکن بہت کم درجہ سے ترقی کرتے ہوئے یہاں پہنچ سکا۔ ان دونوں میں سے ایک نے دیکھتے ہی نعرہ لگایا۔ ''ابے کیا ٹھاٹھ ہو گئے تیرے۔ تجھے یاد ہے جب بچپن میں ہم آم کے باغ میں جا کر آم چرایا کرتے تھے۔ تجھے یاد ہے جب ہمارے پاس کالج تک جانے کو پیسے نہ تھے تو ہم نے کیسا فقیروں کا روپ دھارا تھا؟ وہ تو تجھے یاد ہی ہوگا جب ایک کتاب خریدنے کے لیے ہم نے انور کے پرس کو ہی اڑا لیا تھا۔ اور پیسے نکالنے کے بعد اسے کلاس کے باہر پھینک دیا تھا''۔ وہ تیسرا دوست ہر انکشاف پر شرمندہ سا ہو رہا تھا۔ وہ بار بار کوئی بات شروع کرنا چاہتا تھا۔ لیکن دوسرا دوست شاید آج ہی اس کے تمام تر ماضی کو دہرانا چاہتا تھا۔ چائے آئی تیسرے ساتھی نے بڑی مجبوری سے وہ چائے ختم کی پھر اپنے ایک ساتھی کی علالت کا بہانہ کیا اور رخصت ہو گیا۔ اس کے جانے کے بعد پہلے دوست نے دوسرے دوست سے کہا ''دوست تم نے کچھ اچھا نہ کیا تمہارا لہجہ، برتاؤ وغیرہ جو تم نے اپنے اس پرانے ساتھی سے برتا نہ تو دنیاوی لحاظ سے ٹھیک تھا نہ دینی لحاظ سے۔ ہم لوگ پوری زندگی دوست بناتے ہیں ہم اکٹھے پڑھتے ہیں۔ ہم اکٹھے آم چوراتے ہیں ہم اکٹھے اپنی ضروریات پورا کرنے کے لئے تدابیر کرتے اور ان پر عمل کرتے ہیں۔ ہماری نیت خراب نہیں ہوتی ہم وسائل

نہ ہونے کے وجہ سے مجبور ہوتے ہیں۔لیکن ہم میں سے جب کوئی ہمارا دوست زندگی میں اسی طرح محنت کرتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے۔جب وہ کوئی آفیسر بن جاتا ہے یا کسی بڑے عہدے کا حامل ہو جاتا ہے۔تو ہم اس کو پرانی باتیں یاد دلا کر شرمندہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ہم کتنے بے وقوف لوگ ہیں۔جب ہمارا یہ دوست ہماری طرح بے بس، بے سہارا اور غریب تھا تو تب ہم اس کی عزت کرتے تھے۔لیکن جب وہ ہم سے آگے بڑھ گیا تو ہم نے اس کو بے عزت کرنا شروع کر دیا۔کیا ہمارا یہ رویہ عقلی لحاظ سے درست ہے؟ یہ رویہ عقلی اور دنیاوی لحاظ سے غلط تھا۔دوست اب دینی لحاظ سے غلطی سنو! نمرود، فرعون اور ابوجہل کا انجام کیوں برا ہوا تھا؟ کیا صرف اس لئے کہ وہ مشرک تھے؟ نہیں۔سنو میرے دوست اس کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو عزت بخشی تھی لیکن ان لوگوں نے انبیائے کرام کی توہین شروع کر دی۔چنانچہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا شکار ہو گئے۔حالانکہ ان ہی انبیاء اکرام کے ادوار میں بے شمار ایسے لوگ تھے جو پوری زندگی شرک پر قائم رہے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں کسی قسم کی دنیا میں سزا نہیں دی کیونکہ یہ لوگ شرک کے ساتھ انبیاء کرام کی توہین نہیں کیا کرتے تھے۔لہذا اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں نمرود، فرعون اور ابوجہل کے انجام سے بچائے رکھا۔**یاد رکھیں!** جب قدرت لوگوں کو عزت دیتی ہے تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے بندے اس کے فیصلے کا احترام کریں اور وہ بھی اس شخص کی عزت کریں۔لیکن جب کوئی ان لوگوں کی توہین کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے فیصلے اپنے کرم اور اپنے رحم کی توہین سمجھتا ہے۔اللہ تعالیٰ کو جب اپنے بندوں میں سے کسی بندے کی کوئی ادا پسند آ جاتی ہے تو اس کے بدلے میں وہ اسے نیک نامی اور عزت سے نواز دیتا ہے۔لہذا اللہ تعالیٰ جسے عزت دے ہمیں اس کی توہین کرنے کی غلطی نہیں کرنی چاہیے۔ہمیں اس کی برتری تسلیم کرنی چاہیے۔**اب مندرجہ بالا دونوں قسم کے نیکوکاروں کی مثال قرآن پاک سے دی جاتی ہے:-**

پہلے گروہ کی مثال:- حضرت زکریا علیہ السلام اپنے وقت کے نبی اور آل یعقوب کی وراثت کے حامل ہے۔حضرت زکریا علیہ السلام حضرت مریم علیہ السلام کے خالو اور انکے متولی بھی تھے۔حضرت مریم علیہ السلام کی والدہ بے اولاد تھیں انہوں نے منت مانی تھی کہ ان کے ہاں اولاد ہو تو اسے بیت المقدس کا خادم بنا دیں گی۔جب وہ حاملہ ہو گئی تو اپنے شوہر کو یہ بات بتائی کہ میں نے یہ نذر مان لی ہے۔ان کے شوہر نے کہا "اگر وہ لڑکی ہوئی تو وہ اس قابل کہاں ہوگی"؟ اس زمانے میں لڑکوں کو بیت المقدس میں خادم کے طور پر دے دیا جاتا تھا۔لیکن حضرت مریم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ہی ان کے والد نے انتقال فرمایا۔پھر جب حضرت مریم علیہ السلام پیدا ہوئیں تو ان کی والدہ نے حضرت مریم علیہ السلام کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر بیت المقدس میں ''احبار'' (عالم، درویش، راہب) کے سامنے رکھ دیا۔یہ 'احبار' حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ان کی تعداد چالیس تھی۔ہر ایک نے حضرت مریم علیہ السلام کو لینے اور ان کی پرورش کرنے کی خواہش کی۔ان میں سے ایک حضرت زکریا علیہ السلام بھی تھے۔انہوں نے کہا کہ ''میں بچی کا زیادہ حقدار ہوں کیونکہ میرے گھر میں (حضرت مریم علیہ السلام) بچی کی خالہ ہیں۔یعنی رشتے میں حضرت زکریا علیہ السلام حضرت مریم علیہ السلام کے خالو تھے۔لیکن کوئی بھی حضرت مریم علیہ السلام سے دستبردار ہونے پر تیار نہ تھا۔معاملہ اس پر ختم ہوا کہ قرعہ ڈال لیا جائے۔قرعہ حضرت زکریا علیہ السلام کے نام ہی کا نکلا۔حضرت مریم علیہ السلام ابتدائی ایام میں اتنی بڑھتی تھیں جتنا ایک بچہ ایک سال میں۔اس لیے حضرت مریم علیہ السلام نے کسی عورت کا دودھ نہیں پیا۔بلکہ ان کے لیے جنت سے میوے اترتے تھے۔پہلے دن کی بچی کو بیت المقدس میں چھوڑ دیا گیا تھا۔اور اللہ تعالیٰ نے ان کے کھانے کا بندوبست کر دیا تھا۔جنت سے میوے اور پھل اترتے اور وہ کھا لیتیں۔حضرت مریم علیہ السلام نے چھوٹی سی عمر میں کام کرنا شروع کر دیا تھا۔حضرت زکریا علیہ السلام جب حضرت مریم علیہ السلام کے پاس آتے تو ان کے پاس یہ پھل اور میوے وغیرہ پڑے پاتے۔ایک دن حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم علیہ السلام سے پوچھا ''اے مریم یہ پھل اور میوے تیرے پاس کہاں سے آتے ہیں؟'' تو انہوں نے جواب دیا ''اللہ کے پاس سے بے شک اللہ جسے چاہے بے حساب رزق دے''۔ (سورہ آل عمران، آیت نمبر 37)

حضرت زکریا علیہ السلام کے ہاں بھی اولاد نہ تھی حضرت زکریا علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ جو ذات پاک مریم کو بے وقت، بے فصل، بغیر سبب کے میوے عطا کرنے پر قادر ہے۔وہ مجھے بڑھاپے میں اولاد سے نوازنے پر بھی قادر ہے۔انہوں نے حضرت مریم علیہ السلام کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی رزق اترتے ہوئے دیکھا تو یہ نہیں سوچا کہ یہ کل کی لڑکی جو خود ان کی نگرانی میں دی گئی ہے۔اس پر اللہ کا اس قدر احسان کیوں اور میں تو اولاد ہارون میں سے ہوں اور پھر بیت المقدس کا رکھوالا ہوں مجھ پر یہ احسان کیوں نہیں؟ بجائے اس کے کہ وہ اس لڑکی سے حسد کرتے انہوں نے فوراً اپنا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف موڑ دیا۔اور اپنے وجود کی تمام تر بے بسی کے ساتھ اپنی جھولی اللہ تعالیٰ کے سامنے پھیلا دی۔اور پھر اللہ تعالیٰ کی شان عطا نے ان کی خالی جھولی منہ مانگی مراد سے بھر دی۔

جو اسباب ہوتے ہوئے عمر بھر نہ دیا وہ آج سارے اسباب منقطع ہونے کے بعد دے دیا۔اس حال میں کہ خود بوڑھے ہیں اور بیوی بانجھ ہو چکی ہے۔اور پھر دیا بھی تو کیا دیا حضرت یحییٰ علیہ السلام جیسا جلیل القدر نبی۔جس کی تعریف میں خود اس نے (اللہ نے) سردار اور پاکباز کے الفاظ استعمال کئے۔(سورۃ آل عمران آیت

نمبر39) اور سب سے بڑھ کر قرآن پاک میں حضرت مریم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرے کے ساتھ حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کا ذکر کر کے اس واقعے کو ابدی زندگی دے دی۔

دوسرے گروہ کی نمائندہ مثال ابلیس کی ہے:- ابلیس کے باپ کا نام چلیپا تھا۔ماں کا نام تبلیث تھا۔یہ دونوں جنات کے بادشاہ اور ملکہ تھے۔باپ کا چہرہ ببرشیر جیسا اور ماں کا چہرہ بھیڑیے کی طرح تھا۔یہ جنات کی بہادر قوم تھی۔جب جنات قوم کی سرکشی حد سے بڑھ گئی اور ان کے جھگڑے اور فساد سے زمین لرز اٹھی تو آسمانوں سے فرشتوں کو حکم آیا کہ جاؤ ان سرکش جنات کو مار پھینکو۔جنات بہت طاقتور قوم تھی لیکن فرشتوں کو حکم الہی کے ساتھ مدد الٰہی بھی شامل تھی۔اس لئے ابلیس کے ماں باپ بیوی بچے سب ہی اس جنگ میں مار دیئے گئے۔اور کچھ جنات قیدی بنا لئے گئے۔ان میں ابلیس بھی شامل تھا جو جنات کا شہزادہ تھا۔فرشتے جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو ان کو حکم ہوا کہ ابلیس کی بہترین تربیت کرو۔چنانچہ فرشتوں نے ابلیس کی تربیت بہترین انداز سے کی۔اسے اللہ تعالی کے رتبہ اور جلال سے آگاہ کیا۔

عبادت، مجاہدات، ریاضت کے طریقے اور آداب سکھائے۔اپنی فطری ذہانت کی وجہ سے ابلیس جلد ہی سب کچھ سیکھ گیا۔یہاں تک کہ:

پہلے آسمان نے اسکو **عابد** کہا---دوسرے آسمان والے (فرشتوں) نے اس کو'' **زاہد** '' کہا---تیسرے آسمان والے (فرشتوں) نے اس کو'' **عارف** '' کہا---چوتھے آسمان والے (فرشتوں) نے اس کو'' **ولی** '' کہا---پانچویں آسمان والے (فرشتوں) نے اس کو'' **تقی** ''(متقی) کہا---چھٹے آسمان والے (فرشتوں) نے اس کو'' **خاشع** ''(خشوع کرنے والا) کہا---اور ساتویں آسمان والے فرشتوں نے اس کو'' **عزازیل** '' کا لقب دیا۔

یعنی کچھ ہی عرصے میں اپنی فطری تیزی وطراری کی وجہ سے'' معلم الملکوت'' کہلانے لگا۔اور وہی فرشتے جو کبھی اس کے استاد تھے بحکم خداوندی اس سے علوم عالیہ میں مدد لینے لگے۔رفتہ رفتہ عزازیل اپنی قابلیت کے باعث فرشتوں کا استاد بن گیا۔(سبحان اللہ قدرت بھی کیا کیا عجوبے دکھا دیتی ہے) گویا ابلیس اپنی اسی عبادت اور زہد کی وجہ سے اتنا مقرب ہوا کہ وہ ابلیس سے عزازیل کے رتبے پر پہنچ گیا۔ (بحوالہ تفسیر دار المنشور)

اللہ تعالی کا ہمیشہ سے ایک دستور رہا ہے کہ وہ اپنی ایک رائے رکھتا ہے۔اور اس کے کام کی کسی کو خبر نہیں ہو پاتی۔

فرمان الہی ہے: **وتعزمن تشاء وتذل من تشاء** ترجمہ:-'' وہ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہے ذلت دیتا ہے''۔(سورہ آل عمران، آیت نمبر-26)

ایک دن عزازیل اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتا ہوا ساتویں آسمان پر لوح محفوظ تک پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ لوح محفوظ پر ایک عبارت لکھی ہوئی ہے۔'' ہمارا ایک بندہ ایسا ہے جسے ہم بے شمار قسم کی نعمتوں سے مالا مال کریں گے اور زمین سے اس کو آسمان پر پہنچا دیں گے۔پھر آسمان سے اس کو جنت میں لے جائیں گے اس کے بعد ہم اسے خاص کام کرنے کا حکم دیں گے۔لیکن وہ انکار کردے گا اور بغاوت پر آمادہ ہو جائے گا''۔عبارت کے قریب ہی نہایت واضح الفاظ میں لکھا ہوا تھا۔**اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم**۔ابلیس نے یہ پڑھا تو رونے لگا۔اور روتا رہا کہ ایسا بدبخت کون ہے؟ اس نے گھبرا کر رب تعالی کے پاس حاضری دی اور کہا رب تعالی وہ شیطان رجیم کون ہے؟ جس سے پناہ مانگنی چاہیے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا'' وہ ہمارا ایک بندہ ہے جو بے شمار نعمتوں سے نوازا جائے گا لیکن ہمارا ایک حکم کو نہ ماننے کے باعث مردود ہو جائے گا''۔ عزازیل نے عرض کیا باری تعالیٰ میں اس کو دیکھنا چاہتا ہوں۔اللہ تعالی نے فرمایا'' سوف تراہ''(تو جلد اسے دیکھے گا)۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا تیار کیا تو اس پتلے کو زمین پر بھیج دیا گیا عزازیل فوراً اس پتلے کو دیکھنے کے لئے زمین پر پہنچا تا کہ دیکھ سکے کہ اس کی اندرونی اور بیرونی ساخت کیا ہے؟ اور اس کے اندر کس قسم کی مشینری رکھی گئی ہے؟ (وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ خالق قدرت نے اپنے دست قدرت سے کیا بنایا ہے؟) پتلے کے بیرونی مشاہدے کے بعد عزازیل کسی حتمی نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔تو اپنی مخصوص طاقتوں کے ذریعے پتلے کے اندر داخل ہو گیا۔(شاید اسی لیے کہا گیا ہے کہ شیطان تمہاری رگوں میں خون کے ساتھ ساتھ گردش کرتا ہے) تا کہ پتلے کا اندرونی مطالعہ کر سکے۔دوران سیر اس کو بہت سی نئی معلومات ہوئیں۔اور عزازیل نے اپنی طویل عمر میں جو کچھ دیکھا تھا سب کچھ اس پتلے میں موجود تھا۔چنانچہ جب رگ رگ کی سیر کرتا ہوا قلب تک پہنچا تو قلب کچھ اس طرح بند کیا گیا تھا کہ اپنی مخصوص طاقتوں اور مخفی علوم کی جاننے کے باوجود عزازیل قلب کو نہ کھول سکا۔عزازیل سمجھ گیا کہ اس پراسرار ڈبیا میں کوئی خاص خزانہ پوشیدہ ہے۔جسے مجھ سے پوشیدہ رکھنے کے لیے مکمل انتظام کیا گیا تھا۔(اس لئے شیطان کبھی بھی انسان کے دل میں داخل نہیں ہو سکتا۔اس کا کام انسان کو بہکانے اور پھسلانے سے چلتا ہے۔اور نہ دل پر اس کا زور چل سکتا ہے) پھر جب اللہ تعالی نے فرشتوں اور (ابلیس) عزازیل کو آدم کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا۔تو فرشتوں نے سجدہ کردیا لیکن آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے پر عزازیل تیار نہ ہوا یہ چیز اسے برداشت نہ ہو سکی کہ اللہ تعالی کی رحمت اس کے علاوہ کسی اور پر کیوں؟ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ بھی اللہ تعالی کے حکم پر فوری سجدے میں گر جاتا۔مگر تکبر اور حسد کی آگ

نے اسے اندھا کر دیا۔ اسکی نگاہ میں اصل اہمیت صرف اپنی ذات کی تھی۔ اس لیے اس معاملے کو اپنا اور آدم کا معاملہ سمجھا۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے بغاوت کر دی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا غضب بھڑکا اور اس طرح بھڑکا کہ وہ عزازیل سے شیطان رجیم بن گیا۔ وہ پوری کائنات کا واحد ایسا بدنصیب بن گیا جس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر معافی مانگنے کے بجائے مزید سرکشی کی مہلت مانگی۔ اور وہ راندہ درگاہ کر دیا گیا۔

اسم اعظم

اسم اعظم اول:- (بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاَنِّیْ اَشْهَدُ اَنَّکَ اَنْتَ اللهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ٥

اسم اعظم دوم:- (بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاللهِ الْاَحَدِ الصَّمَدِ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ٥ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ٥ اَنْ تَغْفِرَ لِیْ ذُنُوبِي إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ.٥

اسم اعظم سوم:- (بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاَنَّ لَکَ الْحَمْدُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْحَنَّانُ الْمَنَّانُ٥ یَا بَدِیْعُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ یَا ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ اَسْئَلُکَ أَنْ تَقْضِيَ حَاجَتِي بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ٥

اسم اعظم چہارم:- (بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) یَا کٓھٰیٰعٓصٓ٥ یَا حٰمٓ عٓسٓقٓ طٰهٰ وَیٰسٓ یَا مٰلِكِ یَوْمِ الدِّيْنِ٥ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ اَلَا إِلَى اللهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ٥

اسم اعظم پنجم:- (بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاِسْمِکَ الْاَعْلٰی الْاَعْلٰی الْاَعْلٰی٥ الْاَعَزِّ الْاَعَزِّ الْاَعَزِّ٥ الْاَکْرَمِ الْاَکْرَمِ الْاَکْرَمِ٥ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ ، الْاَجَلُّ الْاَجَلُّ الْاَجَلُّ الْعَظِیْمُ٥ الْعَظِیْمُ الْعَظِیْمُ الْاَعْلَمُ الْکَبِیْرُ الْاَکْبَرُ٥ اَسْئَلُکَ بِفَضْلِکَ اَنْ تَقْضِیَ حَاجَتِیْ وَاللهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ٥

اسم اعظم ششم:- (بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) وَاِلٰهُکُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ٥

اسم اعظم ہفتم:- (بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) الٓمّٓ٥ اللهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ٥ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ٥ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ یَا اِلٰهَ الْاَوَّلِیْنَ٥ وَالْاٰخِرِیْنَ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ٥ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ٥

اسم اعظم ہشتم:- (بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) فَسَیَکْفِیْکَهُمُ اللهُ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ٥ سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ٥ یَا حَافِظُ٥ یَا نَاصِرُ٥ یَا مُعِیْنُ٥ یَا صَرِیْخَ الْمُسْتَصْرِخِیْنَ٥ یَا دَلِیْلَ الْمُتَحَیِّرِیْنَ٥ یَا مُفَرِّجَ الْمَکْرُوْبِیْنَ٥ یَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ٥ اَغِثْنِیْ بِعِزَّتِکَ الْقَدِیْمِ٥ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللهِ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَاءُ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ٥

اسم اعظم نہم:- (بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) یَا اللهُ٥ یَا رَحْمٰنُ٥ یَا رَحِیْمُ٥ یَا رَبَّ الْاَرْبَابِ٥ یَا مُفَتِّحَ الْاَبْوَابِ٥ اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی٥ اَللهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِیْمُ٥ یَا عَلِیُّ یَا عَظِیْمُ٥ وَاللهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ٥ وَصَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ٥

اسم اعظم دہم: (بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاَنَّ لَکَ الْحَمْدُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْحَنَّانُ الْمَنَّانُ یَا بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ٥

عبادات

☆ عبادت کیا ہے؟

عبادت کے معنی دراصل بندگی ہے۔ہم عبد(بندے) ہیں۔اللہ ہمارا معبود ہے۔عبد اپنے معبود کی اطاعت میں جو کرے وہ عبادت ہے۔

مثلاً ہم لوگوں سے باتیں کرتے ہیں ان باتوں کے دوران اگر ہم نے جھوٹ سے،غیبت سے،فحش گوئی سے اس لئے پرہیز کیا کہ ہمارے معبود نے ان چیزوں سے ہمیں منع فرمایا ہے اور ہمیشہ سچائی،انصاف نیکی اور بھلائی کی باتیں کریں۔تو ہماری یہ سب باتیں عبادت ہوں گی۔خواہ یہ تمام باتیں دنیا کے معاملات ہوں۔ہم اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتے ہیں۔بھائی بہنوں سے ملتے جلتے ہیں ان کی مدد کرتے ہیں کسی کی حق تلفی نہیں کرتے۔ہم نے کسی غریب کی مدد کی۔کسی بھوکے کو کھانا کھلایا۔کسی بیمار کی عیادت کی ان سب کاموں میں ہم نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو پیش نظر رکھا تو یہ سب کچھ عبادت میں شمار ہوگا۔ہم نے آفس کا کام،تجارت،صنعت مزدوری کا کام دیانت داری اور ایمان داری سے کیا۔حلال کمایا اور حرام سے بچتے رہے تو یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں عبادت میں لکھا جائے گا۔

غرض یہ کہ دنیا کی زندگی میں ہر وقت ہر معاملے میں اللہ سے خوف کرنا اس کی خوشنودی کو پیش نظر رکھنا۔اس کے قانون کی پیروی کرنا اور ہر ایسے فائدے کو ٹھکرا دینا جو وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے حاصل ہو اور ہر ایسے نقصان کو گوارہ کر لینا جس سے اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری ہو۔یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اس طرح کی زندگی سراسر عبادت ہے۔حتیٰ کے ایسی زندگی میں کھانا پینا،چلنا پھرنا،سونا جاگنا،بات چیت کرنا سب کچھ عبادت میں داخل ہے۔

☆ عبادت کی چار بڑی رکاوٹیں:-

عبادت کی چار بڑی رکاوٹیں ہیں:-

اول: دنیا اور جو کچھ اس میں ہے۔ دوم: مخلوق سے میل جول سوم: شیطان چہارم: نفس

1- دنیا اور جو کچھ اس میں ہے:-

دنیا کی مصروفیت ظاہر اور باطن کو عبادت سے روکتی ہے- ظاہر کو اس طرح کہ انسان دنیا کی طلب کے لیے مارا مارا پھرتا ہے اور باطن کو اس طرح کہ دل میں لحہ بہ لحہ تحصیل دنیا کے ارادے اور دنیا کا خیال لگا رہتا ہے اور پھر یہ خیالِ دنیا عبادت میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔

نبی کریم (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:"جس نے دنیا کو پسند کیا اس نے اپنی آخرت کا نقصان کیا اور جس نے آخرت کو پسند کیا اس نے دنیا کا نقصان کیا تو اس کو اختیار کرو جس کا نفع دائمی ہے اور اس کو چھوڑ دو جو چند دن کا ہے"۔(مشکوۃ المصابیح،حدیث نمبر 5179-مسند احمد،حدیث نمبر 10071)

جب دنیا میں زہد اور دنیا سے علیحدگی اختیار کرنے سے عبادت کی عظمت زیادہ ہوتی ہے اور اس میں استقامت اور کثرت نصیب ہوتی ہے تو طالب علم پر لازم ہے کہ زہد کا راستہ اختیار کرے-

زہد دو چیزوں سے ہوتا ہے:- 1- حرام سے 2- حلال سے

حرام اشیاء سے زہد فرض ہے اور حلال اشیاء سے زہد مستحب ہے۔پھر جن لوگوں کو طاعات اور عبادات میں استقامت حاصل ہوتی ہے ان کے نزدیک حرام ایک نجس اور مردار چیز کی طرح ہے۔خدانخواستہ اگر ان کے استعمال کی ضرورت پیش آئے تو بقدر ضرورت استعمال کرنے کی شرعاً اجازت ہے۔مگر کاملین کے نزدیک حلال بھی ضرورت سے زیادہ استعمال کرنا مردار کی مانند ہے اور رہا حرام تو وہ ان کے نزدیک آگ کی مانند ہے-**غور طلب بات یہ ہے کہ عجیب عجیب شہوتوں اور لذتوں سے آراستہ و پیراستہ دنیا کو انسان آگ یا گندے مردار کی طرح کس طرح سمجھے جبکہ خلقت کمزور اور ضعیف طبیعت کی مالک ہے۔**

اس کے جواب میں ایک مثال پیش کی جاتی ہے جس سے دنیا کی حقیقت روشن اور واضح ہو جائے گی۔۔۔ایک شخص پوری اشیاء ڈال کر نفیس اور عمدہ حلوہ تیار کرتا ہے مگر تیار کرنے کے بعد اس میں زہر قاتل کا ایک قطرہ ڈال دیتا ہے۔زہر ڈالتے وقت ایک شخص اسے دیکھ رہا تھا مگر دوسرا اس سے بے خبر تھا۔جب دونوں کے سامنے وہ بہترین حلوہ کھانے کے لیے رکھا جاتا ہے تو جسے اس میں زہر کی ملاوٹ کا علم ہوتا ہے وہ ہرگز اس حلوے کو ہاتھ بھی نہ لگائے گا اور اس کے لیے یہ حلوہ پیٹ میں آگ ڈالنے سے زیادہ مشکل ہوگا۔کیونکہ وہ اس کی اندرونی آفت سے واقف ہے۔وہ اس کی عمدگی،نفاست اور ظاہری آراستہ پن کے دھوکہ میں نہیں آئے گا۔مگر دوسرا شخص جسے آمیزش زہر

کا علم نہیں ہے وہ حلوے کی ظاہری آراستہ پن، عمدگی اور نفاست سے دھوکے میں آجائے گا اور حرص اور لالچ سے حلوے پر ٹوٹ پڑے گا اور اپنے ساتھی پر اس حلوے کے نہ کھانے پر تعجب کرے گا بلکہ اُسے احمق اور بیوقوف خیال کرے گا۔ **(یہ دنیا کے حرام کی مثال ہے۔)** دنیا کی حرام اشیاء بھی بالکل اسی طرح ہیں۔

جو اہل بصیرت استقامت کے ساتھ شریعت حقہ کے راستے پر گامزن ہیں وہ تو حرام اشیا سے سخت متنفر ہیں مگر حرام کے نقصانات سے بے خبر لوگ اس پر فدا ہوتے رہتے ہیں۔

اب اگر حلوہ تیار کرنے والے نے اس میں زہر کی ملاوٹ نہ کی بلکہ اس میں تھوک دیا اور اس تھوک کو حلوے میں ملا کر اوپر سے اچھی طرح درست کر دیا تو جو آدمی اس کی اس کاروائی کو دیکھ رہا تھا وہ اس حلوے سے کراہت اور نفرت کا اظہار کرے گا اور سوائے اَشد ضرورت کے اس کو کھانے پر رضامند نہ ہوگا۔ لیکن جو شخص مذکورہ کاروائی سے ناواقف ہے وہ اس کی عمدگی و نفاست سے متاثر ہو کر خوشی خوشی سب چٹ کر جائے گا بلکہ اس پر فرحت اور پسندیدگی کا اظہار بھی کرے گا۔ **(یہ دنیا کے حلال کی مثال ہے۔)**

جو اہل بصیرت صاحب شریعت اور صاحب استقامت ہیں وہ اسے بقدر ضرورت استعمال میں لائیں گے مگر اہل غفلت اسے من وسلوی کی طرح اڑاتے ہیں۔

اب دیکھیے یہاں پر دونوں قسم کے لوگوں کی خلقت اور طبیعت برابر ہے۔ مگر **علم بصیرت اور جہالت وغفلت** کی وجہ سے دونوں میں کتنا فرق ہے؟

اب یہ فرق اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ معاملہ **کمزور خلقت یا ضعیف طبع** کا نہیں ہے بلکہ کی علم وبصیرت کی ہوتی ہے اور یہ فرق ایک ٹھوس اور پختہ چیز ہے۔ ہر صاحب شعور، باانصاف اور عقلمند اس کو درست جانے گا۔

2- مخلوق سے میل جول:- مخلوق سے علیحدگی اور عزلت (تنہائی) بھی لازمی ہے۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔

1- ایک یہ کہ زیادہ میل جول کی وجہ سے انسان عبادت سے محروم ہوجاتا ہے (وقت ضائع ہوتا ہے۔) ایک بزرگ فرماتے ہیں "میں ایک جماعت کے پاس سے گزرا جو بحث ومباحثہ میں مشغول تھی اور ایک شخص تھوڑی سی دور بیٹھ کر ذکر اللہ میں مصروف تھا۔ میں نے اُس کے پاس جا کر اس سے گفتگو کرنی چاہی۔ اُس نے جواب دیا" میں ذکرِ الٰہی میں مشغول رہنے کو تیرے ساتھ گفتگو کرنے سے زیادہ محبوب خیال کرتا ہوں"۔ میں نے کہا "تم یہاں اکیلے کیوں بیٹھے ہو"۔ اس نے کہا "اکیلا نہیں ہوں ایک میرا رب اور دو کراماً کاتبین بھی ہیں"۔ اس کے بعد میں نے اُس سے پوچھا "بحث ومباحثہ کرنے والوں میں بہتر کون ہے"؟ اُس نے جواب دیا "جسے اللہ تعالی نے بخش دیا ہو"۔ میں نے پوچھا "سیدھی راہ کون سی ہے"؟ اُس نے ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور کھڑا ہو کر چل دیا۔ جاتے ہوئے اس نے کہا "اے اللہ! تیری اکثر مخلوق مجھے تجھ سے غافل کرنے کی کوشش کرتی ہے"۔

حدیث: ایک مشہور حدیث میں جو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے گوشہ نشینی کے وقت کی تشریح کر دی ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں "ایک دفعہ ہم حضور پاک (خاتم النبیین ﷺ) کی خدمت میں حاضر تھے۔ فتنوں کا ذکر ہو رہا تھا تو آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا" جب تم دیکھو کہ لوگ وعدہ خلافی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اور امانت میں خیانت کرنے لگے ہیں اور لوگوں میں بے جا اختلاط (ملنا جلنا) بڑھ جائے تو اس وقت شدید ضرورت کے بغیر گھر سے نہ نکلنا، اپنی زبان پر کنٹرول کرنا، نیک کام اختیار کرنا اور برائی سے اجتناب کرنا"۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) نے حضرت حرث بن عمیرہؓ سے فرمایا "اگر تیری عمر نے وفا کی تو تو ایسا زمانہ پائے گا جس میں خطیب بہت ہوں گے لیکن عالم کم ہوں گے۔ گدا (فقیر) بہت ہوں گے لیکن اُن کو دینے والے کم ہوں گے اور علم خواہشات کے تابع ہوجائے گا"۔ حضرت حرث بن عمیرہؓ نے عرض کیا "ایسا زمانہ کب آئے گا"؟ آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا "جب نمازوں کی پرواہ نہ ہوگی، رشوت کا لین دین عام ہوجائے گا۔ ایسے وقت سے بچنا۔۔۔ ایسے وقت سے بچنا۔۔۔ ایسے وقت سے بچنا"۔ آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے یہ الفاظ تین مرتبہ دہرائے"۔

2- دوسرا سبب جس کی وجہ سے مخلوق سے بچنا ضروری ہے (علیحدگی ضروری ہے) لوگوں میں مخلوط رہ کر عبادت اور طاعت تباہ اور برباد ہوجاتی ہیں۔ وہ اس طرح کہ انسان لوگوں میں رہ کر ریا، خودنمائی اور زینت میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ عزلت (گوشہ نشینی) کے اعتبار سے لوگ کتنے طبقات میں تقسیم کیے جاسکتے ہیں۔

عزلت کے لحاظ سے لوگ دو طبقوں میں تقسیم کیے جاسکتے ہیں:-

1- پہلا طبقہ:- یہ وہ لوگ ہیں جو نہ تو عالم ہیں اور نہ ہی حاکم۔ ایسے لوگوں کی عوام محتاج نہیں ہوتی۔ تو ایسے لوگوں کو چاہیے کہ مخلوق سے الگ رہیں۔ صرف جمعہ، جماعت، عید، حج یا دینی مجلس میں شرکت کریں یا معیشت کے لیے (روزی کمانے کے لیے) بقدر ضرورت ملاقات کریں۔

2- دوسرا طبقہ:- یہ وہ لوگ ہیں جو دین کے لحاظ سے لوگوں کی مقتدا (رہنمائی کرنے والے) ہیں۔ خلاف شرح امور کی تردید اور اثبات حق میں مصروف ہیں اور اپنے قول وفعل سے تبلیغ دین میں مصروف ہیں۔ ایسے لوگوں کو شرعاً عزلت کی اجازت نہیں۔ بلکہ ایسے حضرات پر لازم ہے کہ عامت الناس میں رہ کر دین کی نشر واشاعت کریں۔ مخالفینِ اسلام اور فرقہ باطلہ کے شبہات کا جواب دیں اور احکام الٰہی کے پھیلانے اور وضاحت کرنے میں ہمہ تن مشغول رہیں کیونکہ نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا "جب خلاف شرع امور اختیار کیے جائیں اور عالم دین خاموش رہیں تو ایسے عالم پر اللہ کی لعنت"۔

3- عبادت میں تیسری بڑی رکاوٹ شیطان:-

شیطان سے جنگ اور اس پر سختی کرنا لازم اور ضروری ہے اور اس کی دو وجوہات ہیں۔

1- وہ ہمارا کھلا دشمن ہے اور ہر وقت ہمیں گمراہ کرنے کے منصوبے بنا تا رہتا ہے۔ 2- وہ ہمیشہ ہم سے محاربہ (وسوسوں کی تراکیب) میں مشغول رہتا ہے۔

شیطان کو انسان کے خلاف زیادہ بھڑکانے والے چند اسباب یہ ہیں۔

i- کیونکہ ہم اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ ii- دعوت اسلام دیتے ہیں۔ iii- تکبر نہیں کرتے ہیں، عاجزی کرتے ہیں۔

اور یہ تینوں کام شیطان کے پیشے، اس کے کام، اس کی ہمت، اس کی مراد، اس کے مشن کے قطعاً خلاف اور متضاد ہیں۔ لہذا اس طرح ہم شیطان کو غضب ناک کرنے، اس کی شرارت، اس کی عداوت اور اس کی مخالفت کو اور زیادہ بھڑکانے میں مصروف ہوتے ہیں اور وہ ہمارے ایمان ہی کو ختم کرنے کے در پر ہو جاتا ہے۔ شیطان ہماری عداوت اور مخالفت میں اکیلا نہیں ہوتا بلکہ اس کا پورا لشکر شیاطین اس کے ہمراہ ہوتا ہے۔ شیطان کے مکر وہ فریب کئی طرح کے ہوتے ہیں:-

1- اول وسوسے ہیں جو اس کے تیر ہیں۔ جس کے ذریعے وہ لوگوں کے قلوب مجروح کرتا ہے۔

2- دوسری چیز اس کے حیلے ہیں جن سے لوگوں کے دلوں کو پھانستا ہے۔

اللہ تعالی نے ہر انسان کے دل پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہوا ہے جو اسے نیکیوں کا الہام کرتا ہے اس فرشتے کو "**مُلہِم**" کہتے ہیں اور اس کی دعوت کو "**الہام**"۔

اس کے مقابلے میں دل پر ایک شیطان مقرر اور مسلط کر دیا جاتا ہے جو برائی کی طرف بلاتا ہے اس شیطان کو "**وسواس**" کہتے ہیں اور اس کی دعوت کو "**وسوسہ**" کہتے ہیں۔

"**مُلہِم**" انسان کو نیکیوں کی طرف بلاتا ہے اور "**وسواس**" صرف برائیوں کی طرف۔

نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا "جب کسی کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو اللہ تعالی اس کے ساتھ ایک فرشتہ لگا دیتا ہے۔ اور شیطان اس کے ساتھ ایک شیطان لگا دیتا ہے۔ فرشتہ اس کے دل کے دائیں کان میں پھونکتا ہے اور شیطان بائیں کان میں پھونکتا ہے۔ اس طرح دونوں اپنے اپنے کام میں لگے رہتے ہیں"۔

ابلیس بندوں کو طاعات سے روکنے کے لیے مختلف ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے:

1- اطاعت سے روکتا ہے بندہ باز نہیں آتا تو

2- گمراہ کرنے پر اتر آتا ہے کہ چلو آج یہ کام نہیں ہوا تو کوئی بات نہیں کل کر لینا۔ اگر انسان پھر بھی عبادت سے نہیں رکتا تو

3- شیطان جلدی جلدی عبادت کرنے کو کہتا ہے۔

4- اس کے بعد شیطان عمل میں ریا پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر بندہ اس سے بھی بچاؤ پیدا کرلے تو

5- تکبر پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے--- یعنی اللہ ہم پر رحم کرے شیطان ہمارے احوال کو تباہ کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔

چوتھی رکاوٹ (نفس):-

نفس کا مضر (نقصان دہ) اور خطرناک ہونا دو وجہ سے ہے۔

1- اول یہ کہ نفس گھر کا چور ہے اور چور جب گھر ہی میں چھپا ہوا ہو تو اس سے محفوظ رہنا نہایت ہی مشکل ہے۔

2- یہ کہ نفس ایک محبوب دشمن ہے اور انسان کو جب کسی سے محبت ہوتی ہے تو اس کے عیب نظر نہیں آتے۔

نفس امارہ تو بہت ہی سرکش، ضدی اور بدفطرت ہے۔ **علماء کرام نے نفس کے زور کو تین چیزوں سے توڑا ہے:**

i- اول یہ کہ اسے شہوات سے روکا جائے۔

ii- دوئم یہ کہ عبادت کا بھاری بوجھ اس پر لاد دیا جائے۔ کیونکہ گدھے پر اگر بوجھ زیادہ لاد دیں اور چارہ کم دیں تو جلدی مطیع ہوجاتا ہے۔

iii- سوئم یہ کہ ہروقت اپنے رب سے امداد طلب کی جائے کہ وہ ہمیں نفس کی شرارت اور فساد سے بچائے۔ تقوی حاصل کرنے کے لیے نفس کو پورے عزم واستقلال سے ہر گناہ سے روکا جائے اور نہ صرف حرام بلکہ ہرطرح کے فضول حلال سے بھی پرہیز کیا جائے۔ اس طرح بدن کے ظاہری اور باطنی اعضاء مثلاً آنکھ، کان، زبان، پیٹ، شرمگاہ اور باقی جملہ اعضائے بدن میں تقوی پیدا ہوجائے گا۔

پانچ اعضاء کی خصوصیت سے نگہداشت کی جائے۔ آنکھ، کان، زبان، دل اور شکم۔

دین کو نقصان سے بچانے کے لیے مذکورہ اعضاء کو ہر حرام اور فضول حلال اور ہر اسراف سے حفاظت میں رکھنا ضروری ہے۔ جب ان پانچ اعضاء کی حفاظت ہوگی تو بدن کے باقی اعضاء بھی محفوظ رہیں گے۔

1- آنکھ کی حفاظت:- اگر ہم اپنی انکھ کو کھلا چھوڑ دیں گے تو ایک دن مشقت میں پڑ جائیں گے۔ اور اگر ہم اپنی نظریں نیچی رکھیں گے تو ہمارا سینہ وسواس سے محفوظ رہے گا اور نفس سلامت رہے گا۔

حضرت عیسی علیہ السلام نے فرمایا "اپنے آپ کو نظر حرام سے پوری اختیاط سے بچاؤ کیونکہ بدنظری دل میں شہوت کی تخم ریزی کرتی ہے اور اس گناہ کا ارتکاب کرنے والے کو فتنے میں مبتلا کردیتی ہے"۔

نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا "غیر محرم عورت کے حسن و جمال پر نظر ڈالنا ابلیس کے زہر میں بجھے ہوئے تیروں میں سے ایک تیر ہے"-(معجم الکبیر، حدیث نمبر 10362) تو جو شخص ایسا کرنا ترک کردے گا تو اللہ تعالی اسے سرور آمیز عبادت کا مزہ چکائے گا۔

2- کان کی حفاظت:- اپنے آپ کو بری باتیں سننے سے روکے رکھنا چاہیے کیونکہ اگر ہم بری باتیں سنیں گے تو دل میں وسوسے اور برے خیالات پیدا ہوں گے اور ان وسوسوں سے عبادت میں غیر معمولی رکاوٹ پیدا ہوجائے گی۔

3- زبان کی حفاظت:- (احادیث)

1- حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) نجات کیا ہے"؟ فرمایا "اپنی زبان کو بری باتوں سے روک رکھو"-(ترمذی)

2- حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا "بندہ جب صبح کرتا ہے تو اس کے اعضاء جھک کر زبان سے کہتے ہیں ہمارے بارے میں اللہ تعالی سے ڈر۔ کیونکہ ہم تجھ سے متعلق ہیں۔ اگر تو سیدھی رہے گی تو ہم بھی سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہوگئی تو ہم بھی ٹیڑھے ہوجائیں گے"-(ترمذی)

3- حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا "اچھی بات صدقہ ہے"-(بخاری، حدیث نمبر 2989-ترمذی)

4- حضرت سفیان بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ میں نے ایک مرتبہ دربار رسالت میں عرض کیا "یا رسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) آپ میرے لیے سب سے زیادہ نقصان دہ چیز اور سب سے زیادہ خطرناک چیز کسے تصور کرتے ہیں"؟ آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے اپنی زبان مبارک باہر نکالی اور پکڑ کر فرمایا "اسے"-(ترمذی شریف، حدیث نمبر 2410-ابن ماجہ، حدیث نمبر 3972)

5- ایک حدیث میں ہے کہ "انسان اپنے پیر سے اتنا نہیں پھسلتا جتنی جتنا اپنی زبان سے پھسلتا ہے"-(مشکوۃ المصابیح)

6- ایک حدیث ہے کہ "بلاشبہ بندہ بعض اوقات کوئی ایسا کلمہ اللہ تعالی کی ناراضگی کا کہہ دیتا ہے جس کا اسے دھیان بھی نہیں ہوتا اور اس کی وجہ سے دوزخ میں اس سے بھی زیادہ گہرا چلا جاتا ہے جتنا مشرق اور مغرب میں فاصلہ ہے"-(بخاری ومسلم)

7- حضور پاک (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا "بندہ بات کرتا ہے اور محض اس لیے کرتا ہے کہ لوگوں کو ہنسائے اور اس کی وجہ سے دوزخ کی اتنی گہرائی میں گرتا ہے جو

آسمان اور زمین کے درمیان کے فاصلے سے زیادہ ہے"۔(مشکوۃ المصابیح)

حضرت عیسیٰؑ کی خدمت میں آ کر کسی نے عرض کیا" کوئی ایسا عمل بتایئے کہ جس سے جنت مل جائے"؟ آپؑ نے فرمایا" کبھی نہ بولو"۔لوگوں نے کہا" یہ تو نہیں ہوسکتا"۔ فرمایا" پھر اچھی بات کے سوا کوئی بات منہ سے نہ نکالو"۔

حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ "زبان وہ درندہ ہے کہ چھوڑ دو تو کاٹ کھائے"۔

حضرت امیر المومنین سیدنا عمرؓ بن خطاب نے دیکھا کہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ اپنی زبان مبارک پکڑ کر کھینچ رہے ہیں۔ پوچھا" اے نائب رسول (خاتم النبیین ﷺ) یہ آپ کیا کر رہے ہیں"؟ فرمایا" نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا" جسم کا کوئی عضو ایسا نہیں ہے جو زبان کی تیزی کی شکایت اللہ تعالیٰ سے نہ کرتا ہو"۔(مشکوۃ،حدیث نمبر 2747-السلسۃ الصحیحۃ)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا" زبان کی لغزش قدموں کی لغزش سے زیادہ خطرناک ہے"۔(شرح السنہ)

حضرت ربیع بن خثیمؒ (تابعی) جب صبح کو اٹھتے تو کاغذ قلم اپنے پاس رکھتے۔ ہر بات لکھتے اور دن میں کوئی فضول بات کہتے تو شام کو اس پر اپنے نفس کا محاسبہ کرتے یعنی اپنے آپ سے پوچھتے کہ "ایسا کیوں کیا؟"اور فرماتے کہ "ہمیں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت معلوم ہوا ہے کہ وہ منہ میں پتھر ڈالے رہتے تھے"۔آپ نے یہ عمل کئی سال کیا حتیٰ کہ آپ کو کم بولنے کی عادت پڑ گئی۔حضرت ربیع بن خثیمؒ نے 40 برس تک اپنا عمل جاری رکھا اور مرتے وقت اپنی زبان مبارک کو باہر نکالا اور پکڑ کر کہا" یہ مجھے مصائب میں ڈال دے گی"۔

4-دل کی حفاظت:- دل کا معاملہ باقی اعضاء سے زیادہ خطرناک ہے اور اس کا اثر باقی اعضاء سے زیادہ ہے۔اس لیے اس کی درستگی زیادہ دقت طلب ہے اور اس کی اصلاح زیادہ مشکل ہے اور اس کا حال زیادہ محنت طلب ہے۔

سورہ انفال، آیت نمبر 43 میں فرمان الٰہی ہے:" بے شک اللہ تعالیٰ سینوں کے رازوں سے واقف ہے"۔

نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا" انسان کے اندر گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اگر وہ درست ہو تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور اگر وہ خراب ہو تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے-سن لو کہ وہ دل ہے"۔(بخاری:52-مسلم:4094)

امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ "**پانچ حالتیں ایسی ہیں جو دل کے علاوہ کسی اور اعضاء بدن میں نہیں ہیں۔**

1- دل الہام اور وسوسوں دونوں کی منزل ہے۔فرشتہ اور شیطان دونوں اپنی اپنی دعوت دینے میں مصروف رہتے ہیں۔

2- عقل اور شہوت دونوں اپنے اپنے لشکر اس میں دوڑاتے ہیں۔

3- وسوسے اور خطرات تیروں کی مانند اس پر برستے ہیں اور انسان کی یہ طاقت نہیں کہ انہیں روک سکیں۔اس لیے دل کوئی آنکھ تو ہے نہیں کہ خطرے کے وقت بند کر لی جائے اور بوقت امن کھول لی جائے۔

4- اس کا علاج اس وجہ سے ناممکن ہے کہ یہ انسانی نظر سے غائب ہے۔

5- دل بڑی جلدی تغیر میں آ جاتا ہے۔

پس اگر دل لغزش کھا جائے تو یہ سب سے بڑی لغزش ہوتی ہے۔ابلیس کے دل ہی نے لغزش کھائی اور سجدے سے انکار کر دیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سے امور ہیں جن کو اختیار کرنے سے دل کی اصلاح ہو سکتی ہے؟ اور وہ کون سی مہلکات ہیں جو خرابی قلب کا باعث ہوتی ہیں؟؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ فساد قلب پیدا کرنے والے امور چار ہیں اور اصلاح کرنے والی چیزیں بھی چار ہیں۔

فساد قلب کا باعث چار چیزیں:-

1- دنیا کی امید   2- عبادات میں جلد بازی   3- حسد   4- تکبر

اصلاح کرنے والی چیزیں:-

1- امیدیں کم کرنا   2-عبادت و معاملات میں تحمل اور آراستگی   3- مخلوق کے ساتھ خیر خواہی   4-خشوع اور تواضع سے پیش آنا

1-طول اَمل (لمبی امیدیں):- لمبی امیدیں نیکی اور اطاعت میں رکاوٹ بن جاتی ہیں نیز ہر فتنے اور شر کا باعث لمبی امیدیں ہیں۔ جب انسان لمبی امیدوں میں مبتلا ہوجاتا ہے تو اس سے چار چیزوں میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

1- ترک اطاعت 2- عبادات میں سستی 3-عبادات میں دل کا نہ لگنا اور مال کی ہوس 4-وقت کا ضائع کرنا اور توبہ میں ٹال مٹول

حضرت داؤد طائیؒ نے فرمایا "جو اللہ تعالی کی وعید سے ڈرتا ہے وہ دور کو بھی نزدیک خیال کرتا ہے اور جو لمبی لمبی امیدوں میں گرفتار ہوجاتا ہے وہ بداعمالی کا شکار ہوجاتا ہے"۔

حضرت یحیٰ بن معاذ رازیؒ نے فرمایا "دنیا کی لمبی امیدیں انسان کو ہر نیک کام سے کاٹ دیتی ہیں۔ عبادت میں سستی پیدا ہوجاتی ہے اور عبادت میں دل نہیں لگتا انسان کہتا رہتا ہے کہ ابھی یہ نیک کام کرلوں گا لیکن وہ وقت نہیں آتا۔ انسان کہتا رہتا ہے کہ جلد یہ برے کام ختم کرکے توبہ کرلوں گا لیکن وہ وقت نہیں آپاتا۔ انسان مال جمع کرنے کے لیے مختلف شکل اختیار کرتا رہتا ہے اور آخرت کے عمل کرنے سے غافل ہوجاتا ہے"۔

آخیری بات وقت نکلتا رہتا ہے اور انسان قساوتِ قلب میں مبتلا ہوجاتا ہے کیونکہ جب انسان کے دل میں عیش وعشرت کی لمبی لمبی امیدیں بس جائیں تو موت بھول جاتی ہے۔ تو جوں جوں امیدیں لمبی ہوں گی اطاعت کا جذبہ کم ہوگا۔۔۔ توبہ کا خیال دل سے نکل جائے گا۔۔۔ گناہوں کی کثرت ہوجائے گی۔۔۔ مرض بڑھ جائے گا۔۔۔ دل سخت ہوجائے گا۔۔۔ بندہ اپنا انجام بھول جائے گا۔۔۔ پھر اللہ تعالی کی رحمت شامل حال نہ ہوگی اور ایسے شخص کی آخرت برباد ہوجائے گی۔

اس لیے اپنے نفسِ مغرور کو اللہ تعالی کے عذاب سے ڈراؤ اور یہ جان لو کہ **دنیا تین سانس ہے۔**

ایک جو گزر گیا ہم نے جو عمل اس میں کرلیا کرلیا۔

ایک وہ جو گزر رہا ہے اب دیکھ لیں کہ اس میں ہم کیا کر رہے ہیں؟

اور ایک آئندہ کہ جس کے پانے کا ہمیں کوئی علم نہیں ہے۔

ایک اور آفت **"حسد"** ہے۔ حسد نیکیوں کو تباہ کر دیتا ہے اور گناہوں پر راغب کرتا ہے۔ یہ بڑا برا مرض ہے جس میں بڑے بڑے علماء بھی مبتلا ہیں۔ عوام اور جہلا کا تو ذکر ہی کیا؟ آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا "حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ سوکھی لکڑیوں کو جلا دیتی ہے"۔

حسد عبادت کے اجر و ثواب کو ختم کر دیتا ہے۔ انسان کو دین کی سمجھ سے محروم کر دیتا ہے لہذا اس مرض کے علاج میں غفلت نہیں کرنی چاہیے۔

5-شکم کی حفاظت:- اے طالب اگر صحیح اور بامقصد عبادت کا عزم وارادہ اپنے اندر پیدا کرنے کی جستجو ہے تو اپنے اوپر حرام اور شبہ کے کھانے اور فضول حلال سے پیٹ کی حفاظت نہایت ضروری ہے۔ حرام اور شبہ والی چیزوں سے تین وجوہ کی بنیاد پر ہرہیز ضروری ہے۔

1- دوزخ کی آگ سے محفوظ رہنے کے لیے

نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا "جو گوشت حرام غذا سے تیار ہوا اس کے لیے آگ میں جلنا ہی بہتر ہے"۔

2- دوسری وجہ یہ ہے کہ حرام اور شبہ والی غذا کھانے والے کو اللہ تعالی کی کارآمد عبادت کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔

3-تیسری وجہ یہ ہے کہ حرام اور شبہ کی غذا کھانے والا شخص نیک کام سے محروم رہ جاتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا "اللہ ایسے شخص کی نماز قبول نہیں فرماتا جس کے شکم میں حرام غذا پڑی ہوئی ہو"۔

جہاں تک حلال اشیاء کا استعمال ہے تو ضرورت سے زیادہ حلال اشیاء کا استعمال بندوں کے لیے آفت اور اہلِ مجاہدہ کے لیے بلا ہے۔ **اس میں 10 آفات ہیں:**

1-پہلی آفت:- حلال طعام زیادہ کھانے سے قساوت قلب ہوتا ہے اور قلب کا نور جاتا رہتا ہے۔

نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا: "حاجت اور ضرورت سے زیادہ کھانے پینے سے پرہیز کرو کیونکہ اس سے دل مردہ ہوجاتا ہے جس طرح ضرورت سے زیادہ پانی دینے سے کھیتی تباہ ہوجاتی ہے"۔

2- دوسری آفت:- زیادہ کھانے سے اعضاء میں فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ بیہودہ کاموں کی رغبت پیدا ہوتی ہے، جسم میں تکبر، آنکھوں میں بدنظری کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔۔۔ کان بری بات سننے کو مشتاق رہتے ہیں۔۔۔ زبان بیہودہ گوئی پر آمادہ رہتی ہے۔

3-تیسری آفت:- ضرورت سے زیادہ کھانے پینے سے علم وفہم میں کمی واقع ہوتی ہے کیونکہ شکم پوری دانائی اور ذہانت کو ختم کر دیتی ہے۔

4-چوتھی آفت:- پیٹ بھر کر کھانے سے عبادت میں کمی واقع ہوتی ہے۔روایت ہے کہ "ایک مرتبہ حضرت عیسیٰؑ نے شیطان کو بہت سے جال اٹھائے ہوئے دیکھا۔ آپؑ نے پوچھا" یہ کیا ہے"؟ کہا" یہ شہوات کے جال ہیں جن سے میں بنی آدم کو شکار کرتا ہوں"۔آپؑ نے پوچھا" کیا مجھے پھانسنے کے لیے بھی اس میں کوئی جال ہے"؟ اس نے کہا" نہیں صرف ایک رات آپؑ نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا تھا تو اس رات میں نے رات کی نماز کو آپؑ کے لیے بھاری کر دیا تھا"۔حضرت عیسیٰؑ نے یہ سن کر فرمایا" آئندہ میں کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاؤں گا"۔

جب کوئی انسان صرف ایک لقمہ اپنی حلال کمائی کی خوراک میں سے صرف اس لیے کم کھاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کم کھانے والے پسند ہیں تو اللہ تعالیٰ فوراً ہی جنت میں اس کے لیے محل تیار کرنے کا حکم صادر فرمادیتے ہیں۔

پانچویں آفت:- پیٹ بھر کر کھانا کھانے سے عبادت کی حلاوت ختم ہو جاتی ہے۔

حضرت صدیق اکبرؓ فرمایا کرتے تھے "جب سے مسلمان ہوا ہوں کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا تاکہ عبادت کی حلاوت نصیب ہو"۔

حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں" سب سے پہلی بدعت جو لوگوں میں ظاہر ہوئی وہ لوگوں کا پیٹ بھر کر کھانا تھا جب لوگ پیٹ بھر کر کھانا کھانے لگے تو ان کے نفوس گھسیٹ کر ان کو بازاروں میں لے آئے۔یعنی آؤ زیادہ کماؤ تاکہ زیادہ کھا سکیں"۔

6- چھٹی آفت:- خوب پیٹ بھر کر کھانا کھانے سے حرام یا شبہ کے طعام میں پڑنے کا خطرہ ہے کیونکہ حلال صرف معمولی گزارے کے موافق ملتا ہے۔

نبی کریم (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا" حلال اشیاء تجھے نہیں ملے گی مگر معمول گزارے کے موافق اور حرام تیرے پاس بے تحاشہ آئے گی"۔

7- ساتویں آفت:- فضول حلال جمع کرنا پھر اُسے خرچ کرنا چاہیے کھانے پر اور چاہے کسی اور مصرف میں دل اور بدن انہیں کاموں میں مشغول رہتا ہے۔

نبی کریم (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا" ہر علاج کی اصل بھوک اور کم خوراک ہے اور ہر بیماری کی اصل زیادہ کھانا (یعنی بدہضمی) ہے"۔

8-آٹھویں آفت:- آخرت میں حساب کتاب کی ہولناکیاں اور سکراتِ موت کی شدت کا پیش خیمہ بھی دنیا میں پیٹ بھر کر کھانا ہے۔

روایات میں آیا ہے کہ "بے شک سکرات موت کی شدت دنیا کی لذتوں کے مطابق ہے تو جس نے زیادہ لذتیں اٹھائیں اُسے نزع کی تکلیف بھی زیادہ ہوگی"۔

9- نویں آفت:- ضرورت سے زیادہ غذا کا استعمال کرنے سے ہم نے کم کھانے والے حکم کو رد کیا گویا ہم ترک ادب کے مرتکب ہوئے جس کے لیے حشر میں روکا جائے گا۔پوری طرح حساب لیا جائے گا اور ضرورت سے زیادہ غذا کے استعمال پر شرم دلائی جائے گی۔

10- دسویں آفت:- یاد رکھو کہ دنیا کے حلال کا حساب اور حرام کا عذاب ہوگا۔

یہ 10 آفات ہیں اور اہل نظر کے نزدیک ان میں سے کسی ایک کا ہونا بھی آخرت کی خرابی کے لیے کافی ہوگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عبادات اوران کے کفارے

عبادات کی دو قسمیں ہیں:

1) ایک وہ عبادت جس کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں، زندگی میں جب بھی ادا کرے ادا ہوجائے گی جیسے زکوٰۃ، سجدہ تلاوت قرآن پاک، انسانی قرضہ اورحج وغیرہ مثلاً اگر دس سال سے صاحب نصاب ہے، اورزکوٰۃ واجب ہے اورادا نہیں کی اوراگراب دس سال کی اکٹھی ادا کرے گا تو ادا ہوجائے گی۔اس طرح حج فرض ہے جب بھی ادا کریں ادا ہو جائے گا۔

سجدہ تلاوت قرآن پاک ہیں اب تک ادا نہیں کئے اب تمام ادا کردیں ادا ہو جائیں گے۔

2) دوسری قسم ان عبادات کی ہے جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک وقت مقرر کر دیا ہے جیسے نماز، روزے، قربانی، اگر وقت پر ادا نہ کیا جائے تو انسان کے ذمہ قضاء رہےگی، جب تک کہ ان کی ادائیگی نہ کی جائے۔اگر گزشتہ کئی سالوں سے قربانی نہیں کی تو اس سال ایام قربانی میں یعنی عیدالاضحیٰ کے ڈھائی دن میں یہ قربانی کردیں۔عام دنوں میں یہ قربانی کرنے سے صدقے میں شمار ہوگا، قربانی ادا نہیں ہوگی۔

پھر عبادات بدنی اور مالی دونوں قسموں کی ہوتی ہیں:

بدنی عبادات: کچھ عبادات ایسی ہیں جن کی ادا یا قضاء انسان کو خود کرنا پڑتی ہے جب تک اس کا جسم موجود ہے کوئی دوسرا اس کو ادا یا قضاء نہیں کرسکتا، جیسے نماز، روزے اور سجدہ تلاوت دوسرے کے ادا کرنے سے ادا نہ ہوں گے نہ زندگی میں نہ بعد میں۔اگر زندگی میں اس کی ادائیگی نہیں کی اور قضاء بھی نہیں کی اور قضاء کرنے کی طاقت بھی نہیں ہے، تو وصیت کرنا واجب ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرے مال سے میری نمازوں، روزوں اور سجدہ تلاوت کا فدیہ ادا کیا جائے، پھر ترکہ تقسیم کیا جائے نماز کا اپنی زندگی میں فدیہ نہیں دے سکتے صرف قضاء کرسکتے ہیں۔اگر وصیت نہیں کی تو دینا واجب تو ہوگا مگر ترکہ تقسیم کرکے کوئی بالغ اپنے حصے میں سے خود ادا کرے یا آپس میں مل کر ادا کردیں تو ادائیگی فدیہ ہوجائے گی۔

مالی عبادات: دوسری قسم مالی عبادات ہیں جیسے زکوٰۃ، فطرانہ، قربانی۔زندگی میں خود ادا کریں ورنہ وصیت کریں اور اگر کچھ دونوں صورتوں میں سے نہیں ہوا تو ورثاء کی مرضی ادا کریں یا نہ کریں۔

حج بدنی اور مالی عبادت ہے زندگی میں ادا کریں۔ورنہ وصیت کریں اوراگر ایسا نہیں کیا تو ورثاء میں سے کوئی ادا کرے یا ادا کروادے تو ادا ہوجائے گا ورنہ گناہ گار رہوگا۔

فدیہ اور کفارہ میں فرق:-

فدیہ کیا ہے؟ فدیہ اصل میں اس چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی چیز کے بدلے میں دیا جائے۔ایسا مسلمان مرد یا عورت جو بڑھاپے یا کسی بیماری جس کی وجہ سے، فرض یا واجبات نہ ادا کرسکتا ہو تو اسے فدیہ ادا کرنا ہوتا ہے-

کفارہ کیا ہے؟ کفّارہ شریعت کی رو سے ایک قسم کی سزا یا جرمانہ ہے جو بعض حرام کاموں کے ارتکاب، فرض یا واجبات کے ترک کرنے (یعنی چھوڑنے) پر متعلقہ شخص پر لاگو ہوتا ہے۔

<u>**(1) نماز:-**</u> نماز کا فدیہ زندگی میں ادا نہیں کیا جاسکتا۔ہاں مرنے کے بعد اگر میت نے وصیت کردی تھی تو ایک وقت کی نماز کی قضا کا فدیہ پونے دو کلو آٹا دے دیں۔تو میت کے ذمہ سے ایک وقت کی نماز ادا سمجھی جائیگی۔ایک وقت کا پونے دو کلو آٹا، پانچ وقت کا پورے نو کلو۔ایک ماہ کا اور پھر ایک سال کا کتنا فدیہ بنا؟؟ اتنا فدیہ ورثا میں سے کبھی کسی کو دیتے نہیں دیکھا گیا۔میّت کی نمازوں کا فدیہ اِس صورت میں ورثا پر فرض ہے جبکہ وصیت کے ساتھ ساتھ میت نے بہت سا مال چھوڑا ہے تو ورثا کو میت کی کل نمازوں کا حساب لگا کر ایک تہائی مال میں سے میت کے ذمہ کا یہ قرضہ اُتار دینا چاہیے ورنہ گناہگار رہوں گے۔اگر وصیت نہیں کی تو مال ورثا کا ہوا اور میت کے ذمہ قرض ہے اور گناہ رہے گا۔

<u>**(2) روزہ :-**</u>

روزے کا فدیہ:- روزے کا فدیہ یہ ہے کہ جو شخص بڑھاپے یا دائم المریض ہونے کی وجہ سے روزے رکھنے پر قادر نہ ہو اور نہ ہی مستقبل میں اس کی صحت کی کوئی امید ہو

تو ایسے شخص کو ہر روزے کے بدلے میں پونے دو کلو گندم یا اس کی قیمت بطورِ فدیہ دینی ہوگی، یا دو مساکین کو ایک وقت کا کھانا کھلانا ہوگا یا ایک مسکین کو دو وقت کا کھانا کھلانا ہوگا۔لیکن اس کے بعد اگر صحت یاب ہو گیا تو دوبارہ روزے ادا کرنا ضروری ہوگا، اور جو رقم فدیے میں دی وہ صدقہ شمار ہوگی۔ عام بیماری جس میں صحت یابی کی امید ہو اس میں روزے کا فدیہ ادا کرنا درست نہیں ہے۔صحت یابی پر روزے ادا کرنے ہوں گے۔

روزے کا کفارہ :- اگر عاقل بالغ شخص رمضان المبارک کا وہ روزہ جس کی نیت صبح صادق سے پہلے کر چکا ہو قصداً (جان بوجھ کر) کھا پی کر یا جماع (ہم بستری) کر کے توڑ دے تو اس روزے کی قضا کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی لازم ہوتا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ (ایک روزے کا کفارہ) اگر ممکن ہو تو ایک غلام آزاد کرے، لیکن اگر یہ ممکن نہ ہو تو ساٹھ روزے مسلسل رکھنا واجب ہوں گے، اور اگر بڑھاپے یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے مسلسل ساٹھ روزے رکھنے پر قادر نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھلانا واجب ہوگا۔ **جوان صحت مند آدمی کے لیے روزے کی قدرت ہوتے ہوئے ساٹھ روزے رکھنے کے بجائے بطورِ کفارہ کھانا کھلانا جائز نہیں، اس سے کفارہ ادا نہیں ہوگا۔**

صدقہ فطر کا کفارہ:- اگر کوئی شخص عید کی نماز سے پہلے صدقہ فطر یا فطرانہ ادا نہ کر سکا تو یہ معاف نہ ہوگا - اگلے سال پھر عید کی نماز سے پہلے اس کو ادا کرے۔

<u>(3) قربانی:-</u> قربانی ہر سال ہر صاحب استطاعت پر واجب ہے لیکن اگر 10 سال تک بھی قربانی نہیں دی ہے تو اکٹھی قربانی کے دنوں میں دے کر قرضہ چکایا جا سکتا ہے اگر دانہ کی گئی تو گناہ لازم ہوگا۔

<u>(4) زکوٰۃ</u> :- زکوٰۃ ہر صاحب نصاب پر ہر سال ساڑھے سات تولے سونے یا ساڑھے باون تولے چاندی (حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت چاندی 5 تولے اوقیہ 200 درھم موجودہ 52.1/2 تولہ) یا (اتنا مال سال بھر رکھا رہا اور اس کو استعمال نہیں کیا) پر فرض ہے۔ اور یہ ایک سو پر اڑھائی روپے کے حساب سے ادا کرنا ہوتی ہے۔ اگر ادا نہیں کیا تو عمر کے کسی بھی حصے میں جب پیسے ہوں ادا کر دی جائے تو ادا ہو جائے گی۔

<u>(5) سجدہ تلاوتِ قرآن پاک</u> :- سجدہ قرآن پاک کی آیت جہاں آئے تو وہاں سجدہ کرنا ہوتا ہے یعنی اُسی وقت ادا کرنا ہوتا ہے۔ یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ 14 سجدے اکٹھے کر لیئے جائیں یعنی اکٹھے ادا کر دیئے جائیں۔ لیکن اگر یہ اب تک ادا نہیں کیئے ہیں تو اکٹھے ادا کر دینے سے ادا ہو جائیں گے اور تاخیر کرنے پر گناہ ہوگا۔ اس کے لیے معافی مانگی جائے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کی جائے۔ اگر یہ سجدے زندگی میں ادا نہیں کیے اور وصیت کر دی کہ وراثت میں سے میرے سجدوں کا فدیہ دے دیا جائے۔ تو ایک سجدہ تلاوت کا فدیہ مرنے کے بعد پونے دو کلو آٹا ہے۔ اگر وُرثا ادا کریں تو ٹھیک ورنہ گناہگار ہوں گے اور میّت کے ذمہ سے قرض اُتر جائے گا اور اگر میت نے وصیت نہیں کی تو مرتے ہی مال ورثہ کا ہو جائے گا اور میت کے ذمہ یہ قرضہ باقی رہے گا اور گناہ گار ہوگا۔

<u>(6) انسانی قرض</u> :- ضروری ہے کہ اِس کو وقت پر ادا کر دے اور اگر ادا نہیں کر سکا، تو مرتے وقت اپنے حصہ میں سے قرض اتارنے کی وصیت کر دے۔ تو ورثہ ادا کریں گے اور اگر وصیت نہیں کی تو میت پر قرض باقی رہے گا۔ یاد رہے کہ انسان اپنی ملکیت میں سے ایک تہائی اپنی مرضی سے وصیت کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔ باقی تین حصے شریعت نے ورثہ کے لیے لازمی قرار دیئے ہیں۔

<u>(7) حج</u> :- حج زندگی میں ادا کریں، یہ ہر صاحبِ استطاعت پر زندگی میں صرف ایک بار فرض ہے۔ ادا کرنے سے فرض ساقط ہو جائیگا، اور ادا نہیں کیا زندگی میں اور وصیت کر دی ہے تو ورثا میں سے کوئی میت کی چھوڑی ہوئی رقم میں سے حج ادا کر دے۔ یا رقم خرچ کر کے حج کروا دے، میت کے سر سے حج کا قرض اُتر جائے گا۔ اور اگر ورثا وصیت کے باوجود ایسا نہ کریں تو گُناہگار ہوں گے اور میّت کے ذمہ سے قرض اُتر جائے گا۔

<u>(8) قسم کا کفارہ</u> :- اگر کسی نے اللہ کی قسم کھائی تھی کہ ایسا کروں گا، پھر نہیں کیا، تو قسم کا کفارہ فرض ہے۔ قسم کا کفارہ تین روزے رکھنا ہے یا دس غریبوں کو صبح و شام کھانا کھلانا ہے۔ **اگر کسی نے قسم کھائی کہ**

تُو مجھ پر (شوہر نے قسم کھائی ہے) میری ماں کی طرح ہے۔ تو اس کے لیے اُس وقت تک بیوی حلال نہ ہوگی، جب تک وہ ساٹھ غریبوں کو پیٹ بھر کر کھانا نہ کھلائے یا دو ماہ کے روزے متواتر رکھے۔ اگر بیچ میں کوئی روزہ نہ رکھا تو دوبارہ سے روزے رکھے جائیں گے۔

مندرجہ بالا عبادات اگر وقت پر ادا نہیں کیں تو عمر کے جس حصے میں بھی ادا کریں گے ادا ہو جائیں گی۔ مثلاً دس سال سے صاحبِ نصاب ہے اور زکوٰۃ ادا نہیں کی تو اب اکٹھی دس سال کی ادا کر دیں تو ادا ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر پچاس سجدہ تلاوت واجب ہیں اب ادا کر دیں، ادا ہو جائیں گے، 20 سال سے کسی کی رقم بطور قرض لی

ہوئی تھی، اب ادا کریں تو ادا ہو جائیگی، اسی طرح حج جب بھی ادا کریں گے ادا ہو جائے گا۔ دس سال سے قربانی نہیں کی اب اکٹھی ادا کر دیں، ادا ہو جائے گی۔لیکن ایام قربانی ہی میں قربانی کرنی ہوگی۔

فدیہ وغیرہ ادا کرنے کی شرطیں: اللہ تعالیٰ کے لئے جو کچھ دیا جاتا ہے وہ سب صدقہ ہے اس کی کئی قسمیں ہیں: فرض، واجب، سنت، نفل یا مستحب

فرض صدقات حسب ذیل ہیں:

1۔عُشر: عُشر کی ادائیگی کھیت یا باغ کی پیداوار میں سے اگر پانی بلا قیمت، بلامحنت ہو، یعنی محض بارش یا زمین کی نمی کی وجہ سے ہو تو پیداوار کا دسواں حصہ یعنی عُشر دینا فرض ہے۔اور اگر پانی کی قیمت ہو، یا محنت سے ہو یا دونوں سے ہو جیسے نہر کا، ٹیوب ویل کا، ڈول کا یا بیلچہ وغیرہ سے دیتے رہتے تو پیداوار کا بیسواں حصہ دینا فرض ہے۔

2۔زیور کی زکوٰۃ: ساڑھے سات تولے سونا یا چالیس تولے چاندی والا شخص صاحب نصاب ہے-اگر یہ سونا یا چاندی پورے سال رکھا رہے تو اس پر 2.5 فیصد زکوٰۃ ہے-اتنا ہی مال یا پرائز بونڈ وغیرہ اگر پورے سال رکھیں رہیں تو ان پر بھی 2.5 فیصد زکوٰۃ ہے-

3۔جانوروں کی زکوٰۃ: وہ جانور جو خود گھاس کھا کر پرورش پاتے ہیں ان کی زکوٰۃ الگ ہے اور وہ جانور جو چارہ وغیرہ پر پلتے ہیں ان کی الگ، یہ تمام علماء اکرام سے معلوم کی جاسکتی ہیں۔

4- تجارتی مال پر زکوٰۃ: چالیسواں حصہ فرض ہے۔

دوسری قسم صدقات واجبہ کی ہے جیسے،

1۔فطرہ 2۔فدیہ 3۔کفارہ 4۔قربانی کی کھال کی قیمت 5۔نذر ومنت

انسانی قرض: کسی سے رقم ادھار لی کرایہ، مہر، امانت وغیرہ دینا فرض ہے، اپنی زندگی میں ادا کی جائے۔ورنہ وصیت کر دیں، اگر وصیت نہیں کی تو گناہ ہے۔اس کے ورثاء کو چاہئے کہ اپنے پاس سے یہ قرض ادا کر دیا جائے تا کہ مرنے والا عذاب سے بچ جائے۔

زندگی کا بھروسہ نہیں اس لئے اپنی زندگی ہی میں آخرت سے بچاؤ کا انتظام ضروری ہے۔تا کہ اس دنیا سے پاک صاف ہو کر جائیں معلوم نہیں بعد میں ورثاء کچھ کرتے ہیں کہ نہیں کرتے اور اگر کرتے ہیں تو صحیح طریقے سے کرتے ہیں یا غلط طریقے سے۔

یا الٰہی ہمیں اپنے پاس اس حال میں بلانا کہ ہمارے اوپر کچھ قرضہ نہ رہے اور اپنے خاص فضل و کرم سے ہمیں کامل تقویٰ پر زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمانا۔اور کامل ایمان پر خاتمہ کرنا (آمین یارب العالمین)

رواجی اسقاط: ایک رسم آج کل یہ چل پڑی ہے کہ جب کوئی مرتا ہے اور اس کے ذمے بہت سی نمازیں، روزے اور قسم کفارے رہ جاتے ہیں تو فدیہ تو لاکھوں میں بنے گا اب نہ تو اتنی رقم ہوتی ہے اور نہ ہی ورثاء اتنا فدیہ دینا چاہتے ہیں، یا فدیہ زیادہ اور رقم کم ہوتی ہے تو اس صورت میں غرباء کا ایک رواج قائم کر دیا گیا ہے۔

اس کا نام اسقاط رکھ دیا گیا ہے یہ اس طرح کیا جاتا ہے کہ ایک حلقہ بنایا جاتا ہے اور ایک شخص اس رقم یا قرآن پاک کو یہ کہتے ہوئے یہ میت کی طرف سے فدیہ ہے دوسرے کو دیتا ہے، وہ تیسرے کو یہ کہہ کر دیتا ہے کہ یہ میت کی طرف سے فدیہ ہے، وہ چوتھے کو یہ کہہ کر دیتا ہے کہ یہ میت کی طرف سے فدیہ ہے، پھر تمام غرباء جو وہاں موجود ہوتے ہیں-ان غرباء میں وہ رقم دورہ کروانے کے بعد تقسیم کر دی جاتی ہے۔

گویا وہ مال یا رقم پہلے غریب کا حصہ یا مال بن گئی اور پھر اس نے اپنے مال میں سے میت کا فدیہ ادا کیا۔اور جب دوسرے کا مال بن گیا تو اس نے اپنی طرف سے میت کا فدیہ ادا کر دیا۔یہ درست نہیں ہے۔اس طرح یہ خطرہ ہو گیا کہ ہر شخص جتنے چاہے گناہ کرے پھر اپنے تھوڑے سے مال سے اسقاط کروا دے، یہ دل کی ایک تسلی ہے اور رواج ہے۔اس طرح کر کے یہ سمجھنا کہ میت کی تمام عمر کی نمازوں اور روزوں کا فدیہ اور گناہوں کا فدیہ ہو گیا غلطی ہے۔

علامہ شامی نے اپنے عربی رسالے میں اور مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنے اردو کے ایک رسالے میں اس کی برائیاں بیان کی ہیں، اس سے بچنا چاہیئے اور فدیہ جتنا بنتا ہے پورا پورا ادا کرنا چاہیئے۔

****

زہد کیا ہے؟

زہد کے معنی یہ ہیں کہ باوجود دنیا حاصل کرسکنے کے دنیا میں ایسے بے التفات ہوجائے کہ دنیا اس کے پیچھے بھاگے اور یہ اس دنیا سے دامن چھڑائے۔

حقیقی زہد کیا ہے؟ حقیقی زہد یہ ہے کہ انسان دنیا کے مال ومتاع کی جانب متوجہ نہ ہو۔ زہد کی اصل وہ نور ہے اور وہ علم ہے جو اللہ کی طرف سے بندہ کے قلب میں ڈال دیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے شرح صدر ہوجاتا ہے (سینہ کھل جاتا ہے) جس وقت یہ نور حاصل ہوتا ہے تو اس دنیا کی حقیقت آنکھوں کے سامنے واضح ہوجاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس حقیر دنیا کی آخرت کے مقابلے میں اتنی بھی وقعت نہیں رہتی جتنی قلب میں ایک پھٹے پرانے چیتھڑے کی ہوا کرتی ہے۔

زہد اس مقدار پر کفایت کرتا ہے جتنا کسی مسافر کو سفر کا توشہ اپنے پاس رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ کا سورۃ الانعام آیت 125 میں فرمان ہے: ترجمہ: ''اللہ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے اسلام کے لئے اس کا شرح صدر کر دیتا ہے''۔ اس کی تفسیر جناب رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے اس طرح فرمائی ہے کہ: ''اس کے قلب میں ایک نور داخل فرما دیتا ہے جس سے اس کا سینہ کشادہ ہوجاتا ہے''۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ ''یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ اس کی شناخت کیا ہے؟ کہ کسی کا سینہ کشادہ ہوگیا ہے"؟ فرمایا" دنیا سے بے رغبتی، دین کی طرف توجہ اور موت کی تیاری شروع کر دینا شرح صدر کی خاص پہچان ہے''۔ (مشکوۃ،ص446، کتاب الرقائق-شعب الایمان) ---- **زہد کے مراتب اور مدارج مندرجہ ذیل ہیں۔**

1۔ طعام کی مدت کے اعتبار سے زہد کے مراتب: - طعام کی مدت کے اعتبار سے زہد کا پہلا درجہ یہ ہے کہ صرف ایک وقت کے کھانے پر قناعت کرے یعنی اگر صبح کو بھوک رفع ہوجائے تو شام کے لئے کچھ پاس نہ ہو اور اگر شام کے لئے کچھ پاس ہو اور شام کو پیٹ بھر جائے تو صبح کے لئے کچھ پاس نہ ہو۔ (یعنی کوئی ذخیرہ نہ رکھا جائے)

اوسط درجہ یہ ہے کہ مہینے بھر یا چالیس دن کی خوراک مہیا ہو۔ اس سے زیادہ کی پرواہ نہ ہو۔

ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ سال بھر کا ذخیرہ جمع کرلیا جائے اور اگر سال سے زیادہ کا جمع ہے تو بندہ زہد سے خارج ہے۔

2۔ طعام کی مقدار کے اعتبار سے زہد کے مراتب: - زہد میں طعام کی مقدار کے اعتبار سے **ادنیٰ درجے** کی مقدار جس کو زہد کا اعلیٰ درجہ کہا جاتا ہے پاؤ بھر اناج کا پورے دن میں پیٹ میں جانا ہے۔ یعنی پورے دن میں ایک پاؤ اناج کا استعمال کرنا ہے۔ **اوسط درجے** کی مقدار پورے دن میں آدھ سیر اناج کا استعمال کرنا ہے۔ اور **اعلیٰ درجے** کی مقدار جو زہد کا ادنیٰ درجہ ہے۔ سیر بھر غلہ استعمال کرنا ہے۔ پس اس سے زیادہ مقدار کھالی تو زہد کے درجے سے خارج ہیں۔

3۔ طعام کی جنس کے اعتبار سے زہد کی مقدار: - **اعلیٰ درجے** کا زہد اس کھانے پر قناعت کرنا ہے جس میں غذائیت پائی جائے چاہے وہ اناج کی بھوسی ہی کیوں نہ ہو۔

اوسط درجے کا زہد جو کی روٹی استعمال میں لانا ہے اور ادنیٰ درجہ گیہوں کے بغیر چھنے آٹے کی روٹی کا استعمال ہے۔ اگر آٹا چھان کر استعمال کیا تو زہد سے خارج ہے۔

ترکاری میں زہد کا **اعلیٰ درجہ** سرکہ، نمک اور سبزی کا استعمال ہے۔ **اوسط درجہ** چکنائی کا استعمال کرنا ہے اور **ادنی درجہ** گوشت کھانا ہے۔ بشرطیکہ ہفتہ میں صرف ایک یا دو مرتبہ کھایا جائے اگر ہمیشہ گوشت کھانے کی عادت ہے تو زہد سے بالکل باہر ہے۔

4۔ لباس کے اعتبار سے زہد کے مراتب: - **اعلیٰ درجے** کا زہد یہ ہے کہ صرف اتنے کپڑے پر قناعت کی جائے جس سے ستر چھپ جائے اور سردی گرمی رفع ہوسکے۔ **اوسط درجے** کا زہد یہ ہے کہ کسی کھردرے کپڑے کا کرتہ پاجامہ اور ایک رومال پاس رکھے۔ **ادنیٰ درجے** کا زہد یہ ہے کہ پہنے ہوئے کپڑوں کو دھونے کی ضرورت پیش آئے تو دوسرا لباس پاس ہو۔

5۔ مسکن کے اعتبار سے زہد کے مراتب: - مسکن میں **ادنیٰ درجے** کا مکان جو زہد کا اعلیٰ درجہ ہے سکونت کے لئے ایک حجرہ یا ایک کمرہ خریدنا یا کرائے پر لے کر زندگی بسر کرنا ہے۔ **اوسط درجہ** یہ ہے کہ سکونت کے لئے ایسا کمرہ بنائے جس میں ضرورت سے زیادہ وسعت نہ ہو، نہ اس کی دیواریں اونچی ہوں، نہ قلعی چونا، استر یا پلستر کیا گیا ہو۔ **ادنیٰ درجہ** ایک کمرے کا چھوٹا مکان جس میں ضرورت کی چیزیں موجود ہوں یا چھوٹے چھوٹے دو کمروں کا چھوٹا سا گھر ہو بڑے بڑے مکانات زہد سے خارج ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں "ہم مکان میں پلستر اور چونا کر رہے تھے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا ادھر سے گزر ہوا۔ فرمایا ''میاں وقت تو اس سے پہلے ختم ہونے والا ہے''۔ حضرت نوح علیہ السلام نے رہنے کے لئے گھاس پھوس کا ایک جھونپڑا بنایا تھا۔ کسی نے کہا" اے نبی اللہ! اپنے رہنے کے لئے ایک گھر تو بنا لیجئے"۔ انہوں نے جواب دیا ''مرنے والوں کے لئے گھاس پھوس کا یہ جھونپڑا ہی کافی ہے۔''

6۔ گھر کے سامان یا اثاث البیت کے اعتبار سے زہد کے مراتب:- زہد کا **اعلیٰ درجہ** جس میں اعلیٰ درجے کا سامان ہو وہ حضرت عیسیٰؑ کا حال تھا کہ ایک کنگا اور ایک پانی پینے کا پیالہ پاس تھا بس یہی اثاثہ تھا اور یہی سامان سفر تھا ایک بار چلے جا رہے تھے کہ ایک شخص پر نظر پڑی جو انگلیوں سے کنگھے کا کام لے رہا تھا اور اپنے بال درست کر رہا تھا۔ آپؑ نے یہ دیکھا اور کنگھے کو پھینک دیا اور کہا "یہ تو زائد از ضرورت نکلا"۔ اب صرف پانی پینے کا پیالہ رہ گیا ایک شخص کو دیکھا کہ "چلو سے پانی پی رہا تھا"۔ آپؑ اسے دیکھتے رہے پھر پانی کا پیالہ پھینک دیا اور فرمایا "اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے بدن کے اعضاء سے جو کام نکلے تو کسی دوسری چیز کی کیا ضرورت ہے"؟ **اوسط درجہ** یہ ہے کہ معمولی قسم کے برتن ہوں اور جہاں تک ہو سکے کئی ضرورتیں ایک ہی برتن سے پوری ہو جائیں۔ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ نے شہر حمص کے حاکم سے دریافت کیا" تمہارے گھر میں دنیا کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے کیا کیا اسباب ہیں"؟ انہوں نے جواب دیا" حضرت ایک لاٹھی ہے اس سے سہارے کا کام لیتا ہوں اور موذی جانوروں کو مارنے کے کام بھی آتی ہے۔ ایک تھیلا ہے جس میں کھانا رکھ لیتا ہوں اور ایک پیالہ ہے جس میں کھانا کھا لیتا ہوں اور اس میں ہی پانی پی لیتا ہوں اور ایک برتن ہے جس میں اتنا پانی آ جاتا ہے کہ وضو ہو سکے اور نہانے اور کپڑے وغیرہ دھونے کے لئے پانی بھی اس میں رکھتا ہوں۔ بس یہ چار چیزیں میرے پاس ہیں۔ ساری ضرورتیں الٹ پلٹ کر ان ہی سے پوری کر لیتا ہوں"۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ''تم سچ کہتے ہو''۔ **ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ** معمولی قسم کے برتن رکھیں اور وہ بھی ہر قسم کے ایک ایک ہوں۔ یعنی گلاس ایک، پیالہ ایک، پلیٹ ایک، پرات ایک، دیگچی ایک، چولہا ایک وغیرہ اسی طرح کی کئی ضرورتیں ایک ایک برتن سے رفع ہو جائیں۔

زاہدین کا زہد:- 1۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا بستر مبارک ایک تکیہ جس میں گھاس بھری ہوئی ہوتی تھی اور ایک کمبل تھا۔ اگر ہم اس مرتبہ کمال کو حاصل کرنے سے قاصر ہیں تو کیا اس سے بھی گئے گزرے ہیں کہ اس محرومیت پر افسوس ہی کر لیں تا کہ دل میں زہد کی محبت اور اس کے حصول کی خواہش تو باقی رہے۔ نیز اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ امرا کی نسبت اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا رکھا جائے اور جہاں تک ہو سکے زہد کے مراتب حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔

2۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے دریافت کیا" مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ کو میرے کچھ عیوب معلوم ہیں"۔ حضرت ابوذر غفاریؓ نے غصہ میں فرمایا ''ہوں'' اور خاموش ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا" حضرت ارشاد فرمائیے"۔ حضرت ابوذر غفاریؓ نے غصہ میں کہا" مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے دسترخوان پر دو کھانے جمع کرتے ہو''۔ حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے اور کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد پھر حضرت ابوذر غفاریؓ سے سوال کیا۔" حضرت کچھ اور"؟ انہوں نے جواب دیا کہ " مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تیرے پاس استعمال کے لئے دو جوڑے ہیں جس میں سے ایک تم دن کو ایک تم رات کو استعمال کرتے ہو؟'' حضرت عمرؓ پھر خاموش ہو گئے اور کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد پھر عرض کیا" حضرت کچھ اور"؟ حضرت ابوذر غفاریؓ یہ سنتے ہی غصہ میں کھڑے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے گھر سے باہر نکل گئے کہ ''یہ بھی بہت ہے''۔ حضرت عمرؓ نے خاموشی اختیار کر لی گویا وہ شرمندہ ہوئے۔

3۔ کسی بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ مالک بن دینارؒ اور حضرت محمد بن واسعؒ کو بہشت کی جانب لے جایا جا رہا ہے۔ اس بزرگ کے دل میں خیال آیا کہ دیکھوں مالک بن دینارؒ جنت میں پہلے جاتے ہیں یا محمد بن واسعؒ؟ چنانچہ انہوں نے دیکھا کہ مالک بن دینارؒ کو جنت میں داخل کیا گیا اور محمد بن واسعؒ کو ان کے بعد۔ حالانکہ محمد بن واسعؒ تو مالک بن دینار سے زیادہ عامل و کامل تھے۔ انہوں نے فرشتے سے سوال کیا اور یہ بات پوچھی" ایسا کیوں ہوا"؟ فرشتے نے جواب دیا کہ ''تم ٹھیک کہتے ہو لیکن مالک بن دینارؒ کے پاس پہننے کے لئے ایک جوڑا تھا جبکہ محمد بن واسعؒ کے پاس پہننے کے لئے دو جوڑے تھے۔ لہٰذا صبر و ضبط کی نسبت چونکہ مالک بن دینارؒ میں زیادہ تھی اس لئے انہیں جنت میں پہلے داخل کیا گیا ہے''۔

زاہد کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہر نعمت کو خوش ہو کر استعمال کرے لیکن خود کو اس کا مالک نہ سمجھے بلکہ اللہ تعالیٰ کو اپنا کفیل سمجھے اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار رہے۔

4۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسیؓ کا سالانہ وظیفہ پانچ ہزار درہم تھا اور یہ قریب قریب تیس ہزار مسلمانوں کے امیر تھے اور جب خطبہ کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنی عبا کو سنبھالتے کہ بعض حصوں کو چھپاتے اور بعض کو بچھاتے۔ اپنا سارا وظیفہ خیرات کر دیا کرتے اور گھاس کی ٹوکریاں بنا کر گزر اوقات کیا کرتے تھے۔ حضرت مالک بن انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت سلیمان فارسیؓ درخت اور دیوار کے سائے سے سایہ پکڑتے تھے۔ جدھر بھی سایہ پھرتا آپ ادھر ہی کو کھسک جاتے تھے۔ انہوں نے اپنے لئے کوئی گھر نہیں بنایا تھا۔ حضرت حذیفہؓ حضرت سلیمان فارسیؓ سے فرمایا کرتے ''اللہ کے بندے میں تیرے لئے ایک کوٹھری نہ بنوا دوں'' حضرت سلیمان فارسیؓ نے ان کی اس بات کو ناپسند فرمایا۔ ایک مرتبہ انہوں نے کہا کہ ''میں ایک ایسی کوٹھری بنانے کو کہہ رہا ہوں کہ جب تم اس میں بیٹھو تو اس کے ایک جانب تمہارا سر لگے اور دوسری جانب تمہارے پیر اور جب کھڑے ہو تو اس کی چھت تمہارے سر پر لگے۔ حضرت سلیمان فارسیؓ نے یہ سن کر کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم

میرے جی میں اتر گئے ہو۔جبھی تو تم نے میری منشاء کے مطابق کوٹھری بنانے کی تجویز دی ہے۔(یعنی وہ اس طرح کی کوٹھری بنانے پر رضامند ہو گئے)''۔

5- ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ نے شہر حمص کے فقراء اور محتاجوں کی فہرست طلب کی تا کہ ان کو عطیات بھیجے جاسکیں- جب مطلوبہ فہرست حضرت عمر فاروقؓ کے پاس پہنچی تو اس میں سب سے پہلے حمص کے نگران (یعنی حاکم) حضرت سعید بن عامرؓ کا نام تھا-حضرت عمر فاروقؓ کو بڑی حیرت ہوئی کہ ہم تو نگران حضرات کو مناسب وظیفہ دیتے ہیں پھر ان کا نام فقراء میں کیسے؟ حضرت عمر فاروقؓ کے پوچھنے پر بتایا گیا کہ وہ تمام وظیفہ غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیتے ہیں- پھر حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت سعید بن عامرؓ کے رویہ کے بارے میں حمص سے آنے والے لوگوں سے دریافت کیا-انہوں نے بتایا" باقی تو سب ٹھیک ہے لیکن ہمیں ان کی چار عادتوں پر اعتراض ہے:(1)وہ ہمارے پاس دن چڑھنے کے بعد آتے ہیں- (2) رات کے وقت ملاقات نہیں فرماتے - (3)مہینے میں ایک دن وہ کسی سے نہیں ملتے -(4)معلوم نہیں کیوں کبھی کبھی ان پر بے ہوشی کا طویل دورہ پڑتا ہے"-حضرت عمر فاروقؓ سے جب حضرت سعید بن عامرؓ کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے لوگوں کی شکایات کے بارے میں وضاحت چاہی-اس پر حضرت سعید بن عامرؓ نے وضاحت عرض کی:"(1) گھر سے چاشت کے وقت نکلنے کی وجہ یہ ہے کہ میرا کوئی خادم نہیں ہے-میری بیوی بیمار ہے لہذا فجر کے بعد دن چڑھتے تک گھریلو کام کاج میں خود کرتا ہوں-(2)رات کے وقت میں لوگوں سے ملاقات اس لئے نہیں کرتا کہ دن لوگوں کی خدمت اور رات اللہ کے لئے وقف کر رکھی ہے-(3)سارے مہینے میں ایک دن اس لئے باہر نہیں نکلتا کہ میرے پاس کپڑوں کا صرف ایک جوڑا ہے جسے میں دن میں دھوتا ہوں اور خشک ہونے پر پہن لیتا ہوں لہذا اس دن لوگوں سے ملاقات نہیں کر سکتا(4)بے ہوشی کی وجہ یہ ہے کہ حضرت سیدنا حبیب بن عدی میرے سامنے شہید کئے گئے-میں اس وقت حالت کفر میں تھا-میرے دل میں چوٹ لگتی ہے کہ کاش میں اسلام لا چکا ہوتا اور ان کی مدد کرتا-مجھے جب بھی ان کی یاد آتی ہے تو مجھ پر رنج وغم کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے"-یہ سن کر حضرت عمر فاروقؓ اتنا روئے کہ ان کی ہچکی بند ہوگئی-

ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت یحییٰ بن معاذؒ سے پوچھا کہ ''میں توکل کی دکان میں کب داخل ہو سکتا ہوں؟ میں زہد کی چادر کب پہن سکتا ہوں اور زاہدوں کے ساتھ کب بیٹھ سکتا ہوں؟''انہوں نے جواب دیا کہ جب پوشیدہ طور پر تمہاری ریاضت اس درجہ پر پہنچ جائے کہ ''اللہ تعالیٰ تین دن تک بھی تمہیں اگر روزی نہ دے تو تمہارا نفس کمزوری محسوس نہ کرے''۔

حضرت ابو عثمانؒ فرماتے ہیں" زہد یہ ہے کہ تو دنیا کو چھوڑ دے اور اس بات کی پرواہ بھی نہ کرے کہ اسے کون لیتا ہے"۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ کا قول ہے"بندے کے زہد کی مقدار اسی قدر ہوتی ہے جس قدر اسے آخرت سے لگاؤ ہوتا ہے"۔

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کا بیان ہے کہ زہد کے تین درجے ہیں۔

1۔ ایک زہد فرض ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے رکنا۔　　2۔ دوسرا زہد سلامتی ہے اور وہ ہے مشتبہ چیزوں کو ترک کر دینا۔

3۔تیسرا زہد فضیلت کے حصول کے لئے ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ اشیاء میں سے بھی صرف قلیل مقدار میں استعمال میں لانا اور یہی زہد کا اعلیٰ درجہ ہے"۔

حضرت ابن مبارکؒ کا قول ہے" زہد، زہد کو چھپانے کا نام ہے۔جب زاہد لوگوں سے دور رہے تو اس کی جستجو رکھو اور جب زاہد لوگوں سے قریب ہو تو اس سے کنارہ کشی اختیار کرو"۔کہا گیا ہے"اگر کوئی بندہ دنیا میں زاہد کے نام سے مشہور ہوتا ہے تو آخرت میں ایک ہزار اچھے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے اور جو کوئی راغب دنیا کے نام سے مشہور ہوتا ہے تو آخرت میں ایک ہزار برے ناموں سے پکارا جاتا ہے"۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں" زہد تین طرح کا ہے:عوام کا زہد، خواص کا زہد اور عارفین کا زہد

1۔ترک حرام یہ عوام کا زہد ہے　　2۔ حلال چیزوں میں سے فضول چیزوں کا ترک کر دینا۔یہ خواص کا زہد ہے

3۔ ان تمام چیزوں کا ترک کر دینا جو بندے کو اللہ تعالیٰ سے چھڑا کر اپنی طرف مشغول رکھتی ہیں یہ عارفین کا زہد ہے"۔

حضرت بشر حافیؒ فرمایا کرتے تھے" زہد ایک فرشتہ ہے جو صرف اور صرف ان لوگوں کے دلوں میں سکونت اختیار کرتا ہے جن کے دل دنیا سے خالی ہوتے ہیں"۔حضرت امام غزالیؒ فرمایا کرتے تھے" زاہد وہ نہیں جو دنیا کے نہ ہونے پر اس سے کنارہ کش ہو بلکہ زاہد وہ ہے جس کے پاس دنیا اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ آئی مگر اس نے اس سے منہ پھیر لیا اور بھاگ گیا"۔حضرت سہیل بن عبداللہؒ کا قول ہے" زہد چار چیزوں میں غور کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

1۔ کھانے میں کہ آخر میں پاخانہ بن جائے گا-　　2۔ لباس میں کہ آخر وہ پھٹ جائے گا-

3۔ بھائیوں میں کہ آخران میں مفارقت ہوجائے گی۔　　4۔ دنیا میں کہ آخر وہ فنا ہوجائے گی"۔

حضرت ابوسلیمانؒ نے فرمایا" جو چیزیں تمہاری توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہٹا دیں ان کو چھوڑ دو یہی زہد ہے۔اس کی علامت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسا کپڑا پہنے جس کی قیمت تین درہم ہو تو تیرے دل میں ایسا کپڑا پہننے کی خواہش نہ ہو جو اس سے قیمتی ہو"۔

درجات زہد:- حضرت امام غزالیؒ کا فرمان ہے "زہد کے تین درجے ہیں

1۔ ایک یہ کہ کوئی شخص دنیا سے ہاتھ اٹھالے لیکن اس کا دل اس میں لگا رہے۔تاہم اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے وہ ریاضت اور مجاہدے سے کام لے اور صبر وقناعت کی راہ پر گامزن رہے۔زہد کی اول منزل یہی ہے۔

2۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ اس کا دل بھی دنیا سے بے نیاز ہوجائے لیکن اس کو اپنے زہد کا بڑا خیال رہتا ہو یعنی وہ زہد کو اپنا بہت بڑا کارنامہ سمجھتا ہو۔ایسا شخص زاہد ضرور ہے لیکن نقصان سے یکسر خالی نہیں ہے۔

3۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ اسے اپنے زہد کا احساس یا ضعم بھی نہ ہو اور نہ وہ اسے کوئی بڑا معرکہ یا اپنا کوئی کارنامہ سمجھتا ہو"۔

زہد کیوں اور کس چیز کے لئے اختیار کیا جاتا ہے؟----**اس اعتبار سے بھی زاہدوں کو تین درجوں میں رکھا گیا ہے۔**

1۔ اول یہ کہ آدمی اس غرض سے زاہد ہوجائے کہ عذاب آخرت سے رہائی مل جائے اور اپنے مرنے پر راضی ہو۔یہ اہل خوف کا زہد ہے۔

2۔ دوسرا درجہ یہ کہ زہد ثواب آخرت کے لئے اختیار کیا جائے اور یہ پورا زہد ہے۔

3۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ دل میں نہ خوف دوزخ ہو اور نہ بہشت کی آرزو ہو۔حق تعالیٰ کی محبت دنیا اور آخرت دونوں سے بے نیاز کردے اور غیر اللہ کی طرف دیکھنا اس کے لئے باعث شرم اور موجب رُسوائی ہو۔یہ عارفین کا زہد ہے-

اب کچھ زاہد حضرات کے زہد کے بارے میں واقعات:-1- ایک مرتبہ ایک شخص حضرت سری سقطیؒ کی بزرگی اور کمالات کا شہرہ سن کر دور دراز مقام سے آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا" میرے وطن کے فلاں بزرگ نے دنیا سے قطع تعلق کرلیا ہے اور ایک پہاڑ میں معتکف ہوکر مصروف زہد ہوگئے ہیں۔انہوں نے آپ کو سلام بھیجا ہے"۔حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا" دنیا سے قطع تعلق کر کے کسی غار میں معتکف ہوجانا کوئی جوانمردی نہیں ہے۔مرد تو وہ ہے جو دنیا میں رہ کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم رکھے اور دنیا میں گم ہوکر نہ رہ جائے"۔(یعنی دنیا میں رہے لیکن دنیا میں نہ رہے)

2۔ ایک مرتبہ ایک بزرگ نے حضرت بایزید بسطامیؒ سے انکے مجاہدات کے متعلق سوال کیا تو آپؒ نے فرمایا" اگر میں اعلیٰ مجاہدات کا ذکر کروں تو تمہارے فہم سے بالاتر ہے لیکن میرا معمولی مجاہدہ یہ ہے کہ ایک دن میں نے اپنے نفس کو عبادت کے لئے راضی کیا لیکن وہ راضی نہ ہوا تو اس کی سزا میں میں نے پورے ایک سال تک اس کو پانی سے محروم رکھا اور کہا کہ یا تو تو عبادت کے لئے تیار ہوجا یا کر ورنہ میں تجھے اسی طرح پانی پینے سے تڑپاتا رہوں گا"-آپ اس درجہ مستغرق رہتے تھے کہ ایک خادم جو عرصہ تیس سال سے ان کی خدمت میں تھا وہ جب بھی آپؒ کے سامنے آتا تھا آپ اس سے پوچھتے" تیرا کیا نام ہے"؟ایک مرتبہ اس نے آپؒ سے کہا" حضرت آپؒ مجھ سے مذاق کرتے ہیں کہ جب بھی آپ کے سامنے آتا ہوں آپ مجھ سے میرا نام دریافت کرتے ہیں"۔آپؒ نے کہا ''میں مذاق نہیں کرتا۔میں تجھ سے کیوں مذاق کروں گا؟میرے قلب اور روح میں اللہ تعالیٰ کا نام اس قدر رچ بس گیا ہے کہ اس نام کے سوا کسی کا نام مجھے یاد ہی نہیں رہتا''۔

3۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرمایا کرتے تھے کہ زہد کی بادشاہت رعیت کی بادشاہت سے زیادہ باعظمت ہے کیونکہ رعیت کا بادشاہ لوگوں کو اپنے گرد لاٹھی کے زور سے جمع کرتا ہے۔جبکہ ایک زاہد لوگوں سے کنارہ کشی کرتا ہے مگر لوگ اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ابن مبارکؒ اپنے اس قول کے مصداق خود بھی تھے۔چنانچہ ایک مرتبہ وہ بغداد کے ایک مقام ''رقہ'' میں تشریف لے گئے۔خلیفہ ہارون رشید بھی وہاں آیا ہوا تھا اور اپنے لکڑی کے ایک محل میں مقیم تھا۔لوگوں نے ابن مبارکؒ کی تشریف آوری کی خبر سنی تو جوق درجوق ان کی زیارت کے لئے ٹوٹ پڑے۔پیدل اور سواریوں کی کثرت اس قدر زیادہ ہوئی کہ آسمان پر غبار چھا گیا۔

خلیفہ ہارون رشید کی ایک کنیز نے لکڑی کے محل کے برج پر چڑھ کر دیکھا کہ انسانوں کا ایک جم غفیر ہے جس میں مسلسل اضافہ ہوتا جارہا ہے۔اس نے خدام سے معلوم کیا کہ ''یہ کیسا اژدہام ہے''؟انہوں نے جواب دیا کہ ''خراسان سے ایک بزرگ عبداللہ بن مبارکؒ تشریف لائے ہوئے ہیں یہ سب لوگ ان کی زیارت کے لئے جمع ہوئے ہیں''۔یہ سن کر اس کی زبان سے بے اختیار نکلا واللہ بادشاہی تو یہ ہے۔ہارون رشید کی بادشاہی اس کے مقابلے میں کچھ نہیں۔کیونکہ اس کے پاس تو لوگ لاٹھی اور کوڑوں کے ڈر سے آتے ہیں۔اور ایسے بزرگوں کے پاس دل کی سچی محبت اور لگن سے''۔

کامل ایمان کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے؟

ایک مسلمان کے لئے سب سے زیادہ ضروری اورفرض چیز نماز کی پابندی ہے۔بس انسان نمازشروع کردے یعنی حاضری کا پابند ہوجائے آہستہ آہستہ حضوری بھی آجاتی ہے۔شروع میں جیسی بھی نماز ہوبس نیت نیک رکھے۔اس لئے کہ کبھی نماز میں دل لگتا ہے کبھی نہیں لگتا،کبھی ذہن میں سکون ہوتا ہے کبھی بے سکونی کی حالت ہوتی ہے کبھی وسوسے ہوتے ہیں اور کبھی پریشان خیالیاں حملہ آور ہوتی ہیں۔نماز کے دوران یکسوئی کی کیفیت تو شاذونادر ہی ہوتی ہوگی۔اس لئے دل میں یہ ہی خیال رہتا ہے کہ میری اس نماز کا کیا فائدہ؟ مجھے اس نماز سے کیا ملے گا؟لیکن ہمیں اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ عمارت کو تعمیر کرنے کے لئے شروع میں صرف بنیاد مضبوط کرنے کی طرف توجہ دی جاتی ہے،اس کے خوشنما ہونے کی طرف نہیں دیکھا جاتا۔بنیاد میں تو بس ہر طرح کے پتھر اور روڑے،بجری وغیرہ بھر دی جاتی ہے اور بعد میں اس پر ہی ایک عالیشان محل تیار کیا جاتا ہے۔

نماز کے دوران وسواس اور پریشان خیالیوں کے بارے میں ان کے اختیاری اور غیر اختیاری ہونے کا فرق ضرور معلوم کرتے رہنا چاہئے۔جو وسوسے اور خیالات انسان اپنے دل میں خود لاتا ہے ان کو روکنا اس کے اپنے اختیار میں ہوتا ہے اس اختیار کو استعمال کرنا فرض ہے۔اوراس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اپنی توجہ کو نماز کے الفاظ کے معنی کی طرف پھیر دیا جائے۔دل میں ایک وقت میں دو خیالات جمع ہونے کی گنجائش نہیں ہوتی اس لئے جونہی دل نماز کے الفاظ کے معنی کی طرف متوجہ ہوگا وسوسے اس وقت ختم ہوجائیں گے۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک سورہ الاحزاب آیت نمبر 4 میں فرماتا ہے: ترجمہ:''کسی آدمی کے جسم میں اللہ تعالیٰ نے دو دل نہیں رکھے''۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ دل ایک ہے یہ دوطرف متوجہ نہیں ہوسکتا۔اس کے برعکس جو وسوسے غیر اختیاری طور پر پیدا ہوں ان کی طرف توجہ ہی نہیں دینی چاہئے بلکہ ان کو نظر انداز کردیا جائے۔

نماز کے اوقات کے علاوہ دوسرے اوقات میں بھی زندگی کا اصل راز یہ ہے کہ دنیا کو دل میں نہ رکھو،دنیا دل میں رکھنے کی چیز نہیں ہے اس کو بقدر ضرورت صرف ہاتھوں میں تھامے رکھو۔دنیا دل میں سمانے کی چیز نہیں ہے اس کا ہاتھ میں رکھنا نقصان دہ نہیں ہے،دل میں سمانا خطرناک ہے۔دل تو بس اللہ تعالیٰ کے رہنے کی جگہ ہے نہ معلوم کس وقت نور حق اور رحمت الٰہی دل پر جلوہ گر ہوجائے۔اس لئے اس بات کا ہمیشہ خیال رکھا جائے کہ دل کو دنیا کی فضولیات سے خالی رکھا جائے تو اس میں عاجزی ،انکساری،حلیمی،توکل،عجز کے شگوفے کھلتے ہیں اور پھر ان شگوفوں کی خوشبو عجب اور کبر کی بدبو کو دل سے نکال باہر کرتی ہے۔نماز کا اصل مقصد دل کی توجہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف راسخ کرنا ہے۔اگر مستقل کوشش اور مجاہدوں کے ذریعے یہ نوبت آجائے کہ توجہ اللہ کی طرف راغب ہونے لگی ہے تو رفتہ رفتہ نماز بے تکلف پڑھنے کی عادت بن جائے گی۔اس وقت یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اب اپنے اپنے استعداد کے مطابق کسی نہ کسی درجے میں نماز کا مقصد حاصل ہوگیا ہے۔مقصد حاصل کرنے کے لئے اپنے بہت سے طبعی میلانات اور رجحانات کے خلاف مجاہدہ کرنا لازمی ہے اور پھر رفتہ رفتہ جب اپنی طبعی،نفسیانی اور نفسیاتی رکاوٹوں کے باوجود نماز کا فریضہ روزمرہ کے بندھے بندھائے معمول کے مطابق ادا ہونا شروع ہوجائے تو گمان کرلینا چاہیے کہ اب ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے ہیں۔لیکن یہاں پہنچ کر بھی کسی خاص وجدانی کیفیت یا استغراقی لطف وسرور کی تلاش میں مصروف نہیں ہونا چاہیے۔نماز صحیح طور پر ادا کرنا فرض ہے اس سے لطف اٹھانا یا سرور اٹھانا فرض نہیں ہے۔نماز اللہ کے لیے پڑھی جاتی ہے لطف اور سرور کا مزہ اٹھانے کے لیے نہیں۔

عارفین نے تو عبادت کی لذت کے قصد سے بھی پناہ مانگی ہے۔ارشاد یہ ہے کہ اگر ساری عمر گزر جائے اور کوئی لذت نہ آئے تو اس پر بھی ہمیں خوش ہوجانا چاہیے کہ حاضری وقت پر پوری دے دی ہے۔جب کوشش اور مجاہدے سے عبادت کے ساتھ کسی قدر لگن اور لگاؤ پیدا ہونے لگتا ہے تو طبعی طور پر نیک افعال صالحہ صادر ہونے لگتے ہیں۔زیادہ اہتمام اور مشقت کی ضرورت بھی نہیں رہتی۔اگر عبادت یا نماز کا مجاہدہ کسی دنیاوی غرض سے نہ کیا جائے بلکہ اس ارادے سے کیا جائے کہ بے تکلف نیک افعال ہونے لگے تو وہی مشقت ہر ہر کام کی معاون اور مددگار ہوجائے گی۔

اس لیے عبادت میں استقامت ضروری ہے اور عبادت کی یہی استقامت انسان کی سب سے بڑی کرامت ہے۔عبادت میں استقامت رکھنے والے لوگ ہی مستجاب الدعوات ہوتے ہیں ان کی تمام دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ان کا ارادہ بھی دعا بن جاتا ہے،ان کی خواہش بھی دعا ہوتی ہے کیونکہ ان کی خواہش کا دائرہ سمٹ سمٹا کر صفر کے برابر ہوگیا ہوتا ہے۔اس لیے کہ ان کی دعائیں،ان کے ارادے،ان کی خواہشات سب زیادہ تر دوسروں کے لیے ہوتی ہیں جن پر قبولیت کا فضل وارد ہوتا ہے-اپنی ذات کے لیے ان کی صرف ایک ہی دعا اور ایک ہی خواہش ہوتی ہے اور وہ حسن خاتمہ اور رضائے الٰہی کے حصول کی ہوتی ہے۔

یہ سارا معجزہ روٹین اور صرف روٹین کی برکت سے رونما ہوتا ہے۔ عرف عام میں روز بروز ایک ہی طرح کی مشقت بار بار دہرانے کو روٹین کا نام دے کر مسترد کر دیا جاتا ہے نیز جس عمل میں رنگ برنگی گونا گوئی اور بوقلمی کی چاشنی نہ ہو اسے بھی روٹین کے کھاتے میں ڈال کر حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے لیکن ۔۔۔۔۔**باطن کی دنیا میں---دین کا شیش محل، فقط روٹین کی بنیاد پر تعمیر تیار ہوتا ہے۔** ہر روز مقرر اوقات میں مقرر رکعتوں والی نمازیں بلا ناغہ پڑھنا روٹین نہیں تو اور کیا ہے؟ ہر نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا، رکوع کرنا، سجود کرنا اور ان تمام چیزوں میں وہی کلمات دہرانا اس سے بھی بڑی روٹین ہے۔ نماز کے علاوہ جو اشخاص ذکر، شغل، مجاہدہ، مراقبات و ریاضات کے میدان میں قدم رکھتے ہیں ان کی روٹین کی بھی نہ حد ہے نہ کوئی انتہا۔

اسمائے الٰہی میں سے ایک ہی اسم، یا نفی اثبات میں کلمہ طیبہ یا دیگر کلمات کو سینکڑوں نہیں ہزاروں بار دہرانا، اور اس ذکر، شغل اور مراقبے کو---مقررہ مقام پر بیٹھ کر پابندی سے کرنا روٹین کا ایک ایسا درجہ ہے جہاں پر اس کا وجود محض تکراری نہیں رہتا بلکہ تخلیقی رنگ اختیار کر لیتا ہے۔

ذکر، شغل و مراقبہ میں ہر روز ایک ہی مقام اور ایک ہی وقت متعین کرنے میں ایک نہایت باریک، لطیف اور نازک رمز پوشیدہ ہے۔۔۔۔مثال کے طور پر ایک تالاب میں بہت سی مچھلیوں کا بسیرا ہے۔ اگر کوئی شخص ہر روز ایک ہی مقررہ وقت پر تالاب کے خاص کنارے پر مچھلیوں کو کوئی خوراک ڈالے گا، تو رفتہ رفتہ تالاب کی تمام مچھلیاں اس مخصوص وقت اور اسی مخصوص کنارے پر جمع ہونا شروع ہو جائیں گے۔ بلکہ بعض اوقات تو یہ مچھلیاں مقررہ وقت سے پہلے ہی اس خاص جگہ پر جمع ہو کر اپنی پسندیدہ خوراک کی تلاش میں منڈلاتی ہوئی نظر آئیں گی۔ لیکن اگر وہ شخص کسی روز دوسرے کنارے پر خوراک ڈال کر چلا جاتا ہے تو چند مچھلیاں تو فیض یاب ہوں گی باقی اس وقت محروم رہ جائیں گی۔ اسی طرح ہر روز وقت اور مقام بدلتے رہیں تب بھی یہی ادھوری کیفیت رہے گی تالاب کی مچھلیوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں اپنی طرف کھینچنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ ان کی دل پسند اشیا کو ہر روز ایک خاص مقررہ وقت اور مقرر مقام پر ڈالتے رہیں---اسی طرح ذکر، شغل اور مراقبے کے دوران بھی ایک ہی خاص جگہ اور وقت مقرر کرنے سے فضائی بسیط میں پھیلے ہوئے بے شمار رحمانی اور ملکوتی اثرات کو اپنی جانب کرنے میں بڑی سہولت ملتی ہے---البتہ اس مثال کا اطلاق نماز پر نہیں ہوتا۔

نماز میں استقامت اور دنیا کی فضولیات سے بچنے کے بعد اگلی منزل اللہ کے ساتھ نسبت قائم کرنے کی ہے۔ نسبت ایک لگاؤ اور ایک تعلق کا نام ہے، یہ تعلق دونوں طرف سے ہوتا ہے۔ بندے کو اللہ سے اور اللہ کو بندے سے۔ پھر آہستہ آہستہ یہی باطنی تعلق معرفت الٰہی کا دریچہ کھول دیتی ہے۔

نسبت کا تعلق اگرچہ باطن سے ہے اور باطن انسان کے ظاہر کی چار دیواری میں مقید ہوتا ہے۔ یعنی انسان کا ظاہر اور باطن ایک ہی گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ دونوں پہیوں کی جسامت، ناپ، سائز، گولائی اور صفائی اگر برابر اور یکساں نہ ہوگی تو گاڑی اصل منزل مقصود تک نہ پہنچ سکے گی اور اصل منزل مقصود حق تعالیٰ کا راضی کرنا ہے۔ جس کا ذریعہ شریعت کے احکام کی پابندی ہے، ان احکامات میں بعض ظاہر کے مطابق ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد، لین دین، شہادت، وصیت و وراثت اور دیگر جملہ حقوق العباد اور بعض باطن کے مطابق ہیں جیسے حب الٰہی، حب رسول خاتم النبیین ﷺ، خوف خدا، یاد خدا، تقویٰ، توکل وغیرہ۔

مسلمان ہونے اور حلال روزی کمانے کے بعد نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، نوافل تہجد اور وظائف کے پڑھنے سے دین اسلام کی ایک دیوار کھڑی ہو جاتی ہے، لیکن یہ دیوار ایک سیکنڈ بھی کھڑی نہیں رہ سکتی، جب تک اس دیوار کو حقوق العباد کا پلاسٹر نہ کیا جائے۔ **عبادت صرف نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کا نام نہیں بلکہ ہر معاملہ میں اطاعت الٰہی کا نام ہے، اطاعت میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں شامل ہیں۔** یاد رکھیں! حقوق اللہ کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل سماعت بھی ہے اور قابل معافی بھی، لیکن حقوق العباد کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل سماعت ہے لیکن قابل معافی نہیں ہے، جب تک وہ معاف نہ کرے جس کا حق مارا گیا ہے۔ ایک اور بات---صرف مالی مدد کرنا ہی حقوق العباد نہیں ہے، بلکہ کسی کی عیادت کرنا، کسی کو ہنر سکھانا، کسی کو تعلیم دینا، کسی کو مفید مشورہ دینا، کسی کے دکھ درد میں شریک ہونا، کسی کے لئے دعا کرنا، چرند پرند کے لیے خوراک کا، پانی کا، سائے کا انتظام کر دینا بھی حقوق العباد میں شمار ہوتا ہے اور حقوق العباد کے لئے مال خرچ کرنے والوں کو تو اللہ تعالیٰ بے حد پسند فرماتا ہے، ان کے خرچ کو اپنے ذمے قرض حسنہ قرار دیتا ہے اور خرچ کرنے والے کے مال کو کئی گنا بڑھا کر واپس کرتا ہے، اس سے رب تعالیٰ کی خوشنودی کے ساتھ ساتھ انسان کو ذہنی اور قلبی سکون بھی نصیب ہوتا ہے- اس کا مطلب یہ ہوا کہ ماں باپ کا خیال، پڑوسیوں کا خیال، رشتہ داروں کا خیال اور عزیز و اقارب کا خیال رکھنا اور ان تمام کے حقوق ادا کرنا بھی ضروری ہیں- دوسرے یہ کہ کسی پر بھی ظلم یا زیادتی نہ کی جائے-

اپنے ظاہر و باطن کو شریعت کی راہ پر توازن اور اعتدال سے چلانے ہی سے عبدیت (بندہ ہونا) کا سفر طے ہوتا ہے، اور اگر عبدیت میسر ہو جائے تو ولایت اور اوتادیت، ابدالیت، قطبیت، غوثیت وغیرہ سب اس عبدیت پر قربان۔

حق کو راضی کرنے میں سر فہرست ذکر ہے---ذکر کیا ہے؟۔۔۔۔۔۔**ذکر کی حقیقت ایسی چیز کو یاد کرنا ہے اور یاد رکھنا ہے جو ظاہری اور باطنی گناہوں کو روک دے اور اطاعت پر ہمت اور طاقت بخشے۔---تلاوت قرآن پاک ذکر اللہ ہے۔** اگر کسی کو جنت اور دوزخ کی یاد گناہوں سے روک دے اس

کے لیے یہی ذکر اللہ ہے، جس کسی کو اللہ اللہ کہنا یا لا الہ الا اللہ کہنا یعنی اس کا ورد کرنا گناہوں سے روک دے اس کے لیے یہی ذکر اللہ ہے، جس کو اشغال یا مراقبات معاصی سے روکے اور طاعات پر اکسائے اس کے واسطے یہی ذکر اللہ ہے، اگر کوئی دکاندار دیانت داری سے دکان کو چلائے اس کے لیے وہی ذکر اللہ ہے، کرسی عدالت پر بیٹھا ہوا ایک جج اگر انصاف سے فیصلہ کر رہا ہے تو اس کے لیے وہی ذکر اللہ ہے، ایک تاجر اگر ایمانداری سے تجارت کر رہا ہے تو اس کے لیے وہی ذکر اللہ ہے۔ اس لیے مندرجہ بالا تمام کام خوف خدا سے کیے جاتے ہیں اور خوف خدا وہ لوگ کرتے ہیں جن کو ظاہری اور باطنی گناہوں سے رکنا ہوتا ہے، اور اطاعت پر اپنے آپ کو جمائے رکھنا ہوتا ہے۔

یاد رہے کہ ذکر صرف منہ سے اللہ اللہ کرنا نہیں ہوتا بلکہ ہر وہ نیکی جو اللہ کی رضا کے لیے کی جائے وہ اللہ اللہ کرنا ہی ہے۔

کوٹ مٹھن شریف میں ایک مجذوب تھا جو ہر آتے جاتے سے ایک ہی سوال کرتا تھا "عید کداں"؟ ---عید کب ہے؟ کچھ لوگ اس مجذوب کی بات ان سنی کر دیتے۔ کچھ ہنستے ہوئے اس کو دیکھتے اور گزر جاتے۔ ایک دن بابا فریدؒ وہاں سے گزرے۔ مجذوب نے ان کو دیکھتے ہوئے کہا "عید کداں"؟ بابا فریدؒ نے مجذوب کو دیکھا اور مسکرائے۔ وہ اس کے دل کی حالت کو سمجھ گئے۔ بولے "یار ملے جداں" ----جب محبوب ملے تو (عید ہے) -- یہ الفاظ سننے تھے کہ وہ مجذوب بابا فریدؒ کی ٹانگوں سے لپٹ گیا اور کہا "سرکار یار ملے کداں"؟ --- "سرکار یار ملے کداں"؟ --- محبوب کب ملے گا؟ بابا فریدؒ نے اس کو محبت سے ہٹاتے ہوئے کہا "مَیں مرے جداں" ---جب انسان کی مَیں مر جائے۔ اتنا سننا تھا کہ مجذوب کی آنکھوں سے موتیوں کی طرح آنسو جاری ہوگئے۔ اس نے کپکپاتے اور تھرتھراتے ہوئے بابا صاحب کو دیکھا۔ پھر کہا "حضور مَیں مرے کداں"؟ --- مَیں کب مرے گی؟ اب بابا فریدؒ نے اسے پیار سے تھپکی دی اور مسکراتے ہوئے فرمایا "یار تکے جداں" ----جب محبوب دیکھے---جب اللہ کی نظر کرم پڑ جائے، جب اللہ اللہ اور اللہ کرتے ہوئے بندہ اللہ کے سوا سب کچھ بھلا دے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جسم خدمت خلق میں اور دل اللہ کے ساتھ رہنے لگے---تب عید ہوتی ہے۔ کیونکہ عاشق کی عید محبوب کو راضی کرنا اور محبوب کو ہر دم نظر میں رکھنا ہے----یعنی دیدار الٰہی کرنا ہے-

اور یہ دیدار الٰہی اسے دنیا میں دو مرتبہ ملتا ہے: پہلی مرتبہ جب اس کی "مَیں "مرتی ہے----اور----دوسری مرتبہ جب وہ خود مرتا ہے۔

قرآن پاک کی سورہ فاطر آیت نمبر 32 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ:''پھر یہ کتاب قرآن ہم نے ان لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچائی، جن کو ہم نے اپنے بندوں میں پسند فرمایا۔ پھر بعض تو ان میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض ان میں متوسط درجے کے ہیں اور بعض ان میں وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کئے جاتے ہیں یہ بڑا فضل ہے''۔

اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں۔

1) ایک وہ لوگ جو صاحب ایمان ہیں لیکن صاحب عمل نہیں ہیں، بلکہ ایسے عمل کرتے ہیں کہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں لیکن اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندوں میں سے خارج نہیں ہوتے (یعنی دوستی رہتی ہے) اس لئے کہا جاتا ہے کہ ولایت عامہ ہر مومن کو حاصل ہے یعنی (سورۃ البقرہ آیت نمبر 257)

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۙ (اللہ ہر ایمان والے کا دوست ہے)

2) اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندوں میں وہ لوگ شامل ہیں جو صاحب ایمان ہیں۔ اور صاحب عمل بھی۔ یہ لوگ اپنی اپنی استعداد اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق کے مطابق نیکیاں کر کے ترقی حاصل کرتے ہیں، کوئی متوسط درجے تک ترقی کرتا ہے کوئی اس سے آگے، اور کوئی اس سے آگے، ترقی کی کوئی انتہا نہیں، ترقی پا کر کوئی متقی بنتا ہے کوئی ولی، کوئی ابدال، کوئی اوتاد، کوئی اخیار، کوئی قطب، کوئی غوث، کوئی شہید، کوئی صدیق۔ **انبیاء سے نیچے صدیقین کا درجہ سب سے بلند ہے۔**

اب دیکھنا یہ ہے کہ توفیق کسے کہتے ہیں؟ سورہ آل عمران آیت نمبر 101 میں فرمان الٰہی ہے:- ترجمہ:''اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو مضبوط پکڑتا ہے تو وہ ضرور راہ راست کی ہدایت کیا جاتا ہے''۔

ہر اطاعت کے اپنے اپنے انوار و برکات ہوتے ہیں اور ہر اطاعت سے دوسری اطاعت کا سلسلہ چلتا ہے، اور اس میں ایسا سامان جمع ہونے لگتا ہے جس کو توفیق کہتے ہیں۔ اطاعت و عبادت میں جس طرح توفیق حاصل ہوتی ہے نافرمانی اور گناہوں میں مبتلا ہونے سے اس طرح توفیق بند ہو جاتی ہے یا سلب کر لی جاتی ہے۔

سورہ النساء، آیت نمبر 69 میں فرمان الٰہی ہے: ترجمہ:''اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام کیا ہے -جیسے نبی، صدیق، شہید اور نیک لوگ- یہ لوگ بہترین رفیق ہیں''۔

صدیقین، شہداء اور صالحین اس زمرے میں آتے ہیں--- **انبیاء کرام علیہ السلام کا اپنا الگ مقام ہے**- صالحین کے زمرے میں غوث، قطب، اخیار، اوتاد، ابدال اور اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ہوتا ہے---سارے امتی شاہراہ شریعت کے مسافر ہیں-

مختصر طور پر یہ کہ ایمان ہر مومن میں ہوتا ہے اور ایمان کا ایک نور ہوتا ہے، اگر چہ اس کے آثار پورے طور پر ظاہر نہ ہوں۔جیسے کوئی حسین اپنے چہرے پر سیاہی مل لے تو چہرہ سیاہ ہو جائے گا اور جب وہ صابن سے اسے دھولے تو پھر صاف اور چمکدار چہرہ نکل آئے گا۔ایسے ہی بعض مسلمانوں کا نور ایمان گناہوں کی وجہ سے ڈھکا چھپا رہتا ہے،مگر جب توبہ کر لیتے ہیں تو قلب اسی وقت منور ہو جاتا ہے، پھر اس قلب کی روشنی چہرے کو بھی منور کر دیتی ہے۔دوبارہ سیاہی لگے گی تو توبہ کا صابن اسے پھر دھوڈالے گا-اسی طرح تیسری بار،اسی طرح چوتھی بار،اور اسی طرح بار بار-کیونکہ اس '' **تَوَّابُ الرَّحِیمُ** '' کی رحمت انسان کی بداعمالیوں سے بہت زیادہ وسیع ہے-توبہ کا اصل جوہر اس میں ہے کہ گناہ کرنے پر ندامت ہو،معافی کی درخواست ہو اور مستقبل کے لئے اس گناہ سے بچے رہنے کا عزم کر لیا جائے-اگر یہ تینوں عناصر اکھٹے ہو جائیں تو توبہ کی قبولیت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی-

خشوع خضوع، ذکر وفکر، توبہ، تقوی، اور توکل کی توفیق سے فیض یاب ہو کر انسان کے نفس میں ایک انقلاب برپا ہو جاتا ہے-وہ انقلاب یہ ہے کہ نفس امارہ نفس لوامہ میں تبدیل ہو جاتا ہے-نفس امارہ انسان کو شرارت پر اور گناہ پر اکساتا ہے، نفس لوامہ وہ ہے کہ جو شرارت پر اس طرح نادم ہو کہ کیوں کی؟؟ اور خیر پر اس طرح نادم ہو کہ کیوں نہ کیا؟؟؟ **ترقی کی راہ پر یہ محض پہلا اور ابتدائی قدم ہے**-اصل مقصد تو نفس مطمئنہ کا حصول ہے-

نفس مطمئنہ صرف اس وقت حاصل ہوتا ہے جب انسان ہر وقت اللہ سے راضی ہو اور اللہ اپنے بندے سے راضی ہو-رضائے اِلٰہی کا یہ درجہ حُبِ اِلٰہی سے استوار ہوتا ہے اور حُبِ اِلٰہی کا واحد ذینہ حُبِ رسول خاتم النبیین ﷺ ہے-اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی سے محبت کرنا اور اللہ تعالی کی محبت حاصل کرنا رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی اتباع، آپ خاتم النبیین ﷺ کی فرمانبرداری اور آپ خاتم النبیین ﷺ کی محبت کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے-آپ خاتم النبیین ﷺ سے محبت کرنا عارفانہ طور پر نہیں بلکہ والہانہ حد تک محبت کرنا ہر صاحب دل کے لئے ایک قدرتی اور فطری امر ہونا چاہئے-

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے اخلاق کے متعلق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے:-''آپ (خاتم النبیین ﷺ) کا خُلق قرآن پاک ہے''-**گویا قرآن پاک کی عملی حالت کو وجود کا لباس پہنا کر محمد (خاتم النبیین ﷺ) نام رکھ دیا گیا ہے-**

ہر انسان جسم اور روح کا مرکب ہے، اعضائے بدنی (ظاہری) کے سڈول (خوبصورت) ہونے کا نام خوبصورتی ہے اور اعضائے روحانی (باطنی) کے متوسط اور متوازن ہونے کا نام خوب سیرتی ہے۔اللہ تعالی کو حسن سیرت مطلوب ہے۔قرآن پاک کی ساری تعلیمات کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ قوائے باطنی کو پاکیزہ، معتدل، اور حسین بنا کر اللہ تعالی کے حضور میں پیش کر دیا جائے۔جس شخص کی باطنی قوی کی روحانی ترکیب کو حسن اعتدال میں رہبر عالم حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ جس قدر زیادہ مناسبت، مشابہت، اور موافقت حاصل ہوگی، اسی تناسب سے اسے قرب الہی، حب الہی اور محبوبیت کا درجہ عطا ہوگا۔اور اس طرح اس کے برعکس عشق رسول خاتم النبیین ﷺ کی اس کسوٹی کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے، یہی اصل طریقت ہے۔اور اس کا حاصل ہو جانا کرامت ہے، اور اس کو فنافی الرسول کا مرتبہ کہا جاتا ہے۔

جس طرح ہر مسلمان کے باطن میں نور ایمان کی کچھ نہ کچھ شعاعیں ضرور مستور (چھپی ہوئی) ہوتی ہیں۔اس طرح ہر صاحب ایمان کے دل میں حب رسول خاتم النبیین ﷺ اور احترام رسول خاتم النبیین ﷺ کا جذبہ بھی کسی نہ کسی حد تک یقیناً موجزن ہوتا ہے۔اس میں اچھے، بہت اچھے اور بُرے مسلمان کی تخصیص نہیں ہوتی بلکہ تجربہ شاید یہ ہے کہ جن لوگوں نے ناموس رسالت خاتم النبیین ﷺ پر جان عزیز کو نثار کیا اور رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے نام پر قربان ہوئے، ظاہری طور پر نہ تو وہ عالم تھے اور نہ ہی اپنے زہد اور تقویٰ میں ممتاز تھے۔اس لئے کہ ایک عام انسان کا شعور اور لاشعور جس شدت اور دیوانگی کے ساتھ شان رسالت کے حق میں مضطرب ہوتا ہے، اس کی بنیاد عقیدے سے زیادہ عقیدت پر مبنی ہے۔

خواص میں یہ عقیدت ایک جذبہ ہے اور عوام میں یہ جذبہ ایک جنوں کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔یہ ایک خود کار تخلیقی عمل کی طرح جنم لیتا ہے اور پھر فطرت انسان کے نہاں خانوں میں پوشیدہ رہتا ہے، جس کا بسا اوقات انسان کو خود بھی علم نہیں ہوتا۔

نیک لوگوں میں عقیدت رسول خاتم النبیین ﷺ کی حدت پائی جاتی ہے اور نسبتاً کم نیک لوگوں میں عقیدت رسول خاتم النبیین ﷺ کی شدت پائی جاتی ہے۔احترام رسالت خاتم النبیین ﷺ کی یہ وہ پوشیدہ حقیقت ہے جو ہر اچھے اور برے انسان کے لاشعور میں اس طرح جاری وساری رہتی ہے جس طرح خون اس کی رگوں میں گردش کرتا رہتا ہے۔

قرآن پاک سورۃ الاحزاب آیت نمبر 56 میں فرمان الٰہی ہے:

ترجمہ:''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی (خاتم النبیین ﷺ) پر۔اے ایمان والو! تم بھی نبی (خاتم النبیین ﷺ) پر درود بھیجو اور خوب سلام (بھی) بھیجتے رہا کرو''۔

یہاں پر ایک خاص چیز کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے اور وہ یہ کہ محمد خاتم النبیین ﷺ کے ظاہری پردہ فرما جانے کے بعد اللہ کس پر درود بھیجتا ہے؟ محمد خاتم النبیین ﷺ کی ذات پر؟؟؟؟ یا محمد خاتم النبیین ﷺ کی صفت پر؟

ذات ہے تو قائم ہے اللہ کے درود کے آئینے میں۔ اللہ کسی گزشتہ پر درود نہیں بھیجتا۔ وہ حال کا اللہ ہے، قران پاک حال کا قران ہے، کلمہ حال کا کلمہ ہے، اور رسول پاک خاتم النبیین ﷺ ؟؟۔۔حال ہی کے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ ہیں۔ ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ کے لیے ہیں۔

مندرجہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے حکم دے کر درود شریف پڑھنے کی تعمیل کا مطالبہ نہیں کیا ہے بلکہ خود اپنے ایک امر کی مثال دے کر اس کی تقلید کی فرمائش کی ہے۔

ایک (عبد) بندے کی فضیلت کا اس سے بڑھ کر کوئی درجہ تصور میں لانا بھی محال ہے۔ درود شریف کے فضائل میں کچھ باتیں ہیں۔

ہم درود شریف پڑھ کر اس محسن انسانیت کا تھوڑا سا حق ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو اس عظیم ذات نے اس اُمت پر کیا ہے۔

دوسرے یہ کہ درود شریف پڑھنے والے کو اپنی استعداد اور خلوص کے مطابق صاحب درود (نبی کریم خاتم النبیین ﷺ) کی توجہ کا شرف ضرور حاصل ہوتا ہے۔ خاص طور پر ان اوصاف کی توجہ کا جنہیں قرآن شریف میں **"رؤف الرحیم"** اور **"رحمت اللعالمین"** کے خطاب سے نوازا گیا ہے۔ اگر چہ ہزاروں انسان ہزاروں مقامات پر ایک ہی وقت میں درود شریف پڑھ رہے ہوں ان سب پر فرداً فرداً ایک ہی وقت میں آپ خاتم النبیین ﷺ کی توجہ کا منعکس ہونا نہ کوئی عجیب بات ہے اور نہ کوئی مشکل امر ہے۔ چراغ اگر چھوٹا ہو تو اس کی روشنی پھیلانے کے لیے اسے ایک کمرے سے اٹھا کر دوسرے کمرے میں لے جانے کی ضرورت ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔لیکن سورج کی شعائیں بیک وقت یکساں طور پر آسانی سے پہنچتی رہتی ہیں۔ شرط صرف اتنی سی ہے کہ رخ سورج کی جانب ہو۔ ماڈرن اصلاح میں یہ ساری بات فریکونسی (frequency) یعنی برقی لہروں کے ارتعاش کا معاملہ ہے۔ لیکن انسان صحیح Wavelength کے ساتھ (یعنی لاس (lass) کی شعاؤں کے ساتھ) tune in (ہم آہنگ) ہوجائے تو۔۔۔۔۔کسی کا دل تار گھر میں استعمال ہونے والی مارس کی (Mars key) بن جاتا ہے۔ کسی کا دل بڑی طاقت والا ویو ریڈیو سیٹ (wave radio set) بن جاتا ہے، کسی کا دل ٹیلی ویژن اور کسی کا رنگین ٹیلی ویژن بن جاتا ہے۔ ویولینتھ کی ہم آہنگی (tune in) اطاعت اور اعمال سے ہوتی ہے اور (ٹرانسمیشن کے لیے) ٹرانسمیٹر کے ساتھ صحیح مرکز کا کنکشن صرف درود شریف کے ذریعے قائم ہوتا ہے۔

قرآن پاک نے متقی لوگوں کی صفات بیان کی ہیں کہ متقی تو صاحب جمال لوگ ہیں، نیک چلن ہیں پاکباز ہیں، ایمان دار ہیں سخی، عادل، صادق، نرم دل، غیظ اور دوسری نفسانی خواہشات کو ضبط رکھنے والے، تکبر سے پاک، فساد عیب جوئی، طعن، تضحیک و توہین کا مرتکب ہونے سے بے نیاز۔

ان کا ظاہری لباس بھی دیدہ زیب ہوتا ہے اور ان کا باطنی لباس تو اس سے بھی زیادہ خوش جمال اور باعث زینت ہوتا ہے۔ اس لباس کا نام تقویٰ ہے اسی کو سیرت کہتے ہیں۔ اور یہی اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے۔ ان کا ظاہر ڈنکے کی چوٹ پر پکار پکار کر ان کے متقی ہونے کا اعلان نہیں کرتا ہے اور اگر کسی کے باطن میں یہ بات آجائے کہ وہ صاحب تقویٰ ہے تو اس کے تقویٰ کا لباس تار تار ہو کر اسے تکبر کے خارزار میں تنہا چھوڑ دیتا ہے۔ یہ ایک دو دھاری تلوار ہے اس کی زد سے زندہ سلامت بچ کر وہی خوش نصیب نکلتے ہیں جن کا تقویٰ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہو---اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایمان کامل حاصل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل باتوں کا ہونا بہت ضروری ہے،

1۔نماز
2۔دل کا دنیا کی فضولیات سے خالی ہونا
3۔نسبت قائم کرنا
4۔تلاوت قرآن پاک اور ذکر الٰہی میں مشغول رہنا
5۔شریعت کی پابندی کرنا
6۔اللہ تعالیٰ کی رضا کی جستجو کرتے رہنا
7۔حقوق العباد کا پورے طور سے خیال رکھنا
8۔نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی ذات سے محبت کرنا
9۔نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے اسوہ حسنہ پر چلنا
10۔تعمیر سیرت یعنی تقویٰ کا حصول

برسوں کے ریاضت، زندگی بھر کا مجاہدہ، اور کوشش کے بعد اگر یہ احساس حاوی رہے کہ مجھے کچھ حاصل نہیں ہوا ہے تو درحقیقت اس کو سب کچھ حاصل ہو گیا ہے۔ لیکن جوں ہی کسی کے ذہن میں یہ خیال ابھرا کہ اب میرا قلب عاجزی اور انکساری کا مسکن بن گیا ہے تو خطرہ ہے کہ شاید وہ پہلے سے بھی زیادہ کبر عظیم میں مبتلا ہو گیا۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس دو دھاری تلوار سے بچ بچ کر چلنا ہی کامیابی کا اصل راز ہے۔

****

پرسکون زندگی گزارنے کا طریقہ

اسلام میں مایوسی کفر ہے۔اس لیے کہ کوئی مرض ایسا نہیں جس کا علاج اللہ تعالیٰ نے نہ رکھا ہو۔اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے مرض پیدا کئے تو علاج بھی پیدا کئے۔امراض پیدا نہ کئے جاتے تو باطنی امراض میں کفر اور نافرمانی کا نام ونشان نہ ہوتا۔اور امراض باطن کے اسباب،شیاطین،کفار،نافرمانی کا ماحول پیدا ہی نہ ہوتا۔ تو علاج اور اس کے اسباب،اچھے اعمال،اچھے اشخاص کے پیدا کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی اور جب نہ اچھے ہوتے نہ برے۔اچھائی ہوتی نہ برائی تو دنیا آخر کس چیز کا نام ہوتا؟ بالفاظ دیگر دنیا ہی پیدا نہ کی جاتی۔

اس کا حاصل یہ نکلا کہ دنیا کا پیدا کیا جانا اللہ تعالیٰ کی حکمت تھا۔تو خوبی کے ساتھ خرابی،اچھائی کے ساتھ برائی،نیکی کے ساتھ بدی،تقویٰ کے ساتھ فجور،اسلام کے ساتھ کفر کا پیدا کیا جانا بھی ضروری ہے اور عین حکمت تھا۔تاکہ کفر کے مقابلے سے اسلام کی قوت،فسق (نافرمانی) کے مقابلے سے تقویٰ کی طاقت،بدی کے مقابلے میں نیکی کی رفعت،کذب (جھوٹ) کے مقابلے صدق (سچ) کی عزت اور عظمت نمایاں ہو۔جیسا کہ عام ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ یہ شیطان کو کیوں ہمارے پیچھے لگا دیا؟ شیطان پیدا نہ ہوتا اور کسی کو نہ ورغلاتا۔تو پھر اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر جو قوت مدافعت رکھی ہے اس کی کیا ضرورت تھی؟ اور نیکی اور بدی میں امتیاز کی قوت یعنی عقل پیدا کرنے کی بھی کیا ضرورت تھی؟ اور پھر قوت ارادی پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کہ ہم حق کو باطل سے ممتاز سمجھ کر حق کی طرف اپنے ارادے سے دوڑیں؟ یعنی پھر تو سب کچھ غیر ضروری تھا۔تو پھر انسان کیا رہ جاتا؟ جس میں نہ قوت ارادی ہوتی،نہ قوت تمیز نہ عقل ہوتی نہ عزیمت نہ طاقت ہوتی نہ رفعت تو پھر انسان کیا ہوتا؟ شاید اگر ایسا ہوتا تو انسان بس اینٹ پتھر کا ایک تودہ ہوتا۔تو پھر تو کائنات ہی بے معنی ہو جاتی۔کیونکہ اس کو علم وعقل سے استعمال کرنے والا کوئی نہ ہوتا۔ہم نے جو نیکی یا بدی کی؟ اپنے ارادے اور اختیار سے کی؟ اللہ تعالیٰ نے مجبور ہو کر نہیں کروائی کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم اینٹ اور پتھروں کی طرح بے اختیار ہو گئے ہوں کہ ہم تو نیکی کرنا چاہتے تھے لیکن یہ بدی تو خود بخود ہو گئی،انسان صاحب اختیار ہے وہ نیکی اور بدی کا راستہ اپنے ارادے اور اختیار،اپنی عقل سمجھ وفہم کا استعمال کر کے اختیار کرتا ہے۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے۔یہ پتھر کا تودہ نہیں ہے اس لئے اپنے کئے دھرے کو تقدیر کے سر ڈال کر بری الذمہ ہونے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔یہ انتہائی جسارت اور گستاخی ہے کہ ایک تو انسان بدی کرے اور خود بری الذمہ ہو کر اس بدی کو اپنے مالک کے سر تھوپنے کی کوشش کرے کہ **"قسمت میں ہی لکھا تھا"** یعنی خدانخواستہ یہ بدی مالک نے کروائی ہے۔

ان تمام برائیوں کا ایک ہی علاج ہے اور وہ یہ کہ بندہ سب سے پہلے اپنی زندگی کا ایک نصب العین متعین کرے۔آیا وہ نصب العین دنیا ہے؟ یا آخرت ہے؟ اگر دنیا ہے تو پھر دنیا کمانے میں لگ جائے۔حلال حرام کا کوئی خیال نہیں جو جی میں آئے عقل میں آئے کرتا رہے۔آخرت کی فکر کی ضرورت نہیں اور نصب العین اگر آخرت ہے تو اسے کمانے کی فکر کرے تو پھر اخروی قانون سے مدد لینی پڑے گی۔اس قانون کی رو سے کونسی چیز حلال ہے کونسی حرام اور دونوں نصب العین میں خواہ دنیا ہو یا آخرت اپنے ارادے اور اختیار سے کام لینا ہوگا۔

اخروی نصب العین کے لئے دستور شریعت ہے۔ جس کے پانچ ارکان ہیں۔عبادات،اخلاق،اعتقادات،معاملات اور عقوبات اور سب اختیاری ہیں اگر ہم ان سب کو اللہ کا نام لے کر شروع کر دیں،فرائض کی پابندی کریں،اخلاق کی تکمیل کے لئے کسی با اخلاق بندے کی طرف رجوع کریں۔عقیدے کی اصلاح کے لئے خود علم نہیں ہے تو پوچھ پوچھ کر عمل کریں،عقوبات کے سلسلے میں مادی سزائیں اگر مادی قوت نہ ہونے کی وجہ سے اگر آج نہیں دی جاسکتی ہیں تو اس کو بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کہنا چاہیے اور استغفار کا عمل اختیار کیا جائے۔گناہ ہو جانے پر توبہ ضروری ہے۔ماحول کو شریعت کے مطابق رکھنا چاہیے۔جب ایک انسان اپنی زندگی کو اسلام کے مطابق گزارنے کی کوشش کرے گا تو کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اکیلا چھوڑ دے۔دنیا کی مصیبت اور بلاؤں سے گھبرانا نہیں چاہیے بلکہ اللہ کے ذکر کی طرف توجہ دے یہ کثرت ذکر خود ہی قلب کو پاک کرے گا۔خیالات فاسدہ کو کم یا گم کرے گی۔قلب کی سختی کو مٹا کر رقت پیدا کرے گی اور برے ماحول سے نفرت دلا کر اچھے ماحول کے جذبات پیدا کرے گی اس لئے ہر طرف سے ہٹ کر ایک مسلمان ہونے کے ناطے شریعت کے دستور العمل کو اختیار کرنا چاہیے۔

شریعت میں ہماری اصلاح،تکالیف،مصیبتیں اور بلاؤں سے نجات کی تمام راہوں کی طرف نمائندگی کی گئی ہے۔بس اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگتے رہیں۔ بلاؤں پر صبر کے اجر ہیں۔نعمتوں پر شکر کے اجر ہیں۔دنیا کی تمام تر آزمائشوں پر اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر ہیں۔وہ دینے والا ہے۔بس بات یہ ہے اس باری تعالیٰ نے سورۃ

البقرہ، آیت نمبر 155 میں فرمایا: ترجمہ: "یہ لوگ جو ایمان لائے ہیں ایمان لانے کے بعد یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم انہیں آزمائیں گے نہیں؟ ہم انہیں ضرور آزمائیں گے کسی کو دشمن کے ڈر سے، کسی کو بھوک سے، کسی کو حادثے سے، کسی کو فقر و فاقہ سے اور کسی کو بیماری سے، تو کسی کو پھلوں کی کمی سے"۔

ہمیں اللہ تعالیٰ سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ ہر وقت اس سے فضل و کرم کے مانگنے والے بنے رہیں۔ اور اس خالق کائنات سے دین و دنیا کی عافیت طلب کریں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنے اعمال پر کڑی نظر رکھیں۔ ایک شخص نے کسی بزرگ سے سوال کیا" مجھے کیسے معلوم ہو کہ اللہ مجھ پر فضل کر رہا ہے"؟ انہوں نے جواب دیا" بر خود اراپنے عمل دیکھا اگر تو اللہ کے لئے عمل کر رہا ہے تو جان لے کہ اس کا فضل متوجہ ہے"۔ ہمیں بھی ہر وقت اپنے اعمال پر نظر رکھنی چاہیے۔

اس پریشان اور ابتر دنیا میں انسان مایوسی سے کیسے بچے اور پرسکون زندگی کیسے بسر کرے؟

اس سوال کا جواب سامنے لانے کے لئے سب سے پہلے ہمیں پریشانی اور ابتری کے معنی معلوم کر لینے چاہئیں۔ لوگوں نے عموماً مصیبت اور پریشانی، دکھ درد، افلاس، بیماری، تنگدستی، جیل و قید و بند، مار دھاڑ، قتل و غارت، قحط و بلا وغیرہ کو مصیبت سمجھ رکھا ہے حالانکہ ان میں سے ایک چیز بھی مصیبت نہیں۔ یہ صرف واقعات اور حوادث ہیں۔

پھر پریشانی اور مصیبت کیا ہے؟ پریشانی اور مصیبت درحقیقت ان واقعات اور حوادث سے دل پر اثر لینا ہے۔ ان سے تشویش میں پڑنا ہے۔ ان سے دل کا تنگ ہونا ہے اور ان سے کرب و غم میں ڈوب جانا ہے۔ پریشانیاں مصیبتیں، بلائیں، بیماریاں زیادہ سے زیادہ اسباب مصیبت کہلا سکتی ہیں۔ مصیبت نہیں کہلا سکتیں۔

مصیبت: "مصیبت" تو قلب کی کیفیت احساس اور تاثیر کا نام ہے۔ جیل کی قید و بند کا نام مصیبت نہیں ہے بلکہ اس سے دل میں پراگندگی اور اثر لینا مصیبت ہے۔ افلاس و تنگ دستی مصیبت نہیں ہے بلکہ دل کا اس سے کرب اور بے چینی کا اثر لینا مصیبت ہے۔ اس طرح بخار، لرزہ، ہیضہ، طاعون اور قحط و بلا مصیبت نہیں ہیں بلکہ دل کا ان سے گھبرانا اور مضطرب ہو جانا پریشانی یا مصیبت ہے۔

پس مصیبت خود ہماری دل کی کیفیت ہے۔ دنیا کے واقعات نہیں۔ اس لئے مصیبت کے خاتمے کی یہ تدبیر کبھی معقول اور کارگر نہیں ہو سکتی کہ دنیا کے حوادث مٹانے کی کوشش کی جائے۔ جب کہ حوادث زمانہ تو نہ خود مصیبت ہیں اور نہ ہی یہ ہمارے قبضہ میں ہیں۔

پھر ہم کیا کریں؟ اب ہمیں یہ کرنا ہے کہ ان حوادث کے پیش آنے پر قلبی تشویش و پراگندگی کا راستہ روک دیا جائے۔ اور ان سے بجائے خلاف طبع رنج و غم و تشویش کا اثر لینے کے انہیں طبیعت کے موافق بنا لیا جائے۔ جس سے دل ان سے گھٹنے کے بجائے سنبھلا رہے اور ان تمام معاملات کو مصیبت سمجھنے کی شان ہی نکل جائے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہیں۔ ذکر اور شکر میں لگے رہیں۔ آہستہ آہستہ یہی امور قلبی راحتوں کا ذریعہ بن جائیں گے اور زندگی میں سے پریشانیوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ پریشانیاں ختم نہیں ہوتیں۔ بس دل ان کا اثر لینا ختم کر دیتا ہے۔ توجہ اصل مالک کی طرف چلی جاتی ہے اور وقت نکل جائے گا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اصل چیز یاد حق ہے اور وہ ہے ذکر، ذکر کا مطلب یاد ہے اور جب ہم کسی بھی پریشانی میں اس کو یاد کرتے ہیں تو خیالات فاسدہ آہستہ آہستہ ہمارے دل سے نکلنے لگتے ہیں اور ہمیں پریشانی کی وجہ سے دل پر بار محسوس نہیں ہوتا۔ توجہ یاد کرنے والے کی طرف چلی جاتی ہے۔

آج کی دنیا زندگی کو پرسکون بنانے کے لئے حوادث زمانہ کو ختم کرنے کی فکر میں لگی ہوئی ہے اور چونکہ یہ ایک ناممکن کو ممکن بنانے کی کوشش ہے جو کبھی شرمندہ وقوع نہیں ہو سکتی۔ اس لئے جتنی جتنی یہ اوندھی تدابیر بڑھتی جائیں گی اتنی ہی دنیا کی زندگی میں ابتری اور بے چینی کا اضافہ ہوتا جائے گا اور کبھی پریشانیوں اور بے چینیوں کا خاتمہ نہیں ہو گا۔

پس دنیا کو بدلنے کا نام چین نہیں ہے بلکہ خود اپنے کو بدل دینے کا نام سکھ اور چین ہے۔ یعنی دنیا کو بدل ڈالنے کی کوشش بے کار ہو جائے گی۔ اپنی نظر کو ان حوادث سے ہٹا کر اس سرچشمہ کی طرف پھیر دیا جائے۔ جہاں سے بن بن کر یہ اسباب مصائب و آفات دنیا پر اتر رہے ہیں۔ اور وہ اللہ رب العزت کی ذات بابرکات ہے جس نے دنیا کو اپنی لامحدود حکمتوں سے بنایا اور اس میں راحت و الفت، نعمت و مصیبت، خطا و کرب، چین اور بے چینی دونوں کو سمو کر اس دنیا کی تعمیر کی۔ **اگر اس سے رشتہ محبت و عبودیت اور رابطہ تسلیم و رضا قائم کر لیں جس کا نام ایمان ہے اور ریاضت و مشق کو اپنا حال و جوہر بنا لیا جائے کہ اس کے ہر تصرف اور تقدیر پر اطمینان و اعتماد کلی میسر آ جائے تو یہ محبت ہی تلخ کو شیریں اور ناگوار کو خوش گوار بنا دے گی** جس سے قلب ان حوادث سے تشویش کا اثر نہ لے سکے گا جو مصیبت کی روح ہے۔ کیونکہ عاشق کے لئے محبوب کی طرف سے آئی ہوئی ہر چیز، محبوب اور لذیذ ہوتی ہے۔ وہ محبوب کی بھیجی ہوئی ہر چیز پر تکلیف کو اپنے حق میں راحت جانتا ہے کہ محبوب نے مجھے یاد تو کیا۔ وہ میری طرف متوجہ تو ہے یہ تصور ہی اس مصیبت کو اس کے لئے لذت اور راحت بنا دے گا اور مصیبت مصیبت نہ رہے گی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مصیبت نام ہے "خلاف طبع" کا ---اور خلاف طبع کو موافق طبع بنانے کے سوا کوئی صورت نہیں یعنی عالم کی طبیعت کو بدلنے کے بجائے (جو کسی کے بس کی بات نہیں) اپنی طبیعت کے بدلنے کی کوشش کی

جائے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنا رخ مصیبت سے پھیر کر بھیجنے والے کی طرف کر دیا جائے کہ نظر مصیبت پر نہ رہے بلکہ خالق کی بے پناہ عنایات اور بے پایاں حکمت اور تربیت پر پڑ جائے اور ظاہر ہے کہ یہ یقین بجز اللہ تعالیٰ کی ذات کو مانتے ہوئے اور اس کے ہر تصرف پر کلی اعتماد و اطمینان کئے بغیر میسر نہیں آ سکتا۔

اس لئے مصیبت کا خاتمہ (مایوسی نہیں) اللہ کے نام سے بھاگنے میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹنے میں ہے۔ اگر حوادثات سے بالاتر ہو کر خالق حوادث سے قلب کا تعلق قائم کر لیا جائے تو پھر خالق کائنات کی طرف سے علمی طور پر ان مصائب و آفات کی حکمتیں دل پر کھلیں گی۔ جس سے یہ مصائب معقول اور برمحل معلوم ہونے لگیں گے۔ اور ان سے اکتانے اور پریشان ہونے کی کوئی وجہ معقول نہ ہوگی۔ **قلب اگر عشق الٰہی کی سرشاری میں ہو پھر غم وحوادث وارد ہوں تو ان غموں اور حوادثات کا آنا منشاء محبوب محسوس ہوگا** اور ایسا انسان عملاً ان آفات و پریشانی کے آنے پر لذت اور سرشاری کا اثر اپنے دل پر محسوس کرے گا اور آخر کار اس روحانی لذت و سرشاری میں محو ہو کر اسے فرصت ہی نہیں ملے گی کہ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی ان آفات اور مصائب کی طرف توجہ یا دھیان کر سکے۔ اس لئے اس کے حق میں نعمت تو نعمت ہوگی ہی مصیبت اس سے بھی بڑھ کر نعمت اور لذت بن جائے گی اور زندگی سے مصائب اور پریشانیوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔

پس راحت حقیقتاً اسباب راحت میں نہیں بلکہ مسبب الاسباب سے سچے تعلق میں پنہاں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ راستے دو ہیں۔

1۔ایک مصائب سے دل تنگ کر کے اسباب کے راستے سے اس کا مقابلہ۔

2۔مسبب الاسباب کے عشق کے ذریعہ سے یعنی مصائب کو توجہ محبوب سمجھ کر ان پر دل سے راضی ہو جانا اور شیوہ تسلیم و رضا اختیار کرنا۔

پہلا راستہ بندگان عقل (فلاسفرز) نے اختیار کیا تو ایک لمحہ کے لئے بھی مصائب سے نجات نہ پا سکے نہ خود مطمئن ہوئے اور نہ کسی کو اطمینان دلا سکے بلکہ خود مبتلا ہو کر پوری دنیا کو مصائب و آفات قرار دے دیا۔ جس سے دنیا کا چین رخصت ہو گیا۔ اسباب راحت بڑھ گئے اور راحت رخصت ہو گئی۔

دوسرا راستہ بندگان خدا (انبیاء کرامؑ اور اولیا کرامؒ) نے اختیار کیا کہ حوادث عالم سے تنگ ہونے کے بجائے انہیں توجہ حق اور منشاء الٰہی سمجھ کر ذریعہ راحت قلب بنایا تو تشویش و پریشانی ان کے قلب کے آس پاس بھی نہ بھٹک سکی۔ خود بھی مطمئن رہے اور عالم میں بھی سکون اور اطمینان کی لہریں دوڑا دیں۔ اس لئے ان کی اور ان کے تابع رہنے والوں کی زندگیوں سے ہمیشہ کے لئے مصیبتوں کا خاتمہ ہو گیا اور خوشی و مسرت ان کی زندگیوں کا عنوان بن گئی۔

کسی نے حضرت موسیٰؑ سے سوال کیا کہ ''اے موسیٰؑ اگر آسمان کو کمان فرض کر لیا جائے اور مصائب و آفات کو اس کمان سے چلنے والے تیر شمار کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کو تیر انداز مانا جائے تو ان مصائب سے بچاؤ کی کیا صورت ہوگی''؟ اب اس سوال میں عقل اگر جواب دیتی تو اس کا جواب مایوسی کے سوا اور کچھ نہ ہوتا کیونکہ آدمی نہ آسمان کے دائرے سے باہر نکل سکتا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کے احاطہ سے باہر نکل سکتا ہے۔ اس لئے لامحالہ اسے مصائب کے تیر کھانے ہی پڑیں گے۔ بچاؤ کی کوئی صورت نہیں۔ لیکن انبیا فلاسفر نہیں ہوتے کہ محسوسات میں گھری ہوئی محدود عقل کا سہارا پکڑ کر اپنے علم و عمل کے راستے محدود کر لیں۔ ان کا تعلق خالق عقل سے ہوتا ہے جو کمالات اور تصرفات میں لامحدود ہے اور تعلق بھی محبت اور عشق کا ہوتا ہے۔ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا ''کہ مصائب کے تیروں سے بچنے کی بہت ہی آسان صورت یہ ہے کہ آدمی تیر انداز کے پہلو میں آ کر کھڑا ہو جائے نہ تیر لگے گا نہ اثر کرے گا۔ اور پہلو رب، ذکر اللہ اور یاد حق ہے۔

پس دنیا والوں کی یہ انتہائی غلطی ہے کہ انہوں نے اسباب راحت کو راحت اور اسباب مصیبت کو مصیبت سمجھ رکھا ہے اس لئے دنیا کو اسباب وسائل سے بھرنے پر تلے ہوئے ہیں جبکہ یہ راستے زندگی کی تشویشات اور بے چینیوں کا راستہ ہے۔ جس میں ایک لمحہ کے لئے بھی راحت میسر نہیں آ سکتی۔ وہ اس راہ سے جتنا بھی حصول راحت اور دفع مصائب کی جدوجہد کرتے رہیں گے اتنا ہی راحت سے دور اور قلبی سکون سے بعید (دور) ہوتے چلے جائیں گے۔ **پس حصول راحت کا راستہ صرف ایک ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اپنا معاملہ صاف اور رابطہ قوی کر لیا جائے۔ اور اس سچے محبوب کا سہارا پکڑ لیا جائے جسے چھوڑ کر ہم بہت آگے نکل گئے ہیں ورنہ زندگی میں پرسکون رہنے کا کوئی اور راستہ نہیں ہے نہ کبھی ہوا ہے اور نہ کبھی ہوگا۔**

اس لئے آج کی پریشان حال اور ابتر دنیا اگر فی الحقیقت ایک پرسکون اور خوش وخرم زندگی چاہتی ہے تو اپنا رخ بدلے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف توجہ دے اور اس کے بھیجے ہوئے مستند قانون (شریعت) کو اپنا کر عبودیت (بندگی) اختیار کرے کہ **اُس بارگاہ سے نہ کبھی کوئی مایوس لوٹا ہے نہ لوٹے گا۔ اور اس سے ناطہ توڑ کر اس سے کٹ کر نہ کبھی کوئی کامیاب ہوا ہے اور نہ ہوگا''۔**

ماہِ محرم

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک سورہ توبہ، آیت نمبر 36 میں مہینوں کی تعداد بارہ بیان فرمائی ہے۔ جس دن زمین و آسمان پیدا کئے ہیں۔ جن میں چار مہینے حرمت والے ہیں۔

حرمت والے مہینے: ۔ حرمت کا مطلب ہے ''وہ قابل احترام شے جس کی پامالی نا قابل برداشت ہو''۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''سال 12 مہینوں کا ہوتا ہے۔ ان میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں:

1۔ مُحَرَمْ　2۔ رَجَبْ　3۔ ذُوالقَعْدہ　4۔ ذُوالحَجّہ''۔ (بخاری شریف)

تمام انبیاء علیھم السلام کی شریعتیں اس پر متفق ہیں کہ ان چار مہینوں میں ہر عبادت کا ثواب زیادہ ہوتا ہے، اور ان میں کوئی گناہ کرے تو اس کا وبال اور عذاب بھی زیادہ ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "جس نے ذوالحج کے آخری دن اور محرم کے پہلے دن کا روزہ رکھا اس نے گویا گزشتہ سال کو روزوں میں ختم کیا (یعنی سال بھر کے روزے رکھے) اور آئندہ سال کو بھی روزوں سے شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے پچاس سال کے گناہوں کا اس روزے کو کفارہ بنا دیا"۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "ماہ رمضان کے بعد روزوں کا سب سے افضل مہینہ وہ ہے جسے ماہ محرم کہا جاتا ہے اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز ہے"۔ (صحیح مسلم، حدیث نمبر 2755، 2756)

ماہِ محرم: ۔ محرم اسلامی مہینوں میں سے پہلا مہینہ ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "رمضان کے بعد سب سے افضل روزے ماہِ محرم کے روزے ہیں، جو اللہ کا مہینہ ہے اور فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل نماز تہجد کی نماز ہے"۔ (صحیح مسلم: کتاب الصیام، باب فضل صوم المحرم/ مشکوٰۃ ص:۱۷۸)

حرمت کے مہینوں میں سے اللہ کے نزدیک محرم بھی ہے محرم کے مہینے میں عاشورہ کے دن کی بہت فضیلت ہے۔

حضرت عمرؓ نے عرض کیا" یا رسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) اللہ تعالیٰ نے عاشورہ کے روزہ ہمیں بڑی فضیلت عطا فرمائی ہے"۔ حضور پاک (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا "ہاں ایسا ہی ہے۔ کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ نے عرش و کرسی، ستاروں اور پہاڑوں کو پیدا فرمایا۔ لوح و قلم عاشورہ کے دن پیدا کیے گئے۔ حضرت جبرائیلؑ اور دوسرے ملائکہ کرام کو عاشورہ کے دن پیدا فرمایا۔ حضرت آدمؑ اور حضرت ابراہیمؑ عاشورہ کے دن پیدا ہوئے۔ اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو نار نمرود سے عاشورہ کے دن نجات بخشی۔ حضرت ادریسؑ کو عاشورہ کے دن آسمان پر اٹھایا گیا۔ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش عاشورہ کے دن ہوئی۔ حضرت آدمؑ کی توبہ عاشورہ کے دن قبول ہوئی۔ حضرت داؤدؑ کا گناہ اسی دن بخشا گیا۔ خود باری تعالیٰ عاشورہ کے دن عرش پر متمکن ہوا۔ قیامت عاشورہ کے دن ہوگی۔ آسمان سے پہلی بارش عاشورہ کے دن ہوئی۔ جس دن آسمان سے پہلی مرتبہ زمین پر رحمت نازل ہوئی وہ عاشورہ کا دن تھا"۔

ماہِ محرم کی فضیلت اور اس کی وجوہات:۔

یوم عاشوراء کے ساتھ ساتھ شریعت مطہرہ میں محرم کے پورے ہی مہینے کو خصوصی عظمت حاصل ہے؛ چنانچہ چار وجوہ سے اس ماہ کو تقدس حاصل ہے:

(۱) پہلی وجہ تو یہ ہے کہ احادیث شریفہ میں اس ماہ کی فضیلت وارد ہوئی ہے؛ چنانچہ حضرت علیؓ سے کسی شخص نے سوال کیا کہ "ماہ رمضان المبارک کے بعد کون سے مہینہ کے میں روزے رکھوں"؟ تو حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ "یہی سوال ایک دفعہ ایک شخص نے نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) سے بھی کیا تھا، اور میں آپ کے پاس بیٹھا تھا، تو آپ نے جواب دیا تھا کہ "ماہ رمضان کے بعد اگر تم کو روزہ رکھنا ہے تو ماہِ محرم میں رکھو؛ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ (کی خاص رحمت) کا مہینہ ہے، اس میں ایک ایسا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی توبہ قبول فرمائی اور آئندہ بھی ایک قوم کی توبہ اس دن قبول فرمائے گا"۔ (ترمذی ۱/ ۱۵۷)

اسی طرح ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) نے ارشاد فرمایا: "جو شخص محرم کے ایک دن میں روزہ رکھے تو اس کو ہر دن کے روزہ کے بدلہ تیس دن روزہ رکھنے کا ثواب ملے گا"۔ (الترغیب والترہیب ۲/ ۱۱۴)

(۲) مندرجہ بالا احادیث شریفہ سے دوسری وجہ یہ معلوم ہوئی کہ یہ "شھرُ اللہ" ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتوں کا مہینہ ہے تو اس ماہ کی اضافت اللہ کی طرف کرنے سے اس کی خصوصی عظمت و فضیلت ثابت ہوئی۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ مہینہ "اشہر حرم" یعنی ان چار مہینوں میں سے ہے کہ جن کو دوسرے مہینوں پر ایک خاص مقام حاصل ہے، وہ چار مہینے یہ ہیں:

(۱) ذی قعدہ (۲) ذی الحجہ (۳) محرم الحرام (۴) رجب (بخاری شریف ۱/ ۲۳۴، مسلم ۲/ ۶۰)

(۴) چوتھی وجہ یہ کہ اسلامی سال کی ابتداء اسی مہینے سے ہے؛ چنانچہ امام غزالی لکھتے ہیں کہ "ماہِ محرم میں روزوں کی فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ اس مہینے سے سال کا آغاز ہوتا ہے؛ اس لیے اسے نیکیوں سے معمور کرنا چاہیے، اور اللہ عزوجل سے یہ توقع رکھنی چاہیے کہ وہ ان روزوں کی برکت پورے سال رکھے گا"۔ (احیاء العلوم اردو ا/ ۶۰۱)

شہادت حضرت عمر بن خطابؓ (پہلی محرم):-

پہلی محرم اسلامی سال کی پہلی شہادت کا دن ہے۔ نبی دو جہاں حضرت محمد مصطفی (خاتم النبیین ﷺ) فرماتے ہیں کہ "عمر وہ پہلے شخص ہوں گے جسے اللہ رب ذو الجلال مصافحہ فرمائے گا اور ہاتھ پکڑ کر جنت میں داخل فرمائے گا"۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 104)

ذی الحجہ 23 ہجری 644ء کے آخری ایام تھے۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کا گیارہواں سال تھا، آپؓ حسب معمول اس مرتبہ بھی خود امیر حج بن کر مکہ معظّمہ تشریف لائے۔ منیٰ سے واپسی پر تو الابطح میں اپنا اونٹ بٹھایا، سنگریزے جمع کر کے ایک چبوترے پر اپنی چادر ڈال کر لیٹ گئے، پھر اپنا ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے فرمایا:

''اے اللہ میری عمر زیادہ ہوگئی ہے، ہڈیاں کمزور ہوگئیں ہیں، قوت کم ہوگئی ہے، رعیت بڑھ گئی ہے، بغیر عاجز ہوئے اور بغیر نشانہ ملامت بنے، تو مجھے اپنے پاس اٹھا لے'

اللہ تعالیٰ نے اپنے مخلص بندے کی دعا سن لی۔ اس بندے کے سوا کوئی دنیا دار حکمران ہوتا تو طوالت عمر کی دعا کرتا۔ حج سے واپسی پر آپؓ نے مسجد نبوی (خاتم النبیین ﷺ) میں خطبہ دیا اور فرمایا کہ ''میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ سرخ مرغ نے مجھے دو ٹھونگیں ماری ہیں اس کی تعبیر میں نے یہی سمجھی ہے کہ کوئی عجمی مجھے عنقریب قتل کر دے گا۔ اے لوگو تم پر احکام فرض کر دیئے گئے ہیں۔ تمہارے لیے قانونِ حیات مرتب کر دیا گیا ہے۔ اے اللہ میں تمام شہروں کے حکام پر تجھے گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انہیں دین اور سنت کی تعلیم کے لیے مقرر کیا تھا اور یہ کہ وہ لوگوں کے ساتھ عمدہ انصاف کے ساتھ پیش آئیں اور کوئی مشکل پیش ہو تو میرے سامنے پیش کر دیں''۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دور میں مرتدین عرب دوبارہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے لیکن اہل کتاب عرب عیسائیوں اور یہودیوں پر توجہ کرنے کی انہیں مہلت نہ ملی۔ عہد فاروق میں انہیں شام و عراق سے باہر آباد کر دیا گیا تھا لیکن روم ایران کی فتوحات کے نتیجہ میں عیسائی اور مجوسی غلام بن کر مدینے پہنچنے لگے۔ حضرت عمرؓ کو یہ پسند نہیں تھا لیکن جہاد سے واپس آنے والے مجاہدین ایسی لونڈیاں اور غلام اپنے ساتھ مدینے میں لے آتے اور رفتہ رفتہ ان کی ایک اچھی خاصی جمعیت پیدا ہوگئی۔ ان عجمیوں میں سب سے بڑی شخصیت سابق گورنر ہرمزان کی تھی جو مسلمان ہو کر مدینے میں مقیم تھا اور ایرانیت کے ناطے عجمیوں کا مرجع۔ یہ عجمیوں کا سردار بن گیا۔ یہ عجمی غلام آپس میں ملتے، اسلام کی فتوحات اور غلبہ پر کڑھتے اور آپس میں صلاح مشورہ کرتے۔ اس لیے ان میں سے اکثر کے دلوں میں حضرت عمر فاروقؓ کے لیے نفرت کے جذبات موجود تھے۔ ان کا غم و غصہ بالآخر خلیفہ ثانی کی شہادت کا باعث بن گیا۔

ایران کے آخری فیصلہ کن معرکہ نہاوند میں ایک ایرانی الاصل شخص فیروز (جو مدینے میں آنے کے بعد کنیت کے حوالے سے ابو لولو فیروز کہلایا- گرفتار ہو کر حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کی غلامی میں آیا۔ وہ ایک ماہر فن کار اور ہنر مند انسان تھا۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے اسے اس شرط پر آزادی سے اپنا پیشہ ورانہ سرگرمیاں جاری رکھنے کے لیے کہہ دیا تھا کہ وہ روزانہ 2 درہم انہیں ادا کرے گا۔ اسے یہ اجازت تو مل گئی لیکن اسے یہ 2 درہم روزانہ ادا کرنے بار گزرا کرتے تھے۔ اس نے فاروق اعظمؓ سے مقررہ رقم کم کرنے کی شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے ابو لولو سے پوچھا ''مغیرہ تم سے کتنی رقم وصول کرتا ہے''؟ اس نے جواب دیا ''2 درہم روزانہ'' انہوں نے پوچھا ''تم کیا کام کرنا جانتے ہو'' آہنگری، نجاری، نقاشی'' حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا، تمہارے ان ہنر مندانہ پیشوں کو دیکھتے ہوئے 2 درہم روزانہ زیادہ معلوم نہیں ہوتے۔ فیروز جانے کے لیے مڑا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا ''میں نے سنا ہے تم ہوائی چکیاں بھی بناتے ہو۔ میرے لیے بھی ایک چکی بنا دو۔ میں تمہیں قیمت ادا کروں گا؟'' ابو لولو فیروز نے جواب دیا میں آپؓ کے لیے ایسی چکی بناؤں گا کہ دنیا دیکھے گی اور مشرق اور مغرب میں اس کی شہرت ہوگی۔ حضرت عمرؓ نے حاضرین سے فرمایا ''اس شخص نے مجھے قتل کی دھمکی دی ہے'' یہ گفتگو 25 ذی الحجہ کو منگل کے دن ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے اگرچہ ابو لولو سے وعدہ نہیں کیا تھا تاہم انہوں نے امام بخاریؒ کی روایت کے مطابق اس کے مالک مغیرہ بن شعبہؓ سے رقم کم کرنے کی سفارش کر دی تھی۔

26 ذی الحجہ کو منہ اندھیرے حضرت عمرؓ مسجد نبوی میں نماز فجر کی امامت کرنے کے لیے کھڑے ہوئے اور ابھی تکبیر ہی کہی تھی کہ ابو لولو نمازیوں کی صفوں کو چیرتا ہوا نکلا اور دو دھاری خنجر سے امیر المومنین حضرت عمرؓ پر چھ وار کیے۔ ایک وار ناف کے نیچے کیا جس سے آنتیں کٹ گئیں، **حقیقت یہ ہے کہ ابو لولو کا خنجر حضرت عمرؓ کے**

سینے کو نہیں، کائنات کے سینے کو چیر گیا۔ خلیفہ ثانی کے عین پیچھے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کھڑے تھے، حضرت عمرؓ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ پر آگے کر دیا اور خود زخموں کی تاب نہ لاکر مسجد کے فرش پر گر گئے اور فرمایا ''ایک کتے نے مجھے قتل کر دیا ہے اسے پکڑو''۔

حضرت ابن عوفؓ نے دو مختصر سورتیں، عصر اور کوثر کی تلاوت کے ساتھ لوگوں کو اس حالت میں نماز پڑھائی کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ مرغ بسمل کی طرح زمین پر تڑپ رہے تھے، اور نمازی مضطرب اور بدحواس تھے مگر ابولولو فیروز دائیں بائیں خنجر چلاتا، نمازیوں کو زخمی کرتا نکلتا چلا گیا۔ آخر ایک مسلمان نے اس پر اپنی موٹی چادر ڈال کر اس پر قابو پایا۔ اس پر فیروز نے اسی خنجر سے خودکشی کر لی۔ اس نے 13 نمازیوں کو زخمی کیا، ان میں 9 شہید ہو گئے تھے۔

حضرت عمرؓ پر غشی طاری ہوگئی، لوگ انہیں اٹھا کر گھر لے آئے، فاروق اعظمؓ کو ہوش آیا تو سب سے پہلے پوچھا "کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی تھی"؟ اس پر حاضرین نے جواب دیا "جی ہاں"، آپؓ نے فرمایا، "جس نے نماز چھوڑ دی وہ مسلمان نہیں" پھر پوچھا" مجھ پر حملہ کس نے کیا تھا"؟ حاضرین نے بتایا "ابولولو فیروز نے"۔ جب آپؓ کو معلوم ہوا کہ قاتل حملہ آور ابولولو فیروز تھا تو اللہ کا شکر ادا کیا کہ میرا قاتل اسلام کا دعویدار نہیں تھا، پھر آپؓ نے فرمایا کہ ''لوگ چاہتے ہیں کہ مدینے میں غلاموں اور لونڈیوں کی کثرت ہو یہ اسی کا نتیجہ ہے''۔

وفات کے وقت حضرت عمرؓ کا سر ان کے بیٹے حضرت عبداللہؓ کی رانوں پر تھا اور وہ وصیت سن رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا "میرا سر زمین پر رکھ دو"۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا "میرے رانوں اور زمین میں کیا فرق ہے"؟ حضرت عمرؓ نے پھر کہا "میرا سر زمین پر رکھ دو۔ شاید اللہ مجھ پر مہربان ہو جائے اور رحم کرے"۔ حضرت عمرؓ نے اپنے جانشین کے لیے ایک مجلس شوریٰ مقرر کر دی۔ بخاری شریف میں درج ہے کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کے فوت ہونے کے بعد ان کے گھر میں تشریف لائے اور حضرت عمر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا ''اے عمرؓ اللہ تم پر رحم کرے تم نے اپنے بعد کوئی ایسا شخص نہیں چھوڑا جس کے اعمال پر میں رشک کر کے ویسا ہی بننے کی کوشش کروں۔ اللہ کی قسم مجھے یہی گمان غالب ہے کہ اللہ تمہیں تمہارے دونوں ساتھیوں کے ساتھ قبر اور بہشت میں رکھے گا۔ کیونکہ میں نے اکثر رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کو یہ فرماتے سنا۔ "میں گیا اور ابوبکرؓ اور عمرؓ (ساتھ تھے) اندر داخل ہوا اور ابوبکرؓ اور عمرؓ (بھی اندر داخل ہوئے) میں باہر نکلا اور ابوبکرؓ اور عمرؓ (بھی میرے ساتھ نکلے)"۔

اس سے واضح ہوا کہ نہ صرف رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ بلکہ حضرت علیؓ بھی اپنے بھائیوں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا کتنا احترام کرتے تھے۔

شان عمر کے کیا کہنے:-

حضرت عمرؓ وہ پہلی شخصیت ہیں کہ جنہیں امیر المومنین سے موسوم کیا گیا۔ جنہوں نے تاریخ وسن ہجری جاری کیا۔ جنہوں نے نماز تراویح پر امت کو جمع کیا۔ جنہوں نے لوگوں کے حالات کی خبر رکھنے کے لیے راتوں کو گشت کیا۔ جنہوں نے بے جا مذمت کرنے والوں پر حد جاری فرمائیں۔ جنہوں نے شرابی پر اسی کوڑے لگوائے۔ جنہوں نے نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہنے کا حکم دیا۔ جنہوں نے دفاتر قائم کیے، وزارت مقرر کی۔ جنہوں نے سب سے زیادہ فتوحات حاصل کیں۔ جنہوں نے صدقہ کا مال اسلامی امور میں خرچ کرنے سے روکا۔ جنہوں نے ترکہ کے مقررہ حصوں پر تقسیم کا نفاذ فرمایا۔ جنہوں نے گھوڑوں پر زکوۃ مقرر کی۔ جنہوں نے استثنی ملنے کے خوف سے اپنے رشتہ داروں کے لئے دگنی سزائیں مقرر فرمائی۔ جنہوں نے شہروں میں قاضی مقرر کیے۔ آپ نے کوفہ، بصرہ، جزیرہ، شام، مصر اور موصل کے شہر آباد کیے۔ آپ ہی نے مقام ابراہیم کو اس جگہ قائم فرمایا جہاں وہ آج ہے۔ آپ نے مسجد نبوی کی توسیع کی اور اس میں ٹاٹ کا فرش بچھایا۔ آپ نے مسجد میں قندیل روشن کرنے کا رواج عام کیا۔ آپ نے عشر وخراج کا نظام نافذ کیا۔ جیل خانہ مقرر کیا اور جلاوطنی کی سزا متعارف کروائیں۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کسی کو گورنر یا حاکم مقرر کرنے سے پہلے یہ عہد لیتے تھے کہ وہ اعلیٰ گھوڑوں پر سوار نہیں ہوں گے، باریک کپڑے نہیں پہنے جائیں گے، چھنا ہوا آٹا نہیں کھائیں گے، ذاتی خدمت کے لئے نوکر چاکر نہیں رکھیں گے، ضرورت مندوں سے ہمیشہ ملیں گے۔

قانون، پولیس کا بہترین نظام اور departments کا زبردست کام سیدنا عمر فاروقؓ کی مرہون منت ہے۔ عمر فاروقؓ کی شہادت کے آٹھ سو سال بعد تک حکمرانوں کو پہلے حضرت عمرؓ کا نظام عدالت، نظامت، سیاست، طرز حکومت سکھایا، پڑھایا جاتا اور پھر ان سے پوچھا جاتا اور پھر حاکم وقت قبول کیا جاتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی وہ پہلی شخصیت ہیں جو عوام کے سامنے اپنے تمام اثاثے عیاں رکھتے تھے۔ اپنی کابینہ پر چیک رکھنے کے لیے طویل سفر کیا کرتے تھے۔

اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ ہمیں، ہمارے حکمرانوں کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہما اور اہل بیت اطہار کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

یوم عاشورہ کے روزہ کا ثواب:-

حضرت ابوقتادہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے عاشورہ کے روزے کے بارے میں پوچھا گیا تو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "یہ روزہ گزشتہ سال کے گناہوں اور کوتاہیوں کا کفارہ کرتا ہے"۔ (مسلم، مسند احمد، ابوداؤد)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا "روزہ کے سلسلے میں کسی بھی دن کو کسی دن پر فضیلت حاصل نہیں؛ مگر ماہِ رمضان المبارک کو اور یوم عاشورہ کو (کہ ان کو دوسرے دنوں پر فضیلت حاصل ہے)"۔ (رواہ الطبرانی والبیہقی، الترغیب والترہیب ۲،۱۱۵)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے "رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو آپ نے یہودیوں کو عاشورہ کے دن روزہ رکھتے ہوئے پایا تو رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے ان سے فرمایا "اس دن کی کیا وجہ ہے"؟ تو وہ کہنے لگے "یہ وہ عظیم دن ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات عطا فرمائی اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق فرمایا چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکرانے کا روزہ رکھا اس لئے ہم بھی روزہ رکھتے ہیں"، تو رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "ہم زیادہ حق دار ہیں اور تم سے زیادہ موسیٰ علیہ السلام کے قریب ہیں"۔ تو رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے بھی عاشورہ کے دن روزہ رکھا اور اپنے صحابہ رضوان اللہ عنھم اجمعین کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا"۔ (متفق علیہ)

عاشورہ کے دن کرنے والے کاموں کا اجر وثواب:- ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ ''جس نے عاشورہ کا روزہ رکھا اس کو ساٹھ برس عبادت کا ثواب ملے گا۔ جس نے عاشورہ کا روزہ رکھا اس کو ہزار شہیدوں کا ثواب ملے گا۔ جس نے عاشورہ کا روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اُس کے لئے ساتوں آسمانوں کے فرشتوں کی عبادت کا ثواب لکھتا ہے۔ جس نے عاشورہ کے دن کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا (یعنی اس سے ہمدردی کی) تو یتیم کے سر کے ہر بال کے عوض جنت میں اس کا مرتبہ کیا جائے گا۔ جس نے عاشورہ کے دن غسل کیا، پورے سال مرض الموت کے سوا کسی بیماری میں مبتلا نہ ہوگا۔ جس نے عاشورہ کے دن پتھر کا سُرمہ آنکھوں میں لگایا تمام سال اس کو آشوب چشم نہ ہوگا۔ جس نے عاشورہ کے دن کسی کی عیادت کی گویا اس نے تمام اولادِ آدم کی عیادت کی۔ جس نے عاشورہ کے دن کسی کو ایک گھونٹ پانی پلایا گویا اس نے ایک لمحہ کو بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی''۔ (غنیۃ الطالبین، ج2، ص53)

یوم عاشورہ کی نفلی عبادات:۔

1۔ جو شخص عاشورہ کے دن (دس محرم کو) چار رکعت نماز اس طرح ادا کرے کہ ہر رکعت میں ایک بار سورۃ فاتحہ اور پچاس بار سورۃ اخلاص پڑھے۔ اللہ تعالیٰ اس کے پچاس برس گذشتہ اور آنے والے پچاس برس کے گناہ بخش دیتا ہے۔ اور اپنے پاس اپنی جنت میں اُس کے لئے ایک ہزار نورانی محل بنانے کا حکم دیتا ہے۔

2۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جو شخص عاشورہ کے دن چار رکعتیں اس طرح ادا کرے کہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ زلزال، کافرون، اور اخلاص ایک بار پڑھے اور بعد سلام ستّر مرتبہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو درود شریف کا ہدیہ بھیجے، تو اللہ تعالیٰ اس کے پچاس برس گذشتہ اور آنے والے پچاس برس کے گناہ بخش دیتا ہے۔

3۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ ''بنی اسرائیل پر سال میں ایک دن کا روزہ فرض کیا گیا تھا اور وہ محرم کی دس تاریخ یعنی یوم عاشورہ کا روزہ تھا۔ اس دن تم بھی روزہ رکھو اور اپنے گھر والوں پر فراخی کرو، جو شخص عاشورہ کے دن اپنے گھر والوں پر اپنے مال میں سے فراخی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے پورے سال فراخی عطا کرتا ہے۔ اور جو شخص اُس دن روزہ رکھتا ہے وہ روزہ اس کے چالیس سال کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔ اور جو شخص عاشورہ کی رات (9 محرم کی رات) عبادت کرے اور دن کا روزہ رکھے یعنی دس محرم عاشورہ کا۔ تو اُسے موت اس طرح آئے گی کہ اُسے اپنی موت کا احساس تک نہ ہوگا (یعنی نزع کے وقت کی سختی اس پر سے ختم کردی جائے گی)"۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "جو شخص عاشورہ کی رات کو (عبادت کے ذریعے) زندہ رکھے۔ وہ جب تک چاہے اللہ تعالیٰ اُس کو زندہ رکھے گا''۔ (غنیۃ الطالبین)

4۔ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''جو شخص عاشورہ کے دن اپنے اہل وعیال کو کشادہ کھانا دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو کشادہ رزق فراہم کرتا ہے۔ (معجم اوسط، ج6، ص432، حدیث:9302)

5- آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "جو شخص یومِ عاشورا اِثمِد سرمہ آنکھوں میں لگائے تو اسکی آنکھیں کبھی بھی نہ دکھیں گی (شعب الایمان ج3، حدیث 3797)

حضرت عروہؓ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؓ فرماتی ہیں "قریش دورِ جاہلیت میں عاشورہ کے روزہ رکھتے تھے۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ بھی

مکہ مکرمہ میں اس دن کا روزہ رکھا کرتے تھے جب آپ خاتم النبیین ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو رمضان المبارک کے روزے فرض ہو گئے، پس جو چاہے عاشورہ کا روزہ رکھے اور جو چاہے چھوڑ دے"۔

یوم عاشورہ کی وجہ تسمیہ:-

اکثر علماء کا قول ہے کہ چونکہ یہ محرم کا دسواں دن ہے اس لئے اس کو عاشورہ کہا گیا۔ بعض کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بزرگیاں دنوں کے اعتبار سے اُمت محمدی خاتم النبیین ﷺ کو عطا فرمائی ہیں، اس میں یہ دن دسویں بزرگی ہے، اسی مناسبت سے اس کو عاشورہ کہتے ہیں۔

پہلی بزرگی ماہ رجب کی ہے، یہ اللہ کا ماہ حرم ہے، باقی مہینوں پر رجب کو ایسی فضیلت حاصل ہے جیسے اُمت محمدیہ خاتم النبیین ﷺ کی فضیلت دوسری اُمتوں پر۔

دوسری بزرگی ماہ شعبان کی ہے، ماہ شعبان کی فضیلت باقی مہینوں پر ایسی ہے جیسے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی فضیلت دوسرے انبیاء اکرامؑ پر۔

تیسری بزرگی ماہ رمضان کی ہے، اس کی فضیلت باقی مہینوں پر ایسی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی فضیلت تمام مخلوق پر۔ چوتھی بزرگی شب قدر کی ہے، یہ ہزار مہینوں کی عبادت سے زیادہ ہے۔ پانچویں بزرگی عید الفطر کے دن کی ہے یہ روزوں کی جزا ملنے کا دن ہے۔ چھٹی بزرگی عشرہ ذی الحجہ کی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی یاد کے بابرکت دن ہیں۔ ساتویں بزرگی عرفے کا دن ہے، اس دن کا روزہ دو سال کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ آٹھویں بزرگی یوم نحر (قربانی کا دن ہے) یہ بے حد ثواب کا دن ہے۔ نویں بزرگی جمعہ کا دن ہے، اور دسویں بزرگی عاشورہ کا دن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُمت محمدی خاتم النبیین ﷺ کی عمریں کم ہونے کی وجہ سے انہیں دس چیزیں عطا فرمائیں یعنی چار ماہ، تین دن، اور تین راتیں ایسی عطا فرمائی ہیں جن میں عبادت کرنے کا ثواب عام ماہ، عام دنوں اور عام راتوں سے ہزار گنا زیادہ ہے۔

☆ مہینوں میں محرم، رجب، ذی قعدہ اور ذی الحج　☆ دنوں میں یوم عرفہ، یوم عاشورہ، جمعہ کا دن　☆ راتوں میں شب معراج، شب برات، شب قدر۔

شہادت امام حسینؓ (یوم عاشورہ):-

تاریخ اسلام میں بے شمار شہادتیں ہوئیں ہیں ہر شہادت میں اسلام کی بقا و دوام، حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کے دین اور آپ خاتم النبیین ﷺ کی سنت مبارکہ کی حیات جاوداں کا راز پوشیدہ ہے۔ لیکن شہادت امام حسینؓ کا واقعہ کئی اعتبار سے دیگر تمام شہادتوں سے مختلف اور منفرد ہے۔ اس کی انفرادیت کی ایک وجہ یہ ہے کہ آپؓ خانوادہ رسول خاتم النبیین ﷺ کے چشم و چراغ تھے اور ایسے چشم و چراغ کہ جنھوں نے براہ راست حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی گود میں پرورش پائی۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کے مبارک کندھوں پر سواری کی آپ خاتم النبیین ﷺ کے لعاب دہن کو اپنی غذا بنایا اور جنہیں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا بیٹا ہونے کا شرف حاصل تھا۔

حضرت علیؓ کی خلافت کے ساتھ ہی ملک شام میں حضرت امیر معاویہؓ نے اپنی آزاد حکومت کا اعلان کر دیا تھا اور حضرت علیؓ کو خلیفہ تسلیم نہیں کیا تھا۔ حضرت علیؓ نے اپنے دور میں تخت خلافت مدینہ طیبہ سے منتقل کر کے کوفہ میں قائم کر لیا تھا۔ حضرت علیؓ نے جب اپنی خلافت کا مرکز کوفہ کو قرار دیا تو وہ لوگ جو خود کو شعیان علی (حضرت علیؓ کا گروہ) کہلانے والے تھے اطراف عالم سے سمٹ سمٹ کر حضرت علیؓ کے قرب کے خیال سے کوفہ میں جمع ہونے لگے۔ اس طرح کوفہ شیعان علیؓ (حضرت علیؓ کے گروہ) کا مرکز بن گیا۔ اس دور میں چار جماعتیں وجود میں آئیں۔

1- حضرت علیؓ کی حمایت کرنے والے شیعان علیؓ کا گروہ

2- بنو امیہ کی حمایت کرنے والا طبقہ

3- حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کی مخالفت کرنے والا طبقہ خوارج

4- کثیر صحابہ اور تابعین جو حضرت علیؓ کو برحق جانتے تھے لیکن حضرت معاویہؓ کے بارے میں بھی خاموش تھے۔

یزید کی تخت نشینی کے بعد اس کے لئے سب سے اہم اور بڑا مسئلہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت امام حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی بیعت کا تھا۔ کیونکہ ان حضرات نے یزید کی ولی عہدی کو قبول نہیں کیا تھا۔ اس لئے یزید نے تخت نشین ہوتے ہی مدینے کے گورنر ولید بن عقبہ کو حضرت امیر معاویہؓ کی وفات کی خبر بھیجی اور ساتھ ہی یہ حکم نامہ بھی بھیجا کہ ''حضرت امام حسینؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے میرے حق میں بیعت لو اور جب تک وہ میری بیعت نہ کریں انہیں ہرگز نہ چھوڑو''۔

ولید بن عقبہ ایک رحم دل اور خاندان نبوت کی تعظیم واحترام کرنے والا گورنر تھا۔ وہ یزید کے اس حکم سے گھبرا گیا۔ اُس نے امام حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو بلانے کے لیے قاصد بھیجا۔ حضرت امام حسینؓ ولید کے پاس پہنچے۔ ولید نے آپ کو امیر معاویہؓ کے وفات پاجانے کی خبر سنائی اور یزید کی بیعت کے لئے کہا۔ آپؓ نے تعزیت کے بعد فرمایا ''میرے جیسا آدمی اس طرح چھپ کر بیعت نہیں کرسکتا اور نہ ہی میرے لیے اس طرح چھپ کر بیعت کرنا مناسب ہوگا اگر آپ باہر نکل کر عام لوگوں کے ساتھ ہمیں بھی بیعت کرنے کی دعوت دیں تو یہ ایک مناسب بات ہے "۔ ولید ایک امن پسند آدمی تھا اس نے کہا" اچھا آپؓ تشریف لے جائیں"۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ولید کے پاس نہ گئے اور مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے مکہ روانہ ہونے کے ایک رات بعد حضرت امام حسینؓ نے بھی مدینہ سے مکہ منتقل ہو جانے کا ارادہ فرمایا۔ گھر والوں کو تیاری کا حکم دیا اور مسجد نبوی ﷺ میں حاضری دی اور اپنے نانا کے حضور حاضری میں آپ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہو گئے۔ مدینہ منورہ میں آپؓ نے بچپن گزارا تھا یہاں سے دوری آپؓ کے لئے بڑی سوہان روح تھی۔ جب آپ مکہ مکرمہ پہنچے تو اس وقت تک عبداللہ بن زبیرؓ مکہ میں اپنے کئی حامیوں کو تیار کر چکے تھے۔

یزید نے رمضان 60 ہجری میں ولید بن عقبہ کو معزول کر دیا اور ان کی جگہ عمرو بن سعد کو مدینے کا گورنر مقرر کیا۔ عمرو بن سعد نے اور ایک روایت کے مطابق خود یزید نے مکہ مکرمہ کا محاصرہ کر لیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو گرفتار کرنے کے لئے دو ہزار سپاہیوں کا لشکر مکہ آیا۔ مکہ مکرمہ کا محاصرہ کیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مؤثر دفاع کیا۔ یزید کے لشکر کا سپہ سالار مارا گیا اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو فتح ہوئی۔ حضرت امام حسینؓ اس معرکے میں حرم کعبہ کی وجہ سے شریک نہ ہوئے اور الگ تھلگ رہے۔

حضرت علیؓ نے کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا تھا۔ کوفہ میں تمام حضرت علیؓ کے شیعہ اور محب موجود تھے۔ ان تمام لوگوں کو معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے پہلا معرکہ جیت لیا ہے۔ کوفہ کے لوگوں نے حضرت امام حسینؓ کو بار بار خطوط بھیجے کہ " آپؓ کوفہ تشریف لے آئیں یہاں پر تمام مومنین شیعوں کے اموال اور گردنیں آپؓ کے لئے حاضر ہیں۔ آپؓ کے سوا ہمارا کوئی پیشوا اور امام نہیں۔

حضرت امام حسینؓ کے پاس جب یہ خطوط پہنچے تو آپ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے جہاد کرنا اپنا فرض سمجھا۔ جبکہ حضرت عبداللہؓ بن عباس آپ کے دیگر عزیز واقارب اور کئی جلیل القدر صحابہ اور تابعین نے آپ کی خدمت میں درخواست کی۔ " حضرت آپؓ کوفہ تشریف نہ لے جائیں"۔ حضرت امام حسینؓ نے جواب دیا ''میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیشی کے وقت اس سوال سے ڈرتا ہوں کہ تجھے دعوت حق ایسے وقت میں دی گئی تھی جب ظلم اور بربریت کا بازار گرم تھا۔ سنت نبوی خاتم النبیین ﷺ کے خلاف سرکشی ہو رہی تھی۔ لوگوں کے حقوق سلب ہو رہے تھے۔ حسین اس وقت تو نے اس بغاوت کے خلاف جہاد کا علم بلند کیوں نہ کیا؟ میں اس وقت میں کیا جواب دوں گا "؟ بہر حال یہ حالات تھے۔ اس کے بعد حضرت امام حسینؓ نے اپنے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیلؓ کو کوفہ کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے روانہ کر دیا۔

حضرت مسلم بن عقیلؓ اپنے ساتھیوں اور بیٹوں محمد اور ابراہیم کو ساتھ لے کر کوفہ پہنچے تو شعیان علی نے آپؓ کا شاندار استقبال کیا اور جوق در جوق آپؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے۔ آپؓ نے لوگوں کا شوق عقیدت دیکھ کر حضرت امام حسینؓ کو لکھ دیا کہ حالات دعوت حق اور امر بالمعروف کے لئے سازگار ہیں۔ آپؓ بلا تامل اور بلا جھجک تشریف لے آئیں۔ اس وقت کوفہ کا گورنر نعمان بن بشیر تھا۔ جب یزیدی حکومت کے حامیوں نے یہ دیکھا کہ کوفہ شہر یزید کی حکومت سے نکلا جا رہا ہے تو وہ نعمان بن بشیر کے پاس آئے اور مسلم بن عقیلؓ اور ان کے حامیوں کو ختم کرنے کا مشورہ دیا۔ نعمان بن بشیر نے کہا" میرے ساتھ جو جنگ نہیں کرے گا میں اس کے ساتھ جنگ نہیں کروں گا"۔ یزید کے حامیوں نے یہ اطلاع یزید کو پہنچائی۔ اس پر یزید نے نعمان بن بشیر کی جگہ ابن زیاد (جو کہ بصرہ کا گورنر تھا) کو کوفہ کا گورنر بھی مقرر کر دیا اور حکم دیا" مسلم بن عقیلؓ اور ان کے تمام ساتھیوں کو قتل کر دو یا جلاوطن کر دو"۔ (ابن کثیر)

ابن زیاد نے کوفہ کے سرکردہ لوگوں کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ لوگ خوف زدہ ہو گئے۔ مسلم بن عقیلؓ اور ان کے دونوں بیٹوں کو شہید کر دیا گیا۔

امام عالی مقام نے کوفہ جانے کا عزم کر لیا تھا۔ کوفہ میں جو انقلاب برپا ہو چکا تھا اس سے آپؓ بے خبر تھے۔ قافلہ حسینی کوفہ کے حالات سے بے خبر کوفہ کی جانب رواں دواں تھا جب یہ قافلہ ''ثعلبیہ " کے مقام پر پہنچا تو حضرت امام حسینؓ کو مسلم بن عقیلؓ اور اور ان کے دونوں بیٹوں کی شہادت کی خبر ملی۔

حضرت امام حسینؓ نے اپنا سفر جاری رکھا اور جب آپؓ ''کوہ ذی حشم" کے مقام پر پہنچے تو حر بن یزید تمیمی جو کہ حکم یزید کی طرف سے آپؓ کو گرفتار کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا ایک ہزار مسلح سواروں کے ساتھ پہنچ گیا اور آپؓ کے مقابل آ کر کھڑا ہو گیا۔ ظہر اور عصر کی نمازیں حر اور اس کے لشکر نے امام حسینؓ کی اقتداء میں ہی ادا کیں۔ حضرت

امام حسینؓ نے قافلے کو کوچ کا حکم دیا اور غدیب اور قادسیہ جانے والے راستے سے بائیں جانب کو ہولیے (ابن اثیر۔العبدایہ والنھایہ) حر بھی ساتھ ساتھ لگا ہوا تھا (طبری ص232 جلد2)

نینوا کے مقام پر ایک تیز رفتار سوار قریب آ کر رکا اور حُر کو ایک خط دیا اور کہا یہ امیر ابن زیاد کا خط ہے۔اس خط میں لکھا تھا ''جس وقت میرا یہ قاصد میرا پیغام لے کر تم تک پہنچے تو اسی وقت سے حضرت حسینؓ پر سختی کرو۔ پس تم انہیں سوائے ایسے کھلے میدان میں کہ جہاں نہ پانی ہو، نہ پناہ گاہ، کہیں نہ اترنے دینا۔ میں نے قاصد کو حکم دیا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ لگا رہے گا۔

حُر کے دل میں اہل بیت کی عظمت تھی اس نے تمام نمازیں اس دوران حضرت امام حسینؓ کی اقتدا میں ادا کیں لیکن وہ ابن زیاد کے ظالم اور سفاک مزاج سے واقف تھا اور پھر اسے اپنے حشر کا بھی علم تھا۔اس خوف کی وجہ سے حُر ابن زیاد کے حکم پر برابر عمل کرتا رہا۔ ایک مقام پر حُر کے سپاہیوں نے آپؓ کو روک دیا۔اور کہا "بس یہاں پڑاؤ ڈالیں۔فرات یہاں سے دور نہیں ہے"۔حضرت امام حسینؓ جب اس مقام پر خیمہ زن ہونے لگے تو آپؓ نے پوچھا "اس جگہ کا نام کیا ہے"؟ آپؓ کو بتایا گیا ''کربلا'' آپؓ نے فرمایا'' خیمے لگا لو یہی ہمارے سفر کی آخری منزل ہے''۔

قافلہ حسینی غریب الوطنی کے عالم میں کربلا کے میدان میں خیمہ زن تھا۔ چنانچہ 3 محرم الحرام کو عمر بن سعد چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ مقابلہ کے لئے کوفہ سے کربلا پہنچ گیا۔عمرو بن سعد کی سرپرستی میں یہ لشکر ابن زیاد نے ایران کے لئے تیار کیا تھا۔لیکن جب حضرت امام حسینؓ کا معاملہ پیش آ گیا تو ابن زیاد نے عمر بن سعد کو حکم دیا "پہلے کربلا جاؤ ان سے نمٹ کر ''ایران'' کو چلے جانا"۔لیکن عمر بن سعد نے حضرت امام حسینؓ پر حملہ کرنے سے انکار کر دیا اور ساتھ ہی اپنا استعفیٰ پیش کر دیا۔لیکن جب ابن زیاد نے اسے معزول کرنے کے ساتھ ہی قتل کی دھمکی دی تو وہ لشکر کے ہمراہ حضرت امام حسینؓ کی طرف روانہ ہو گیا۔

عمر بن سعد نے حضرت امام حسینؓ کے لئے قاصد بھیجا "آپؓ کیوں تشریف لائے ہیں"؟ آپؓ نے فرمایا "اہل کوفہ نے لکھا تھا کہ میں یہاں آؤں اب اگر وہ مجھ سے بیزار ہیں تو میں واپس مکہ چلا جاتا ہوں"۔ جب ابن سعد کو یہ جواب ملا تو اس نے کہا "میری یہ دلی تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی طرح مجھے حضرت امام حسینؓ کے ساتھ جنگ کرنے سے بچالے"۔ چنانچہ اس نے ابن زیاد کو یہ بات لکھ بھیجی کہ امام حسینؓ اہل کوفہ کی اس بیزاری پر واپس مکہ جانا چاہتے ہیں۔لیکن ابن زیاد نے جواب میں لکھا "امام حسینؓ اور ان کے ساتھیوں پر پانی بند کرو اور امام حسینؓ سے کہو کہ وہ اور ان کے ساتھی یزید ابن معاویہ کی بیعت کر لیں۔ جب وہ بیعت کر لیں گے تو پھر ہم سوچیں گے کہ اب ہمیں آگے کیا کرنا ہے"۔اس پر عمر بن حجاج کی قیادت میں ابن سعد کے آدمیوں نے حضرت امام حسینؓ کے قافلے پر پانی بند کر دیا۔

پھر ابن زیاد نے شمر کو حکم دے کر بھیجا کہ اگر حسینؓ اور ان کے ساتھی ہمارے حکم کی تعمیل کرتے ہیں تو ٹھیک ورنہ ان پر حملہ کرو۔ یہ فوج 9 محرم الحرام 61 ہجری بروز جمعرات دن ڈھلے جنگ کے لئے قافلہ حسینؓ کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ (البدایہ والنھایہ)

ایک رات کی مہلت: حضرت امام حسینؓ نے ایک رات کی مہلت طلب کی۔

9 محرم الحرام 61 ہجری بروز جمعرات حضرت امام حسین اپنے خیمے کے سامنے تلوار کا سہارا لیے سر جھکائے بیٹھے ہوئے تھے۔اس دوران آپ پر غنودگی طاری ہو گئی۔ادھر ابن سعد نے اپنے لشکر کو پکارا۔اس پر تمام لشکر نماز عصر کے بعد امام عالی مقام کے خیموں کے قریب پہنچ گیا۔حضرت عباسؓ نے یہ بات حضرت امام حسینؓ کو بتائی تو انہوں نے کہا "ہمیں ایک رات کی مہلت دے دیں تاکہ ہم اس آخری رات میں اچھی طرح عبادت کر لیں"۔ابن سعد کے دستے نے ایک رات کی مہلت دے دی۔

دس محرم الحرام 61ھ اور قیامت صغریٰ:- دس محرم 61 ہجری کا خونین آفتاب اپنی پوری خون آشامیوں کے ساتھ طلوع ہوا۔عمر بن سعد نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ نماز پڑھ لی ہے تو قتال کے لئے تیار ہو جاؤ۔حسینی فوج کے 72 جاں نثاروں نے حضرت امام حسینؓ کی امامت میں صبح کی نماز ادا کی اور یزیدی فوج کے مقابلے کے لئے کربلا کے میدان میں صف آرا ہو گئے۔ یہ جانثار 32 گھوڑ سوار اور چالیس پیادوں پر مشتمل تھا۔آپؓ نے علم اپنے بھائی حضرت عباسؓ بن علیؓ کے سپرد کیا اور عورتوں کے خیموں کی طرف پشت کر لی۔حضرت امام حسینؓ کے حکم سے آپؓ کے رفقا نے راتوں رات خیموں کے عقب میں خندق کھود لی تھی اور اسے سوختی، بانس جیسی لکڑیوں سے بھر دیا تھا۔آپؓ کے حکم سے خندق میں ڈالی گئیں لکڑیوں کو آگ لگا دی گئی تاکہ عقب سے کوئی خیموں میں داخل نہ ہو سکے۔

حُر کی توبہ:- جب عمر بن سعد جنگ کا آغاز کرنے کے لئے آگے بڑھا تو حُر بن یزید نے اس سے پوچھا "کیا تو واقعی اس شخص (حضرت امام حسینؓ) سے لڑے گا"؟ ابن سعد نے کہا "خدا کی قسم اگر یہ معاملہ میرے اختیار میں ہوتا تو کبھی ایسا نہ کرتا۔لیکن کیا کروں تمہارا امیر نہیں مانتا"؟ یہ سن کر حُر نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور امام عالی مقام کے

پاس پہنچ گیا۔حضرت امام حسینؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر حُر نے کہا ''اے رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کے بیٹے میری جان آپؓ پر قربان میں وہی بد بخت ہوں جس نے آپؓ کو واپس نہ جانے دیا۔راستہ بھر آپؓ کے ساتھ ساتھ رہا اور اس مقام پر ٹھہرنے کے لئے آپؓ کو مجبور کر دیا۔خدا وحدہ لاشریک کی قسم میں اپنے کئے پر نادم ہوں۔اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرتا ہوں اور اپنی جان آپؓ پر قربان کرنے کا عہد کرتا ہوں۔فرمایئے کیا میری توبہ قبول ہو جائے گی"؟ آپؓ نے فرمایا ''ہاں اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول کرے گا اور تمہیں بخش دے گا"۔(الطبری)

اس پر ابن سعد کی پیادہ فوج نے حُر پر تیر برسانا شروع کر دیئے۔جنگ شروع ہوگئی اور دونوں طرف سے نکل نکل کر سپاہی شجاعت دکھانے لگے۔شجاعت اور دلیری کی وجہ سے انفرادی جنگ میں حضرت امام حسینؓ کا ایک ایک جانثار سینکڑوں پر بھاری ثابت ہوا۔اس لئے بعض افراد نے عمر بن سعد کو عام حملہ کا حکم دیا۔اس کے ساتھ ہی چاروں طرف سے یزیدی لشکر حضرت امام حسینؓ کے ساتھیوں پر ٹوٹ پڑے۔خیموں کو جلا دینے کا حکم دیا۔

اہل بیت نبوت کے افراد جب ایک ایک کر کے شہید ہو گئے تو آخیر میں حضرت امام حسینؓ نے میدان میں آنے کا ارادہ فرمایا۔حضرت زین العابدینؓ جو اس وقت بیمار تھے امام عالی کے پاس آئے اور عرض کیا "ابا جان میرے ہوتے ہوئے آپ میدان میں نہ جایئے"۔آپؓ نے فرمایا "خانوادہ رسول خاتم النبیین ﷺ کا ہر چراغ گل ہو گیا ہے اب میری نسل میں تو ہی باقی رہ گیا ہے۔مجھے تو شہید ہونا ہی ہے اگر تو بھی شہید ہو گیا تو میرے نانا کی نسل کیسے چلے گی؟ تجھے اپنے نانا کی نسل کی بقا کے لئے زندہ رہنا ہے"۔یہ کہہ کر آپؓ میدان کربلا میں اتر آئے۔اور دیر تک آپؓ یزیدیوں کو واصل جہنم کرتے رہے۔(البدایہ والنھایہ)۔

حضرت امام حسینؓ دن کا طویل حصہ میدان میں کھڑے رہے اگر لوگ چاہتے تو فوراً آپؓ کو شہید کر دیتے لیکن ہر شخص دوسرے پر ٹالتا رہا کیونکہ کوئی بھی یہ گناہ اپنے سر نہ لینا چاہتا تھا۔آخر شمر بن ذی الجوشن نے کہا "تمہارا برا ہو کام تمام کیوں نہیں کرتے"؟ اس پر ایک شخص زرعہ بن شریک تمیمی نے آگے بڑھ کر ایک تلوار کا وار آپؓ کے بائیں کندھے پر کیا۔پھر سنان بن ابی عمرو بن انس نے آپؓ کو ایک نیزہ سے گھائل کر دیا، سنان نے سواری سے اتر کر آپؓ کو ذبح کر دیا اور سر تن سے جدا کر کے خولی بن یزید کے حوالے کر دیا (البدایہ والنھایہ)۔بعض روایات کے مطابق آپؓ کو شمر بن ذی الجوشن نے شہید کر دیا۔

جب یزیدی لشکر کربلا سے کچھ دور چلا گیا۔شہادت کے دوسرے یا تیسرے دن تو قبیلہ بنو اسد کے لوگ آئے جو دریائے فرات کے کنارے عاضریہ میں رہتے تھے اور انہوں نے امام عالی مقام کے بے سر کے تن کو ایک جگہ اور باقی تمام شہداء کو دوسری جگہ دفن کیا۔(طبری)

اس کے بعد یزید بد بخت کے حکم سے شہدا کے سروں اور اسیران کو ملا کر تین روز تک دمشق کے بازاروں میں پھرایا گیا۔

حضرت امام جعفر صادقؒ سے مروی ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد حضرت امام زین العابدینؒ کی حالت ہمیشہ یہ رہی کہ آپؒ دن بھر روزہ رکھتے اور رات بھر عبادت کرتے۔آپؒ کی آنکھوں سے کربلا کا تصور اور دل سے باپ اور بھائیوں کی یاد اور شہادت کے منظر کبھی محو نہ ہوئے اور عمر بھر آپؒ کی آنکھیں اشک بار رہیں۔

یوم عاشورہ پر اعتراض اور اس کا جواب:-

بعض لوگ یوم عاشورہ کے روزے رکھنے والوں کے بارے میں غلط رائے رکھتے ہیں۔ان کا خیال ہے کہ اس دن حضرت امام حسینؓ شہید ہوئے ہیں تو وہ دن رنج و غم کا ہے اُس دن رنج والم کا اظہار کرنا چاہئے۔لیکن اس کے بجائے روزہ رکھ کر خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے اور اہل وعیال پر فراخی رزق کے ذریعے خوشی منائی جاتی ہے۔ اُن کی خدمت میں عرض ہے کہ محرم ایک حرمت والا مہینہ ہے۔اور اس ماہ میں خاص عاشورہ کے دن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کو نوازا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس دن اپنے خاص بندوں پر انعام وکرامات کی بارش کی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے۔کہ اس نے امام حسینؓ کی شہادت کو پہلی محرم سے بڑھا کر خاص عاشورہ کے دن مقرر فرمایا تاکہ حضرت امام حسینؓ کو ذاتی بزرگی کے ساتھ ساتھ مزید بزرگی عطا کی جائے۔اور اس بزرگی کے ساتھ حضرت امام حسینؓ کو خلفائے راشدین میں سے شہداء اکرام کے درجے کو پہنچا دیا۔

اگر آپ خاتم النبیین ﷺ نے یوم شہادت کو ماتم اور غم کا دن بنانا جائز فرمایا ہوتا تو سوموار کا دن اس بات کا زیادہ مستحق تھا کیونکہ اس دن حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے وصال فرمایا اور اسی دن حضرت ابو بکرؓ کا وصال بھی ہوا۔نبی کریم خاتم النبیین ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وفات دوسروں سے زیادہ عظیم ہے۔مگر سوموار کی فضیلت اور اِس دن روزے کی اہمیت پر سب لوگوں کا اتفاق ہے اور پیر اور جمعرات کے دن بندوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کئے جاتے ہیں۔اگر اس دن غم کا اظہار کرنا جائز ہوتا تو صحابہ اکرامؓ اور تابعینؒ اسے غم کا دن قرار دیتے۔کیونکہ وہ ہمارے مقابلے میں حضرت امام حسینؓ سے زیادہ قرب اور خصوصی

تعلقات رکھتے تھے۔اور اسی دن اہل وعیال کو رزق میں فراخی دینے اور روزہ رکھنے کی ترغیب ان صحابہ اکرامؓ ہی سے منقول ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ عاشورہ کا روزہ فرض ہے۔حضرت علیؓ اس دن کا روزہ رکھنے کا حکم دیتے تھے۔حضرت عائشہؓ نے صحابہ اکرامؓ سے پوچھا" تمہیں عاشورہ کا روزہ رکھنے کا حکم کس نے دیا"؟انہوں نے عرض کیا" حضرت علیؓ نے"۔حضرت عائشہؓ نے فرمایا" باقی حضرات میں سے وہ سُنت کو زیادہ جاننے والے ہیں"۔حضرت علیؓ کی روایت ہے آپﷺ نے فرمایا:

ترجمہ:''جو عاشورہ کی رات کو زندہ رکھے گا اللہ تعالیٰ اسے جب تک وہ چاہے زندہ رکھے گا''حضرت امام حسینؓ سے محبت ماتم کر کے ظاہر نہیں کرنی چاہیئے۔بلکہ اگر ہو سکے تو محرم میں ہر روز دو رکعت نماز ہدیہ بحضور حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ اور آپ خاتم النبیین ﷺ کے وسیلہ سے شہداءِ کربلا اور خاص طور پر حضرت امام حسینؓ کو ہدیہ کرنی چاہیئے۔یہ ہے اصل محبت کے اظہار کا طریقہ کہ یہ ہدیہ طباق میں رکھ کر اُن کو پیش کیا جاتا ہے۔محرم کے مہینے میں توبہ استغفار زیادہ کرنی چاہیئے،تلاوت قرآن پاک کا خوب اہتمام کیا جائے اور نُو اور دس محرم کو روزہ رکھنا چاہیئے۔(کم از کم دو روزے)۔

ہر نماز کے بعد پڑھنے کی دعا:-

1- تین مرتبہ "**استغفر اللہ**" پڑھنا ہے-

2- اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ ذَا الْجَلَالِ وَ الْإِكْرَام

ترجمہ:''اے اللہ! تو ہی سلام ہے اور سلامتی تیری ہی طرف سے ہے،تو صاحب رفعت و برکت ہے،اے جلال والے اور عزت بخشنے والے!''۔(صحیح مسلم)

3- رَبِّ أَعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ

ترجمہ:''اے اللہ! اپنا ذکر کرنے،شکر کرنے اور بہترین انداز میں اپنی عبادت کرنے میں میری مدد فرما''۔(سنن نسائی)

4- ''اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَسَكَرَاتِ الْمَوْتِ''

ترجمہ:''اے اللہ موت کی سختیوں اور اس سے طاری ہونے والی بے ہوشیوں میں میری مدد فرمانا''۔(ترمذی)

5- اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنْ أَنْ أُرَدَّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ

ترجمہ:''اے اللہ! بزدلی سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں' اس سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ عمر کے سب سے ذلیل حصے(بڑھاپے) میں پہنچا دیا جاؤں''۔(سنن نسائی)

****

ماہ ربیعُ الاوّل (برکتوں اور رحمتوں کا مہینہ)

ربیع الاوّل کا مہینہ بے حد متبرک اور فضلیت والا مہینہ ہے۔ اللہ رب العزت کے اِس اہتمام پر قربان جائیں کہ اُس نے اپنے محبوب کی آمد کے لیے جو موسم منتخب فرمایا وہ موسم بہار ہے۔ عام طور پر ماہ ربیع الاوّل ہر قمری سال کی طرح سال کے مختلف موسموں میں بدل بدل کر آتا ہے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ وہ ربیع الاُوّل جس میں آپ خاتم النبیین ﷺ کی ولادت مبارکہ ہوئی۔ بہار کی تمام تر رعنائیاں اور دلفریبیاں اپنے اندر سموئے ہوئے تھا۔

12 ربیع الاوّل کی جس صبح حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی ولادت ہوئی کسریٰ (شاہ ایران) کا محل جنبش کھا گیا۔ اُس کے چودہ کنگرے گر گئے۔ آتش کدہ فارس (ایران) جو ہزار سال سے روشن تھا بجھ گیا اور ایسا سرد پڑا انتہائی کوشش کے باوجود اُس کی آگ دوبارہ نہ جلائی جا سکی۔

جب کسریٰ کے ایوان کے چودہ کنگرے گرے تو اِس میں اشارہ تھا کہ چودہ حکمرانوں کے بعد ملک فارس (ایران) خادمان اسلام کے قبضے میں آ جائے گا۔ دریائے ساوہ خشک ہو گیا اور بحیرہ ساوہ جاری ہو گیا۔ ایران کا بادشاہ کسریٰ محل کی جنبش اور چودہ کنگرے گرنے کی وجہ سے سہم گیا۔ بے قراری کا عالم تھا کہ ساتھ ہی آتش کدہ فارس کے بجھ جانے کی خبر بھی مل گئی۔ اور اُس وقت موبد موبدان نے اپنے خواب کا تذکرہ بھی بادشاہ سے کر دیا اور بتایا کہ عرب میں ایک بہت بڑا سانحہ ہوا ہے۔

بادشاہ نے عبدالمسیح غستانی کو اُس کے چچا سطیح غستانی کی طرف روانہ کیا۔ غستانی کا چچا اُس وقت بیمار تھا۔ عبدالمسیح نے اشعار پڑھنے شروع کر دیئے سطیح غستانی نے اُس کا شعر سُنا تو آنکھ کھولی اور کہا۔

"تجھے شاہ ایران نے بھیجا ہے۔ دیکھو آتش کدہ کا ٹھنڈا ہونا، ایوان کسریٰ کے کنگروں کا گر جانا۔ موبد موبدان کا خواب دیکھنا۔ محل کا جنبش کھانا دریائے ساوہ کا خشک ہونا اور دریائے ساوہ کا جاری ہونا۔ یہ سب کی سب باتیں آمد محمد خاتم النبیین ﷺ کی نشانیاں ہیں اور اِس بات کی علامت ہیں کہ وہ اِس زمین پر قبضہ کر لیں گے۔ اب صرف چودہ ایرانی بادشاہ حکومت کریں گے اور پھر ان کی حکومت ختم ہو جائے گی"۔

شب میلاد وہ سہانی و نورانی رات تھی جب کائنات میں انقلاب کا آغاز ہوا۔ ظلمت کی رات ختم ہوئی۔ 12 ربیع الاوّل کی صبح سے ایک نئے دور کا آغاز ہو رہا تھا۔ ایک نئی صبح طلوع ہو رہی تھی ابلیسی نظام پر ضرب پڑنے والی تھی۔ ہر چیز انوار و تجلیات میں نہا گئی۔

مشائخ عظام اور علمائے کرام فرماتے ہیں کہ حضور پرنور خاتم النبیین ﷺ کا وقت ولادت باسعادت لیلۃ القدر سے بھی زیادہ افضل ہے۔ کیونکہ لیلۃ القدر میں فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ولادت پاک کے وقت خود رحمت اللعالمین خاتم النبیین ﷺ تشریف لائے۔

شب میلاد میں ستاروں کا جھکنا، انوار کا چمکنا، عناصر فطرت کا اشتیاق حور و غلماں کا استقبال، حضرت آسیہؓ و حضرت مریمؑ کی تشریف آوری۔ جنتوں اور آسمانوں کے دروازوں کا کھلنا۔ حضرت آمنہؓ کو سفید مشروب کا پیش ہونا مشرق اور مغرب اور ایک خانہ کعبہ کی چھت پر پرچم لہرانا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ خاتم النبیین ﷺ کی پشت مبارک پر مہر نبوت کا ثبوت ہونا سراپا معجزات کا ایک سلسلہ ہے۔

یوم میلاد پوری کائنات کے لیے عزت اور شادمانی کا دن تھا۔ اِس دن محبوب کائنات انسانیت کے نجات دہندہ بن کر دنیا میں تشریف لائے۔ قحط سالی آسودہ حالی سے بدل گئی۔ آسمانوں اور جنتوں کے دروازے کھول دیئے گئے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ رحمت باری تعالیٰ کے نور میں نہا گیا۔ شیطان لعین کو زنجیروں میں جکڑ دیا گیا۔ بت اوندھے منہ گر گئے۔ خانہ کعبہ کے در و دیوار جھوم اٹھے۔

رب کائنات نے اپنے محبوب کی دنیا میں تشریف آوری کی خوشی میں پورا سال لڑکیوں کی پیدائش کو موقوف کیا اور ساری دنیا کو لڑکے عطا کر کے جشن مصطفیٰ خاتم النبیین ﷺ منایا۔ اُس سال اہل عرب اور قریش تاریخ کے سخت ترین قحط اور افلاس میں مبتلا تھے۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی ولادت باسعادت کے ساتھ ہی پورے عرب کی تقدیر بدل گئی۔ عام سختیاں دور ہو گئیں حزن اور یاس کی جگہ امید اور روشنی نے لے لی۔ زمین پر سبزے کی چادر بچھ گئی اور کھلیان اناج سے بھر گئے۔ قحط سے خلق خدا کو نجات ملی چنانچہ اِس سال کا نام "فتح اور مسرت کا سال" پڑ گیا۔

حضرت آمنہؓ سے مروی ہے کہ میں نے آپ خاتم النبیین ﷺ کی پیدائش سے پہلے ایک بلند آواز سنی جس نے مجھ پر خوف طاری کر دیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ ایک سفید پرندہ اپنے پر کو میرے دل سے مَس کر رہا ہے۔ جس سے میرا درد اور خوف سب جاتا رہا۔ پھر اچانک میں نے اپنے سامنے ایک سفید رنگ کا شربت پایا جسے میں نے پی لیا

وہ شربت شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔ پھر ایک بلند نور کے ہالے نے مجھے گھیر لیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ کچھ حسین وجمیل عورتیں جو قد و کاٹھ میں اور چہرے میں سے عبد مناف کی بیٹیوں سے مشابہ تھیں۔ انہوں نے مجھے اپنے حصار میں لے لیا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ آسیہ (زوجہ فرعون) اور مریم (بنت عمران) ہیں اور یہ ہمارے ساتھ جنت کی حوریں ہیں۔

سیدہ آمنہؓ ولادت کے واقعات بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ اس دوران میں نے سفید ریشم کا ایک ٹکڑا دیکھا۔ جو زمین اور آسمان کے درمیان پھیلا ہوا تھا۔ میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ہوا میں (تعظیماً) کھڑے ہیں۔ اُن کے ہاتھوں میں چاندی کی صراحیاں ہیں۔ پھر میں نے پرندوں کے جھنڈ دیکھے جنہوں نے آ کر میرے حجرے کو ڈھانپ لیا۔ اُن پرندوں کی چونچیں زمرد کی اور اُن کے پَر یاقوت کے تھے۔

جب آپ خاتم النبیین ﷺ قبیلہ بنی سعد میں حضرت حلیمہ سعادیہؓ کے گھر میں تشریف لائے تو تمام چراگاہیں ہری بھری ہوگئیں۔ نخلستان بارآور ہوگئے۔ قبیلہ بنی سعد دیکھتے ہی دیکھتے خوش حال ہوگیا۔ اور قبیلہ والے یہ بھی جان گئے کہ برکات کا اصل منبع یہ مقدس بچہ ہے جو حلیمہ کی گود میں ہے۔ اَب قبیلہ کے لوگ آپ خاتم النبیین ﷺ کی زیارت کو آنے لگے۔ ان میں عورتیں بوڑھے بچے سب ہی شامل تھے۔ کوئی آپ خاتم النبیین ﷺ کی پیشانی کو چومتا، کوئی ہاتھوں کو چومتا، کوئی پیروں کو چومتا۔

حلیمہ سعدیہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی آپ خاتم النبیین ﷺ کے کپڑے نہیں دھوئے۔ حلیمہ سعدیہؓ کی بکریاں جو مدت سے دودھ نہیں دیتی تھیں اَب اتنا دودھ دینے لگیں کہ ختم ہی نہیں ہوتا تھا۔ ہر طرف خوشی اور خوش حالی کے چراغ روشن ہوگئے۔

اِس لیے یہ مہینہ خیرات و برکات اور سعادتوں کا مہینہ ہے۔ اِس ماہ کی بارہ تاریخ کو آپ خاتم النبیین ﷺ دنیا میں تشریف لائے۔ اسی ماہ کی دس تاریخ کو بروز جمعہ آپ خاتم النبیین ﷺ کا نکاح حضرت خدیجہؓ سے ہوا۔ اِسی ماہ کی آٹھ تاریخ کو آپ خاتم النبیین ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ اللہ تعالی نے قرآن پاک سورہ آل عمران آیت نمبر 164 میں فرمایا:

ترجمہ: "بے شک میں نے مسلمانوں پر احسان فرمایا کہ اِن میں اپنا ایک رسول بھیج دیا"۔

دنیا کی سب سے بڑی نعمت دی اور اِس نعمت کی قدر کرنے کی وجہ سے یہ احسان جتلایا کہ یہ میں نے تم پر احسان کیا ہے اَب اِس نعمت کی قدر کرنا اور جو پیغام آپ خاتم النبیین ﷺ لائے ہیں اُن پر پورا پورا عمل بھی کرنا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالی کا شکر بھی کرنا کہ اُس نے تمہیں اِس نعمت عظمیٰ سے نوازا۔

ثابت ہوا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نعمت عظمیٰ ہیں تو نعمت کے لیے قرآن پاک میں ارشاد باری تعالی ہے: (سورہ والضحیٰ، آیت نمبر 11)

ترجمہ: "اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو"۔

سورہ آل عمران فرمان الٰہی ہے:

ترجمہ: "اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تم پر کی"۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ تعالی کی نعمتیں تو بے حد ہیں لیکن یہاں پر اللہ تعالی ایک واحد نعمت کا چرچہ کرنے کو کہہ رہا ہے اور دوسرے مقام پر اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہا ہے۔

صحابی حضرت عمرو ابن دینارؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی کی نعمت نبی کریم خاتم النبیین ﷺ ہیں اور جس نعمت کو یاد کرنے اور اُس کا چرچہ کرنے کو کہا جا رہا ہے۔ اُس نعمت عظمیٰ کی تشریف آوری کا مسلمانوں پر احسان خود خالق کائنات جتا رہا ہے اور ارشاد فرمایا کہ (سورہ آل عمران آیت 164)

ترجمہ: "بے شک اللہ تعالی نے مسلمانوں پر احسان کیا کہ اِن میں ایک رسول بھیج دیا"۔

ربیعُ الاوّل میں درود شریف پڑھنے کا بے حد ثواب ہے۔ درود شریف اللہ تعالی کی رحمت اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی خوشنودی کا باعث ہے۔

جمعہ کے دن خاص فرشتے صرف امت مسلمہ کا درود شریف لکھنے کے لیے دنیا میں تشریف لاتے ہیں۔

ربیعُ الاوّل کا چاند دیکھ کر سورہ مجادلہ اور سورہ محمد پڑھیں۔

یکم تاریخ ماہ ربیع الاوّل بعد نماز عشاء سولہ رکعت نماز 8 سلام سے پڑھیں۔ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص تین تین بار پڑھیں۔ سلام پھیر کر ایک ہزار مرتبہ درود شریف پڑھیں۔

(1)۔ اِس نماز کی بہت فضلیت ہے انشاء اللہ اِس نماز اور درود پاک کی برکت سے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوں گے مگر باوضو ہونا

ضروری ہے۔

(2)۔ اِس ماہ کی بارہ تاریخ کو بعد نماز ظہر ہدیہ بحضور حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ بیس رکعت نماز دس سلام سے پڑھیں اور ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد 21،21 بار سورہ اخلاص پڑھیں۔ انشاء اللہ زیارت نصیب ہوگی۔ باوضو سوئیں۔

(3)۔ زیارت مبارک کے لیے اِس ماہ روز آنہ رات سونے سے پہلے

یَامُحسنُ یَامُجَمِّلُ یَامُنعِمُ یَامُفضِلُ اَرنِي وَ جدَ حَبیبِي وَ نَبِیِي مُحَمّدً صَلَّی اللّٰہُ تَعالٰی عَلَیہِ وَ اٰلِہٖ وَ سَلَّم

یہ مندرجہ بالا عمل پورے سال بھی کر سکتے ہیں۔ باوضو سونا شرط ہے۔ انشاء اللہ زیارت ہوگی۔

(4)۔ اِس ماہ میں رات سوتے وقت 100 بار مندرجہ ذیل عبارت پڑھیں انشاء اللہ زیارت رسول خاتم النبیین ﷺ ہوگی۔

اللّٰھُمَّہ رَبَّ الْبیت الحَرامِ وَ الشَھرِ الحِرامِ وَ الرُّکنِ وَ المُقَامِ اِقرَ ازُوحَ مُحَمدٍ مِنّي السّلامُ۔

ماہِ ربیع الاوّل کی 12، 13 اور 14 تاریخ کو بعد نماز عشاء اِس دعا کو سات ہزار سات سو اکتالیس مرتبہ پڑھیں۔

یابَدِیعَ العَجائبِ بِالخیرِ یَابَدیعُ

یہ دعا ترقی رزق کے لیے بہت افضل ہے۔

(5)۔ ماہ ربیع الاوّل میں کم از کم ایک قرآن پڑھ کر اِس کا ثواب آپ خاتم النبیین ﷺ کو ہدیہ کریں۔

(6)۔ زیادہ سے زیادہ درود پاک پڑھیں اگر ہو سکے تو محفل میلاد منعقد کریں ایک قرآن پڑھیں اور سیرت پاک کا تذکرہ کریں اور نعت و درود سلام کا اہتمام کریں۔ اللہ تعالی پورے سال خیر و برکات نازل فرمائے گا۔

(7)۔ بارہ ربیع الاول کا روزہ رکھنا مستحب ہے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ جن ایام میں اللہ تعالی کی نعمتوں کا حصول ہو اُن میں روزہ رکھنا مستحب ہے اور سب سے بڑی نعمت امت کے لیئے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی اِس دنیا میں تشریف آوری ہے۔

عروہ راوی نے کہا" ثوبیہ ابولہب کی لونڈی تھی۔ ابولہب نے اس کو آزاد کر دیا تھا۔ (جب اس نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے پیدا ہونے کی خبر ابولہب کو دی تھی) پھر اس نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو دودھ پلایا تھا۔ جب ابولہب مر گیا تو اس کے کسی عزیز نے مرنے کے بعد اس کو خواب میں برے حال میں دیکھا تو پوچھا" کیا حال ہے؟ کیا گزری"؟ وہ کہنے لگا" جب سے میں تم سے جدا ہوا ہوں کبھی آرام نہیں ملا مگر ایک ذرا سا پانی (پیر کے دن مل جاتا ہے) ابولہب نے اس گڑھے کی طرف اشارہ کیا جو انگوٹھے اور کلمہ کے انگلی کے بیچ میں ہوتا ہے یہ بھی اس وجہ سے کہ میں نے ثوبیہ کو آزاد کر دیا تھا"۔ (صحیح بخاری)

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ایک کافر اور پکے کافر کو تو آپ خاتم النبیین ﷺ کی آمد کی خوشی منانے پر تو اُس کے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے تو ایک مومن اور پکا محب رسول خاتم النبیین ﷺ اگر آپ خاتم النبیین ﷺ کی آمد کی خوشی میں کسی قسم کی محفل منعقد کرے تو ثواب کیوں نہ ہوگا؟

مسلمانوں کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ مسلمانوں کے ہاں محفل میلاد یا جشن میلاد سے مراد فقط حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے ذکر پاک کے لیے اجتماع کرنا۔ اِس میں آپ خاتم النبیین ﷺ کی حیات طیبہ، آپ خاتم النبیین ﷺ کے کمالات کا بیان، آپ خاتم النبیین ﷺ کی صورت میں اللہ تعالی کی عظیم نعمت کا تذکرہ ولادت کے موقعہ پر عجائبات کا تذکرہ۔ خوشی میں جلوس نکالنا لوگوں کو آپ خاتم النبیین ﷺ کی شریعت مطہرہ کی تعلیمات سے آگاہ کرنا، نعت خوانی کرنا، درود و سلام پڑھنا، صدقہ و خیرات کرنا وغیرہ ہے۔ اللہ تعالی ہمیں ربیع الاول کی رحمتوں سے فیض یاب کرئے۔ (آمین)

****

شجرہ نسب

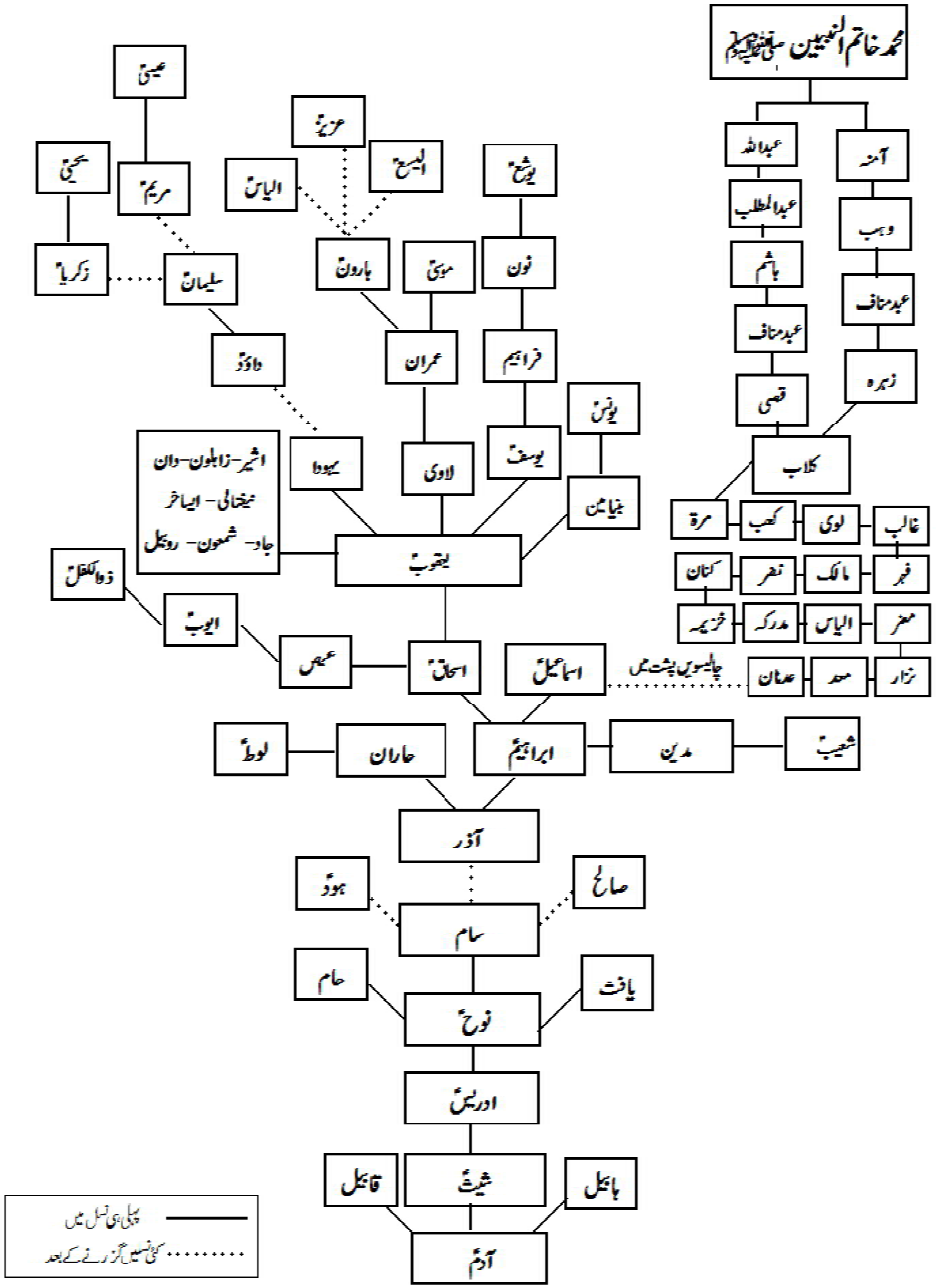
محمد خاتم النبیین ﷺ
عبداللہ
آمنہ
عبدالمطلب
وہب
ہاشم
عبدمناف
عبدمناف
زہرہ
قصی
کلاب
مرۃ
کعب
لوی
غالب
کنان
نضر
مالک
فہر
خزیمہ
مدرکہ
الیاس
مضر
عدنان
معد
نزار
چالیسویں پشت میں
اسماعیلؑ
اسحاقؑ
عیص
ایوبؑ
ذوالکفل
یعقوبؑ
اشیر-زابلون-دان
نیختالی - ایساخر
جاد- شمعون- روبیل
یہودا
لاوی
یوسفؑ
بنیامین
یونسؑ
افرائیم
نون
یوشعؑ
عمران
موسیٰ
ہارونؑ
الیاسؑ
عزیرؑ
الیسعؑ
داؤدؑ
سلیمانؑ
زکریاؑ
یحییٰ
مریمؑ
عیسیٰ
ابراہیمؑ
مدین
شعیبؑ
حاران
لوطؑ
آذر
ہودؑ
صالحؑ
سام
حام
یافث
نوحؑ
ادریسؑ
قابیل
شیثؑ
ہابیل
آدمؑ
پہلی ہی نسل میں
کئی نسلیں گزرنے کے بعد

عید مصطفی (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

اسلام میں اللہ تعالی کی نعمتوں پر شکر ادا کرنے اور خوشی کا اظہار کرنے کا بہترین طریقہ عید منانا ہے۔ رمضان المبارک کے روزوں کی تکمیل پر اظہار مسرت اور تشکر کے لیے عید الفطر اور سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے امتحان میں کامیابی پر عید الاضحی منائی جاتی ہے۔

جیسا کہ حضرت یحیی علیہ السلام نے اللہ تعالی سے دعا کی تھی: (سورہ المائدہ، آیت نمبر 114)

ترجمہ: "اے ہمارے رب ہم پر آسمان سے خوان نعمت نازل فرما تا کہ وہ دن یوم عید ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے ہوجائے"۔

اس لیے عیسائی آج بھی اتوار کو عید مناتے ہیں۔

جب عمومی نعمتوں پر بطور خوشی و مسرت کے اظہار تشکر کے لئے عید منانے کا حکم ہے تو وہ نعمت جو تمام نعمتوں کی اصل ہے اور جس کے صدقے اور وسیلے سے تمام نعمتیں عطا ہوئی ہیں۔ اس کی آمد کی خوشی میں اظہار تشکر کرتے ہوئے عید منانا نہایت ارفع اور اعلی عمل ہے۔ اور کیوں نہ منایا جائے؟؟؟

حضور پاک (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا" بہترین زمانہ میرا ہے۔ پھر ان لوگوں کا جو اس زمانہ کے بعد آئیں گے پھر ان لوگوں کا جو اس کے بعد آئیں گے۔ اس کے بعد ایک ایسی قوم پیدا ہوگی کہ گواہی دینے سے پہلے قسم ان کی زبان پر آجایا کرے گی اور قسم کھانے سے پہلے گواہی ان کی زبان پر آجایا کرے گی"۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر 3651)

حضور پاک (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ظاہری حیات مبارکہ کے زمانے میں صحابہ کرامؓ آپ (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے براہ راست رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ حضور پاک (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ظاہری حیات سے پردہ فرما جانے کے بعد آپ (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے تربیت یافتہ اور ہدایت یافتہ صحابہ کرامؓ نے فیضان رسالت کو آگے بڑھایا۔ پھر یہ فریضہ تابعین اور تبع تابعین نے انجام دیا۔ زمانہ جوں جوں حضور پاک (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ظاہری حیات مبارکہ سے دور ہوتا گیا لوگوں کے ایمان کمزور اور تقوی کا معیار گھٹتا گیا۔ یہاں تک کہ آج چودہ سو سال زندگی گزارنے کے بعد مسلمانوں کے ایمان قرون اولی کے مسلمانوں (صحابہ کرامؓ) کے ایمانوں سے کئی گناہ کم ہوگئے ہیں۔ اس کی وجہ نبی کریم (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تعلیمات پر عمل نہ کرنا، اس دنیا کی محبت، ہوس، لالچ اور مادیت پرستی ہے۔

مغربی تہذیب وثقافت کے بڑھتے ہوئے پھیلاؤ اور اتباع رسول (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے دوری نے مسلمانوں کے عقائد اور ایمان کو بہت کمزور کر دیا ہے۔ آج ملت کفر، ملت اسلامیہ کے دل سے ان کے پیارے نبی (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی محبت وعقیدت کو کم کرنے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے آزما رہی ہے۔ مسلمانوں میں تفرقہ پرستی کو ہوا دے کر مسلمانوں کو ہی مسلمانوں کا دشمن بنایا جا رہا ہے۔

عالم کفر اس بات پر متفق ہے کہ مسلمانوں کی سرفروشی کی واحد وجہ ان کے اپنے نبی حضرت محمد (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بے انتہا عقیدت، ادب، تعظیم اور محبت ہے۔ وہ جان گئے ہیں کہ اگر مسلمانوں کے سینوں سے عشق رسالت کے جذبات کو ٹھنڈا کر دیا جائے تو اس کے بعد مسلمانوں پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

ان ناگفتہ بہ اور جاں سوز حالات میں اس بات کی شدت سے ضرورت ہے کہ مسلمان اپنے پیارے نبی کی ذات سے محبت، تعظیم اور ادب کے ساتھ ساتھ آپ (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اتباع کو بھی اپنی زندگی کا لازمی جزو بنالیں۔

آج اس امر کی شدت سے ضرورت ہے کہ ہم نبی کریم (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اس جہاں میں تشریف آوری سے پہلے کے حالات، آپ (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے آنے کے بعد آپ (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صحابہ کرامؓ کی آپ (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے محبت اور صحابہ کرامؓ کی اتباع رسول (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنے بچوں اور بھائی بہنوں کو بتائیں اور دیکھیں کہ ہم آپ (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تعلیمات پر کس حد تک عمل پیرا ہیں اور یہ بھی کہ صرف زبانی دعوی محبت کرنے سے امت محمدی ہونے کا حق ادا نہیں ہوجاتا۔ میلاد مصطفی (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مقصد ہی یہی ہے کہ ہم اس ماہ میں آپ (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سیرت مبارکہ اور آپ (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیغام کو عام کریں۔

ہمیں میلاد مصطفی (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) منانے سے منع کیا جاتا ہے۔ ہم میلاد کیوں نہ منائیں؟ یہ بتائیں کہ کیا قرآن اس کو منع قرار دیتا ہے؟ جواب آتا ہے نہیں۔۔۔ پھر کیا حضور پاک (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایسا کرنے کو منع کیا ہے؟ کہا جاتا ہے نہیں۔۔۔ پھر کیا صحابہ کرامؓ، تابعینؒ یا تبع تابعینؒ نے منع فرمایا ہے؟ جواب آتا ہے نہیں۔۔۔ پھر ہم آخر اس عید کو کیوں نہ منائیں؟؟؟

یاد رکھیں اور ذرا سمجھیں!!! اسلام کیا ہے؟

1- جو کچھ حضور پاک (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا وہ اسلام ہے- 　　2- جو کچھ حضور پاک (خاتم النبیین ﷺ) نے کیا وہ اسلام ہے-

3- جو کچھ حضور پاک (خاتم النبیین ﷺ) نے منع فرمایا وہ اسلام ہے- 　　4 - جو کچھ آپ حضور پاک (خاتم النبیین ﷺ) نے منع نہیں فرمایا وہ بھی اسلام ہے-

لہذا آج کوئی ہمیں میلادِ مصطفی (خاتم النبیین ﷺ) منانے سے منع کرتا ہے تو وہ اپنی رائے سے اس کو بدعت قرار دیتا ہے- کیونکہ کسی چیز کو جائز ثابت کرنے کے لئے کوئی ضعیف حدیث بھی کافی ہوتی ہے۔لیکن کسی چیز کو ناجائز ثابت کرنے کے لئے قرآن پاک کی نص قطعی اور حدیث متواتر کی ضرورت ہوتی ہے۔ دین اسلام کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ قرآن پاک میں کسی چیز کے جائز ہونے کی دلیل نہیں دی گئی بلکہ ناجائز چیزیں گنوادی گئی ہیں۔ کتاب اللہ میں جائز کام نہیں بتائے گئے۔ ورنہ قرآن پاک 30 پاروں پر مشتمل نہ ہوتا۔

محفل میلاد کی صحیح غایت یہ ہے کہ ہم اللہ تعالی کے اس عظیم احسان کا شکر ادا کریں کہ اس نے اپنا محبوب ہمیں عطا فرمایا۔ آپ (خاتم النبیین ﷺ) اور آپ (خاتم النبیین ﷺ) کے صحابہ کرامؓ کی ایمان افروز کیفیات کو مدنظر رکھیں۔ صحابہ کرامؓ نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) کے بعد ہمارے اولین راہی ہیں۔ ہمیں دیکھنا ہے کہ صحابہ کرامؓ کس طرح بارگاہ رسالت سے وابستہ ہو چکے تھے۔ حضور پاک (خاتم النبیین ﷺ) کی صحبت میں اس طرح بیٹھا کرتے تھے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہوں۔ ان کے قلوب اور روح عشق مصطفی (خاتم النبیین ﷺ) کے جلووں سے کس طرح منور ہو چکے تھے؟؟؟ ان کی زندگیوں میں عشق مصطفی (خاتم النبیین ﷺ) کا سویرا اس طرح قائم ودائم تھا جس کو کبھی زوال نہ آیا۔ جب آپ (خاتم النبیین ﷺ) صحابہ کرامؓ سے کسی چیز کی بابت سوال کرتے تو وہ جاننے کے باوجود کہتے کہ "اللہ اور اس کے رسول (خاتم النبیین ﷺ) بہتر جانتے ہیں"۔

ہمارے لیے سب سے زیادہ ضروری چیز جس کی طرف اللہ تعالی نے سورہ النساء، آیت نمبر 59 میں فرمان الٰہی ہے۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ

ترجمہ: "اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو اس کے رسول (خاتم النبیین ﷺ) کی"۔

حاکم مطلق اللہ ہے-- شارع حقیقی اللہ ہے- اس کے نمائندے کی حیثیت نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) کی ہے۔ حکم اللہ کا اور اتباع رسول (خاتم النبیین ﷺ) کا۔

قرآن پاک علمی شکل میں نازل ہوا اور نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) عملی صورت میں سب کچھ کر کے دکھا گئے۔ اس طرح روزہ، حج، زکوۃ، خیرات، صدقات وغیرہ سب حکم ہیں۔ اگر ہم غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہمیں نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) نے بتایا کہ کس حکم کو کیسے بجالانا ہے؟؟؟ یہی اتباع ہے- حکم سے نظام نہیں بنتا۔ نظام بنتا ہے اتباع سے--- نقش قدم کی پیروی سے--- تو نقش قدم کی پیروی کے بغیر اس کلام پر جو حکمت بھرا ہے عمل کیسے ہوتا؟؟؟

مجھے کیا خبر تھی نماز کی، مجھے کیا خبر تھی سجود کی
تیرے نقش پا کی تلاش تھی جو میں چپ رہا تھا نماز میں

تمام عبادات حکم کی صورت میں قرآن پاک میں نازل ہوئیں۔ حکم ہوتا ہے اقیمو الصلاۃ نماز قائم کرو--- حکم آ گیا- اب کیسے نماز قائم کریں؟ نماز ہے کیا؟؟؟ یہ کتنی مرتبہ قائم کرنی ھے؟؟ اس میں کیا پڑھنا ھے؟ اس کے اوقات کار کیا ہیں؟ اس میں کتنی رکعات ہیں؟ قیام، رکوع اور سجود وقومہ وتشہد کا طریقہ کیا ہے؟ یہ سب کچھ معلوم ہوا اتباع رسول (خاتم النبیین ﷺ) سے--- نقش قدم کی پیروی کرنے سے---

اس کا مطلب یہ ہوا کہ **اتباع حکم سے آگے کی چیز ہے**۔ اسی لیے حکمت والے نے اپنے پیغام (حکم) کو سمجھانے کے لیے اپنے محبوب حضرت محمد مصطفی (خاتم النبیین ﷺ) کو عملی نمونہ بنا کر پہلے بھیجا اور پھر ان پر قرآن نازل فرمایا- نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) نے اللہ تعالی کے ہر ہر حکم کو عملی جامہ پہنا کر ہمیں ہر بات اور حکم کا واضح مطلب سمجھا دیا۔

اب ہم دیکھیں گے کہ نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) کی اتباع اور آپ (خاتم النبیین ﷺ) کے ادب آپ (خاتم النبیین ﷺ) کی تعظیم کا تقاضا کیا ہے؟؟؟

سب سے پہلے تو ہمیں یہ جاننا ہے کہ اطاعت اور اتباع میں سب سے زیادہ ضروری چیز کیا ہے؟ اطاعت کا مطلب حکم کو ماننا اور اتباع کا مطلب پیروی کرنا، نقش قدم پر چلنا۔- اس کے لیے ایک حدیث قدسی (حدیث قدسی اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں آپ خاتم النبیین ﷺ اللہ تعالیٰ کے کسی قول یا فعل کو روایت کریں) پیش کی جاتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول پاک (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے فرمایا:"جو شخص میرے کسی پسندیدہ شخص سے دشمنی رکھے میرا اس سے اعلان جنگ ہے۔اور میرا بندہ جن جن عبادات کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے ان میں سے وہ عبادات مجھے بہت محبوب ہیں جو میں نے اس پر فرض کی ہیں۔(نماز، روزہ، حج، زکوۃ) پھر میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔حتی کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرتا ہے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں۔میں نے جو کام کرنا ہوتا ہے اس کے کرنے میں مجھے کبھی اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا کسی مومن کی جان قبض کرتے وقت تردد ہوتا ہے۔وہ موت کو نا گوار جانتا ہے اور میں بھی اس کو تکلیف دینا نہیں چاہتا۔حالانکہ موت تو اسے آنی ہی ہے"۔(ضرور آئے گی) (بخاری شریف، حدیث نمبر 502۔۔۔مشکوۃ المصابیح، حدیث نمبر 2266)

مندرجہ بالا حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کے لیے سب سے زیادہ ضروری چیز فرائض کی پابندی ہے۔**<u>یعنی حکم کی بجا آوری ہمارا اولین فرض ہے۔اور اتباع کے بغیر حکم کی بجا آوری ممکن ہی نہیں۔</u>**

تین چیزوں سے کبھی غافل نہ ہوں فرض، قرض اور مرض۔نماز فرض ہے اس کو چھوڑنا قرض ہے۔**فرض قرض کیوں ہے؟؟؟**

حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "وہ نحر کے دن رسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) کے پیچھے سواری پر بیٹھے تھے کہ خشعم قبیلے کی ایک عورت آپ کے پاس حاضر ہوئی اور کہا"اے اللہ کے رسول (خاتم النبیین ﷺ)! اللہ تعالی کا اس کے بندوں پر فریضۂ حج، میرے والد پر اس وقت (فرض) ہوا جبکہ وہ بہت بوڑھے ہیں۔(سواری پر) سوار نہیں ہو سکتے الا یہ کہ انہیں لٹا دیا جائے تو کیا میں ان کی طرف سے حج کر لوں"؟ آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا:''ہاں۔تو اس کی طرف سے حج کر، کیونکہ اگر اس کے ذمے قرض ہوتا تو تو اسے ادا کرتی۔''(سنن نسائی، حدیث نمبر 5391)

تو فرض قرض ہوا۔یہاں پر ہمیں دیکھنا ہے کہ کیا ہماری نمازیں پوری ہیں یا قرضہ ہے؟؟ کیا ہمارے روزے پورے ہیں یا قرضہ ہے؟؟ کیا ہم نے حج کر لیا ہے یا قرضہ ہے؟؟ کیا ہم پوری زکوۃ ادا کرتے ہیں یا قرضہ ہے؟ قرآن حکیم میں کم وبیش سات سو مقامات پر نماز کا ذکر آیا ہے جن میں سے 80 مقامات پر صریحاً نماز کا حکم وارد ہوا ہے۔

حضرت حسن بصریؒ نے کیا خوب فرمایا ہے" بھیڑ بکریاں انسانوں سے زیادہ باخبر ہوتی ہیں کیونکہ وہ چرواہے کی ایک آواز پر چرنا چھوڑ دیتی ہیں اور اس کے پیچھے چل پڑتی ہیں جبکہ انسان اپنی خواہشات کی خاطر احکام الہی کی بھی پرواہ نہیں کرتا"۔

قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمد (خاتم النبیین ﷺ) کا ہمیں پاس نہیں

ہم دعوی تو کرتے ہیں نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) کی محبت کا لیکن احکام الہی کی پیروی نہیں کرتے۔تو کیا ہم محبت رسول (خاتم النبیین ﷺ) کے اس دعوی میں سچے ہیں؟؟؟ ہمیں احکام خداوندی کو پورا کرنے کے لئے اتباع رسول (خاتم النبیین ﷺ) کی دعوت دینی ہے۔

میلاد مصطفی (خاتم النبیین ﷺ) منانے کا مقصد لوگوں کو اتباع رسول (خاتم النبیین ﷺ) سے ترتیب وائز متعارف کروانا اور زندگی کو نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) کی زندگی کا نمونہ بنانے کی ترغیب دینا ہے۔ ہمیں اپنے بچوں کو یہ بتانا ہے کہ اتباع رسول (خاتم النبیین ﷺ) میں کئے گئے عمل ہی ہمارے اثاثے ہیں۔ہمارا ہر عمل دنیا کی کامیابی کے ساتھ ساتھ آخرت کی کامیابی سے جڑا ہوا ہے۔ہمیں اس دنیا میں اگر اللہ کے احکامات پر عمل کرنا ہے تو اس کے لئے قرآن پاک کو سمجھنا ہوگا (ترجمے سے پڑھنا ہوگا) اس لیے کامیابی کا حصول اتنا اہم نہیں ہے جتنا عمل کا انتخاب۔۔اس مختصر سی زندگی میں ہمارے لیے راہیں بدلنے کا وقت نہیں ہے۔ہمیں اپنے عمل کے ذریعے نبی کی پہچان اور اللہ تعالی کا قرب درکار ہے۔مندرجہ بالا حدیث قدسی اور سورہ مبارکہ کے ترجمہ سے ہمیں عمل کے انتخاب میں مدد ملتی ہے۔وہ یہ کہ قرب الہی، فرائض کی پابندی اور پھر نوافل کی زیادتی کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔یہ اللہ کا بہت بڑا کرم ہے کہ اس نے اپنے کلام کو نفلی عبادت میں رکھ دیا۔(یعنی تلاوت قرآن کو کسی خاص وقت میں پڑھنا فرض نہیں فرمایا) ہمیں فرض، واجب، سنت، مستحب کی الگ الگ پہچان ہونی چاہیے۔

قرآن پاک سورۃ صف، آیت نمبر 14 میں فرمان الہی ہے:　　　　ترجمہ:"اے ایمان والو! اللہ کے مددگار بنو"۔

دین کو غالب کرنا ہے صرف تبلیغ ہی نہیں۔۔۔نصرت درکار ہے۔نبی کی اتباع کرنے والے ہی اصل مددگار ہیں۔ہم اسلام کی کشتی میں سوار ہو گئے ہیں۔کشتی

کے مسافروں کو ساحل پر پہنچنے کے لئے صرف "صرف ونحو" کی ضرورت نہیں---انہیں تیرنا بھی آنا چاہیے۔

نبی کریم (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت اور اتباع کا تقاضہ صرف یہ نہیں ہے کہ ربیع الاول کا مہینہ آئے، میلاد منعقد کیا جائے تو دوپٹے سروں پر آجائیں، ٹی وی پر گانا گانے والیاں نعتیں پڑھنے لگیں، پیسے بٹورنے والے نعت خوان ٹولیوں میں خوب دھواں دار نعتیں پڑھیں، درود وسلام پڑھا جائے، مائک لگائے جائیں، عورتوں کی آوازیں لوگ مرد حضرات گلیوں میں سنیں، خوب پیسے اور کپڑے وغیرہ لئے جائیں اور جب یہ ماہ ختم ہوجائے تو دوپٹے سروں سے اتر جائیں، پردے غائب ہوجائیں۔۔۔ پھر نہ نمازیں یاد، نہ قرآن پاک کی تلاوت۔۔۔بس روٹین کی بدعملی کا آغاز دوبارہ شروع۔۔

لباس پارسائی سے شرافت آ نہیں سکتی
شرافت نفس میں ہو گی تو بندہ پارسا ہو گا

اس سلسلے میں سب سے پہلے سمجھنے کی بات یہ ہے کہ نعت پڑھنے کا مطلب قصیدہ کی صورت میں نبی کریم (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعریف اس انداز میں کی جائے کہ سننے والوں کے دل میں نبی کریم (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت پیدا ہوجائے۔ یہ محبت پیدا کرنے کا اگر معاوضہ لے لیا تو پھر اقامت دین کیا ہوا؟؟ کیا مدد کی ہم نے دین کو پھیلانے میں؟؟ اللہ تعالی کے حکم کو نافذ کرنے میں؟؟؟ معاوضہ ہم وصول کر چکے-اب آخرت میں اس کا کوئی اجر نہیں ہوگا۔اس سلسلے میں ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔

1) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے آپ (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا "میری امت کے علماء دو قسم کے ہیں ایک وہ کہ اللہ نے اس کو علم دیا اور اس نے لوگوں کو یہ علم کو سکھایا اور اس نے اس پر کچھ مال کی حرص نہ کی۔ یا اس نے تھوڑا سا مول لیا۔ایسے شخص کے لئے اوپر کے پرندے، سمندر کی مچھلیاں، جنگل کے چوپائے اور کراماً کاتبین رحمت بھیجتے رہتے ہیں۔وہ قیامت کے دن اللہ کے پاس رسولوں کے ہمراہ ہوگا"۔

2) ایک وہ کہ بندوں کے ساتھ اس نے بخل کیا۔یعنی علم دوسروں کو نہ سکھایا یا کم سکھایا اور زیادہ مال کی طمع کی تو ایسا شخص قیامت کے دن آگ کی لگام دیا ہوا ہوگا۔اور ایک پکارنے والا خالق کے سامنے پکارے گا "یہ فلاں شخص ہے فلاں کا بیٹا۔اللہ تعالی نے دنیا میں اس کو علم دیا تھا۔مگر اس نے طمع کا دامن پھیلایا اور لوگوں کو علم سکھانے کے عوض دام لیتا رہا۔اس کا حال اس کے لئے عذاب بن جائے گا -اس کو عذاب ہوتا رہے گا یہاں تک کہ تمام لوگوں کا عذاب ختم ہوجائے اور سب لوگوں کو حساب کتاب سے فراغت ہوجائے"۔

یاد رہے کہ ان میں مؤذن، نماز کی جماعت کروانے والے حضرات اور وہ علماء حضرات جن کی تنخواہیں مقرر کر دی گئی ہیں، شامل نہیں۔تنخواہ کے علاوہ ہدیہ قبول کرنا اور بات ہے جبکہ نیت لوگوں سے مال لینے کی نہ ہو۔لیکن نعت خوانوں کا طے کر کے معاوضہ لینا اور ترغیب کے لئے روپے نچھاور کرنا اور پھر لوگوں کے نچھاور کئے ہوئے نوٹوں کو سمیٹنا سب اللہ کی نگاہ میں ہے۔

ہم مسلمان ہیں۔مسلمان کا مطلب اللہ کو ماننے والے یعنی اقرار بلسان کرنے والے۔جبکہ مومن کا مطلب اللہ کی ماننے والے یعنی تصدیق بالقلب کرنے والے--کلمہ پڑھنے کے بعد ایمان مفصل اور ایمان مجمل پر ایمان رکھنا ہوتا ہے۔

ایمان مفصل: اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِکَتِهٖ وَکُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ

ترجمہ:"میں ایمان لایا اللہ پر اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور قیامت کے دن پر اور یہ کہ اچھی اور بری تقدیر اسی کی طرف سے ہے اور موت کے بعد جی اٹھنے پر"

اس کے بعد ایمان مجمل : اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ کَمَا هُوَ بِاَسْمَآئِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَقَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْکَامِهٖ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ

ترجمہ:"میں ایمان لایا اللہ پر جیسا کہ وہ اپنے ناموں اور صفات کے ساتھ ہے اور قبول کئے میں نے اس کے تمام تر احکامات زبان سے اقرار کرتے ہوئے اور دل سے تصدیق کرتے ہوئے"۔

اب اس میں ایک خاص بات ہے:

وَقَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْکَامِهٖ----اور قبول کیے میں نے اس کے تمام تر احکامات

اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ----زبان سے اقرار کرتا ہوں اور دل سے تصدیق کرتا ہوں

سورہ بقرہ، آیت نمبر 208 میں فرمان الہی ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ کَآفَّةً

ترجمہ: "اے ایمان والو! دین اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ"۔

یعنی لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ چلو اگر پوری اطاعت نہیں کر رہے تو کچھ نہ کچھ تو کر ہی رہے۔نماز نہیں پڑھتے تو قرآن پاک تو پڑھ لیتے ہیں۔

اب دیکھیں ہم نے اقرار کیا ہے کہ میں نے قبول کئے آپ کے تمام احکامات اور اللہ تعالیٰ بھی فرماتے ہیں کہ "اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ"-اب اگر یہی اللہ اور اس کے رسول (خاتم النبیین ﷺ) سے محبت ہے تو ہم اللہ تعالیٰ کے ذرا برابر حکم کو نہ ماننے کی جرات ہی نہیں کر سکتے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ قرآن پڑھ لیا---نمازیں بھی مسجد میں ادا کر دیں اور سودی کاروبار بھی کیا جاتا ہے۔نماز پڑھتے ہیں، رشوت کو کمیشن کا نام دے کر لیتے ہیں، جو جھوٹ، دغابازی۔عرض کیا کچھ ہے جو ہم بائی چانس مسلمان نہیں کرتے--نہ نمازیں یاد اور نہ روزوں کی پابندی-----

اللہ اور اللہ کے نبی (خاتم النبیین ﷺ) سے زبانی محبت کا دعوی صرف دھوکا ہے ہمارے نفس کا۔اصل چیز اطاعت ہے-یعنی اتباع-یعنی پیروی-یعنی نقش قدم پر چلنا-سورۃ بقرہ، آیت نمبر 85 میں فرمان الٰہی ہے: ترجمہ:" کیا تم کتاب کے بعض حصوں پر عمل کرتے ہو اور بعض (کو چھوڑتے ہو) کا انکار کرتے ہو۔پس تم میں سے جو ایسا کرے تو اس کی کیا سزا ہو سکتی ہے سوائے اس کے کہ دنیا کی زندگی میں ذلت اور رسوائی ہو۔اور قیامت کے دن (ایسے لوگ) سخت ترین عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے اور اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں ہے"۔

یہ ڈیل پیکج ہے۔دین میں پورے کے پورے داخل ہونے کا حکم ہے۔قرآن پاک سورہ بقرہ، آیت نمبر 208 میں فرمان الٰہی ہے:

ترجمہ:"اے ایمان والو! دین میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ"--لینا ہے تو پورا لو نہیں تو جاؤ اپنا کام کرو۔اللہ کو ہماری ضرورت نہیں ہے ہمیں اللہ کی ضرورت ہے۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

اطاعت + رسول کی محبت = اتباع-----اس لحاظ سے اتباع اطاعت سے بہت آگے کی چیز ہے۔اس لئے کہ نمونہ کے بغیر حکم کیسے بجالا یا جائے گا۔لیکن کامل اتباع محبت رسول (خاتم النبیین ﷺ)، ادبِ رسول، تعظیم رسول کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔محبت قرب نہیں مانگتی محبت تو رضا چاہتی ہے اور رضا---"فنائے ہستی" کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ جو آپ (خاتم النبیین ﷺ) سے دلی محبت کرتے اور آپ (خاتم النبیین ﷺ) کی رضا کے ہر دم خواہش مند رہتے ہیں-جن کا ہر عمل اللہ اور اس کے رسول (خاتم النبیین ﷺ) کے حکم کی تعمیل اور اتباع رسول (خاتم النبیین ﷺ) کے لیے اٹھتا ہے۔وہ خوش قسمت ہیں کہ میلاد مصطفی کے ساتھ ساتھ آپ (خاتم النبیین ﷺ) کے اتباع کی بھی پوری پوری کوشش کرتے ہیں۔

مجھے کچھ خبر نہیں کہ وہ عشق تھا، نماز تھی، کہ سلام تھا
میرا اشک تھا مقتدی، تیرا حرف حرف امام تھا

یاد رکھیں! کامیابی کا حصول اتنا اہم نہیں جتنا عمل کا انتخاب۔ہماری زندگی محدود ہے۔اس لیے محدود انسان کا لامحدود خواہشات کے لیے عمل کرنا---کہیں نہ کہیں راستے میں ہی دم توڑ دیتا ہے۔اپنی حدود کو پہچانے بغیر عمل ہلاکت کا باعث بن جاتا ہے۔کیونکہ ضرورت کا عمل اور چیز ہے---اور عمل کی ضرورت اور چیز---

آج ہمیں سب سے زیادہ ضرورت نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) کی تعلیمات پر عمل کرنے کی ہے۔آج عمل کا وقت ہے محاسبے کا وقت قریب ہے اپنی آنکھیں کھلی رکھیں۔سورہ طٰہٰ، آیت نمبر 126-124 میں اللہ تعالیٰ نے ایک life changing reminder دیا ہوا ہے۔

ترجمہ:"اور جو میرے ذکر سے منہ موڑے گا (قرآن پاک سے) تو میں اس کی زندگی سے سکون چھین لوں گا۔اور قیامت کے دن اس کو اندھا اٹھاؤں گا۔وہ کہے گا"اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا؟ حالانکہ دنیا میں تو میں اچھا خاصا دیکھتا تھا"۔کہا جائے گا"جس طرح دنیا میں تمہارے پاس ہماری آیتیں آئیں تھیں تو نے انہیں فراموش کر دیا۔تو آج ہم بھی تجھے فراموش کئے دیتے ہیں"۔

لاکھوں درود اور کروڑوں سلام اس صاحب جلال و جمال پر جو اس مبارک ماہ میں اس دنیا میں تشریف لائے۔نڈھال، شکستہ حال اور لاچار دل میں گھر کرنے والے، وہ کہ جن کے نام کی برکتیں لازوال اور جن کے ذکر کی رفعتیں بے کنار ہیں۔ہم جن کے امتی ہیں۔وہ ہمارے اور ہمارے آباؤ اجداد کا سرمایہ افتخار ہیں۔وہ ہمارا توشہ آخرت ہیں۔وہ جو قیامت تک ہماری آنے والی نسلوں کے لیے سرمایہ و اثاثہ سعادت رہیں گے۔(ان شاء اللہ)

ماہ رجب

ماہ رجب کی فضیلت:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:(سورہ توبہ،آیت نمبر 36)

ترجمہ:''اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سال کے مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔اور جس روز سے اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو پیدا کیا ہے اور اس روز سے چار مہینوں کو حرمت والا بنایا''۔

(1) محرم　　(2) رجب　　(3) ذی قعدہ　　(4) ذی الحج

رجب رحمت کا مہینہ:

اس مہینے کو''رحمت کا مہینہ'' کہتے ہیں۔جس کا مطلب یہ ہے کہ اس مہینے میں اللہ تعالیٰ کے بندوں پر اُس کی رحمت برسائی جاتی ہے،اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس قسم کے اعزازات اور ثواب عطا کرتا ہے جنہیں نہ کسی کی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کے کان نے سُنا،اور نہ ہی کسی انسانی دل پر ان چیزوں کا گمان گزر سکتا ہے۔حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں" بے شک رجب اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مہینہ ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی میں سوار کیا اور انہیں اور اُن کے ساتھیوں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا۔تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو بمعہ ان کے ہمراہیوں کے طوفان سے محفوظ رکھا اور زمین کو شرک اور دُشمنانِ دِین سے پاک کر دیا"۔

رجب کے مہینے کو شہر الاصم (اللہ کا خاموش مہینہ) کہنے کی وجہ:

اس ماہ کو''شہر اللہ الاصم'' بھی کہا جاتا ہے،چنانچہ جب رجب کا چاند طلوع ہوا تو حضرت عثمان غنیؓ جمعہ کے دن ممبر پر تشریف فرما ہوئے اور خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا''سنو یہ اللہ تعالیٰ کا خاموش مہینہ ہے یہ تمہاری زکوٰۃ کا مہینہ ہے،لہٰذا جس پر قرض ہو وہ اپنا قرض ادا کرے اور بقایا مال کی زکوٰۃ ادا کرے۔ابن انباریؒ کہتے ہیں اس ماہ کو(اصم)"بہرہ" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب ہمیشہ ایک دوسرے سے لڑتے رہتے تھے اور جب رجب کا چاند طلوع ہوتا تھا تو اپنے ہتھیار رکھ دیتے تھے۔حتیٰ کہ اگر کسی شخص کو اپنے باپ کا قاتل بھی اس ماہ میں نظر آجاتا تھا تو اسے کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کرتا۔گویا اس نے اسے دیکھا ہی نہیں اور نہ اس کے بارے میں کوئی خبر سُنی ہے اس لئے اس ماہ کو" شہر الاصم " کہا جاتا ہے۔

رجب کا پہلا دن اور پہلی رات:

امام شیخ ہبۃ اللہ سقفیؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے" نبی کریم خاتم النبیین ﷺ جب رجب کا مہینہ شروع ہوتا تو یوں دعا فرماتے،''اے اللہ ہمارے رجب اور شعبان اعظم کو بابرکت بنا اور ہمیں رمضان تک پہنچا''۔(مسند احمد،کنز العمال)

شیخ ہبۃ اللہ حضرت سلامہ بن قیسؓ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا''جس نے رجب کے پہلے دن کا روزہ رکھا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ساٹھ سال کے گناہ مٹا دیتا ہے''۔(غنیۃ الطالبین)

رَجب کی پہلی جمعرات کا روزہ اور نماز کی فضیلت:

حضرت خلف بن عبد اللہؒ نے بروایت حمید طویلؒ حضرت انس بن مالکؓ کا قول نقل کیا ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا''رجب اللہ کا مہینہ ہے شعبان میرا،اور رمضان میری اُمت کا مہینہ ہے''عرض کیا گیا" یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ اللہ کے مہینے سے کیا مراد ہے" ؟فرمایا"اس ماہ میں خاص طور پر مغفرت ہوتی ہے اور اس ماہ کو خونریزی سے بچایا گیا ہے۔اس ماہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کی دعائیں قبول فرمائی ہیں،اور اسی ماہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کو دشمنوں سے رہائی عطا فرمائی ہے۔جس نے اس ماہ کے روزے رکھے تو اس نے اللہ کے ذمے تین چیزیں واجب کر دیں۔تمام گزشتہ گناہوں کی معافی۔آئندہ عمر میں ہونے والے گناہوں سے باز داشت اور تیسرے یہ کہ قیامت کے دن(بڑی پیشی کے دن)پیاسے ہونے کا اندیشہ باقی نہ رہے گا"۔یہ سُن کر ایک ضعیف شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا"یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میں بڑھاپے کی وجہ سے پورے مہینے کے روزے رکھنے سے قاصر ہوں" تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا"اوّل،درمیان اور آخری تاریخ کا روزہ رکھ لو۔تمہیں پورے ماہ کے روزے رکھنے کا ثواب مل جائے گا"۔کیونکہ اس ماہ میں ہر نیکی کا ثواب دس گنا زیادہ ہے لیکن رجب کے پہلے جمعہ کی رات سے غافل نہ رہنا۔کیونکہ یہ رات ایسی رات ہے کہ فرشتے اس رات کو''لیلۃ الرغائب''،یعنی(مقاصد کی رات)کہتے ہیں۔جب اس شب کی اوّل تہائی گزر جاتی ہے تو تمام

آسمانوں اور زمین میں کوئی ایسا فرشتہ باقی نہیں رہتا جو کعبہ یا اطراف کعبہ میں جمع نہ ہو جائے۔اس وقت اللہ تعالیٰ تمام ملائکہ کو اپنے دیدار سے نوازتا ہے اور فرماتا ہے مجھ سے مانگو جو چاہو۔فرشتے عرض کرتے ہیں" اے رب ہماری عرض یہ ہے کہ رجب کے روزہ داروں کو بخش دے"۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے" میں نے انہیں بخش دیا" ۔اس کے بعد حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" جس نے رجب کی پہلی جمعرات کا روزہ رکھا اور اس کی رات شب جمعہ میں مغرب اور عشاء کی نماز کے درمیان بارہ رکعت نماز اس طرح ادا کیں کہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد تین بار سورۃ قدر اور بارہ مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھے اور ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرے، نماز سے فارغ ہونے کے بعد ستر بار درود شریف پڑھے پھر سجدے میں جائے اور سجدے میں ستر بار 'سُبوح' 'قُدُوس' 'رَبّ الْمَلَآئِکَۃِ وَالرُّوْحُ' پڑھ کر سجدے سے سر اٹھائے اور ستر مرتبہ یہ دعا پڑھے'' رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ پھر اپنی مراد مانگے اس کی مراد پوری ہوگی"۔رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے جو پابندی کے ساتھ اس نماز کو پڑھتا رہے گا، اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو معاف فرما دے گا۔قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس بندے کے گھر کے سات سو آدمیوں کے حق میں اس کی شفاعت قبول فرمائے گا۔اور اس سے کہے گا کہ اے میرے پیارے تجھے بشارت ہو یقیناً ہر شدت اور سختی سے تو نجات میں رہے گا"۔وہ شخص پوچھے گا" تو کون ہے؟ میں نے تیرے چہرے سے زیادہ حسین اور کوئی چہرہ نہیں دیکھا، تیری شیریں گفتار سے زیادہ شیریں کسی کی گفتار نہیں پائی اور نہ تمہاری خوشبو سے بڑھ کر کسی کی خوشبو سونگھی، وہ جواب دے گا اے میرے پیارے میں تیری اس نماز کا ثواب ہوں جسے تو نے فلاں فلاں سال اور فلاں فلاں مہینے میں پڑھا تھا۔آج میں اس لئے آیا ہوں کہ تیری حاجت پوری کروں اور تیری تنہائی کا شریک بنوں اور تجھ سے وحشت کو دور کردوں اور جب قیامت کے دن صور پھونکا جائے گا تو عرصہ محشر میں تیرے سر پر سایہ کروں گا۔تو اب خوش ہو جا کہ تو اب اپنے آقا کی طرف سے اپنی نیکی کو کبھی ضائع نہیں دیکھے گا (یعنی تیری نیکی کبھی ضائع نہیں ہوگی)''۔(غنیۃ الطالبین)

رجب کے روزوں کا اجر و ثواب:

شیخ امام ہبۃ اللہ بن مبارکؒ اپنی سند کے ساتھ حضرت انسؓ سے اور وہ حضرت حسنؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" جس نے رجب کا ایک دن کا روزہ رکھا وہ روزہ تیس سال کے روزوں کے برابر ہے"۔(غنیۃ الطالبین)

شیخ امام ہبۃ اللہ نے ہمیں حضرت حسنؒ بن عبداللہ مقریؒ سے روایت کرتے ہوئے خبر دی ہے کہ وہ اپنی سند کے ساتھ حضرت علاء بن کثیر سے اور وہ حضرت مکحولؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابودرداءؓ سے رجب کے روزوں کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا" تم نے ایسے مہینے کے بارے میں پوچھا ہے کہ دور جاہلیت کے لوگ بھی دور جاہلیت میں اس مہینے کی تعظیم کیا کرتے تھے اور اسلام نے اس کی فضیلت اور تعظیم میں مزید اضافہ کر دیا ہے"، پھر فرمایا" جو شخص خالص نیت سے طلب ثواب اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے اس مہینے میں ایک روزہ رکھے، اس کا یہ روزہ اس دن اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کر دے گا اور اس پر جہنم کا دروازہ بند کر دیتا ہے۔اس روزہ دار کی شام کے وقت دس دعائیں قبول ہوتی ہیں، اگر جلدی کرتے ہوئے کوئی چیز دنیا کی طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے وہی عطا فرما دیتا ہے۔ورنہ اس کی نیکیوں میں جمع ہو جاتی ہے۔جو شخص دو روزے رکھے اس کو یہ اجر بھی دیا جاتا ہے کہ وہ صدقین کے گروہ میں شامل ہو جاتا ہے۔جس نے تین روزے رکھے اس کو ایسا ہی اجر ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ افطار کے وقت فرماتا ہے کہ بے شک میرے اس بندے کا حق واجب ہو گیا، اے میرے فرشتوں میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے۔اور جو شخص رجب کے چار دن کے روزے رکھتا ہے اُسے بھی اتنا ہی ثواب ملتا ہے اور اس کے علاوہ وہ پہلے مرحلے میں کامیاب ہونے والوں میں اس کا نام ہوگا۔اور پہلے مرحلے میں اس کا نامہ اعمال اس کے سیدھے ہاتھ میں تھمایا جائے گا۔جو شخص پانچ روزے رکھتا ہے اُسے بھی اتنا ہی ثواب ملتا ہے، اور وہ قیامت کے دن اس طرح اٹھایا جائے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا۔وہ جنت میں داخل ہوگا تو اس سے کہا جائے گا کہ تو جو چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمنا کر۔جو شخص چھ روزے رکھتا ہے اُسے بھی اس قدر ثواب ملے گا اور اس کے علاوہ اسے ایک نور عطا ہوگا جس سے قیامت کے دن کا تمام اجتماع روشن ہو جائے گا۔جو شخص سات روزے رکھے گا اس کے لئے بھی اس قدر ہی ثواب ہوگا اور اس کے علاوہ جہنم کے ساتوں دروازے اس کے لئے بند کر دیئے جائیں گے۔جو شخص آٹھ روزے رکھے گا اس کے لئے بھی اس قدر ہی ثواب ہوگا اور اس کے ساتھ ہی جنت کے آٹھوں دروازے اس کے لئے کھول دیئے جائیں گے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے گا۔جو شخص نُو روزے رکھے گا اس کے لئے بھی اس قدر ہی ثواب ہوگا اس کے علاوہ اس کا نامہ اعمال علیین میں اُٹھایا جائے گا، وہ امن پانے والوں میں اٹھایا جائے گا، وہ قبر سے اس طرح نکلے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوگا۔اور اس کو کم از کم ملنے والا عطیہ یہ ہوگا کہ وہ بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہو گا۔اور جس شخص نے دس روزے رکھے اس کے لئے بھی اس قدر ہی ثواب ہوگا اس کے علاوہ وہ مقربین اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے عدل قائم کرنے والوں میں سے

ہوگا، وہ اس شخص کی مانند ہوگا جو پورا سال اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرتا ہے کہ وہ دن کو روزہ رکھتا ہے، رات کو قیام کرتا ہے، صبر کرتا ہے اور ثواب چاہتا ہے۔ اور جو شخص بیس روزے رکھے گا اُسے اس کی مثل بیس گنا زیادہ ثواب دیا جائے گا۔ اور یہ ان لوگوں میں سے ہوگا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ان کے قبہ میں ہونگے۔ جو شخص رجب کے پورے تیس روزے رکھے گا اُس کو مثل اِس کی پورے تیس گناہ زیادہ ثواب دیا جائے گا۔ اور آسمان سے ایک پکارنے والا کہے گا کہ ''اے اللہ کے ولی" کرامت عظمہ " کی تجھ کو بشارت ہو'' صحابہ اکرامؓ نے عرض کیا" یا رسول اللہ خاتم النبیین خاتم النبیین ﷺ یہ " کرامت عظمہ " کیا چیز ہے "؟ فرمایا" اللہ تعالیٰ کے جمال کی زیارت کرنا، نیز انبیاء، صدقین، شہداء اور صالحین کی رفاقت کا حاصل ہونا" کرامت عظمہ " ہے۔ اور جب اس کی موت کا وقت ہوگا تو اللہ تعالیٰ اُس کی روح قبض کرنے کے وقت اسے جنتُ الفردوس کے حوضوں میں سے شربت پلوائے گا، وہ قبر میں بھی سیراب رہے گا اور قیامت میں بھی سیراب رہے گا۔ جب وہ قبر سے نکلے گا تو اس کے پیچھے ستر ہزار فرشتے ہوں گے، وہ کہیں گے اے اللہ کے ولی اپنے رب کی طرف جلدی چل جس کے لئے تو نے دن کو روزہ رکھا اور رات کو قیام کیا اور جس کی رضا جوئی کے لئے تو نے اپنے جسم کو کمزور کر دیا۔ وہ قیامت کے دن کامیاب ہونے والے لوگوں کے ساتھ سب سے پہلے جنت عدن میں داخل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس سے راضی اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی، اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہی سب سے بڑی چیز ہے"۔ (غنیۃ الطالبین)

3) نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" رجب اللہ کا مہینہ ہے شعبان میرا اور رمضان میری امت کا"۔ (الموضوعات لابن الجوزی)

مبارک راتیں:

حضور اکرم خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد ہے: "پانچ راتیں ایسی ہیں کہ جن میں اللہ اپنے بندے کی دعا کو رد نہیں کرتا، ماہِ رجب کی پہلی رات، ماہِ شعبان کے وسط کی رات، جمعہ کی رات، عید الفطر کی رات اور قربانی کی رات"۔ (السید احمد الہاشمی، مختار الاحادیث النبویہ والحکم المحمدیہ حدیث نمبر 568۔)

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے بصرہ کے حاکم حجاج بن ارطاۃ کو لکھا (اور بعض کہتے ہیں کہ عدی بن ارطاۃ کو لکھا)" سال میں چار راتوں کا خاص خیال رکھو، اللہ تعالیٰ ان راتوں میں اپنی رحمت سے خوب نوازتا ہے رجب کی پہلی رات، شعبان کی پندرہویں رات، رمضان المبارک کی ستائیسویں رات اور عید الفطر کی رات"۔

حضرت خالد بن صعدانؒ فرماتے ہیں" سال میں پانچ راتیں ایسی ہیں کہ جو شخص ان کے ثواب کی اُمید اور وعدے کی تصدیق کرتے ہوئے ان میں ہمیشہ عبادت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔ رجب کی پہلی رات کو قیام کرے اور دن کو روزہ رکھے، عیدوں کی دو راتوں کو ان میں قیام کرنا، عاشورہ کی رات کو قیام کرے اور دن میں روزہ رکھے۔ شعبان کی پندرہویں شب رات کو قیام کرے اور دن میں روزہ رکھے"۔

ماہ رجب کی نفلی عبادات:

شیخ امام ہبۃ اللہ بن مبارک سقطیؒ چند سندوں سے حضرت سلمانؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں " رجب کا چاند طلوع ہوا تو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''اے سلیمانؓ جو مومن مرد و عورت اس ماہ میں تیس رکعت نماز اس طرح ادا کرے کہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ اخلاص اور سورۃ کافرون تین تین بار پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ مٹا دیتا ہے۔ اور پورا مہینہ روزہ رکھنے والوں کے برابر ثواب ملتا ہے، اور آئندہ سال تک نماز پڑھنے والوں میں شمار کرتا ہے اور ہر دن اس کے لئے شہدائے بدر میں سے ایک شہید کا عمل اٹھایا جاتا ہے۔ اور ہر روزے کے بدلے اس کے لئے ایک سال کا ثواب لکھا جاتا ہے اور ایک ہزار درجے بلند کئے جاتے ہیں۔ اگر وہ پورا مہینہ روزہ رکھے اور یہ نماز پڑھے تو اللہ تعالیٰ اُسے جہنم سے نجات عطا فرمائے گا۔ اور اس کے لئے جنت واجب ہو جائے گی اور وہ اللہ تعالیٰ کے جوارِ رحمت میں ہوگا"۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" حضرت جبرائیلؑ نے مجھے اس کی خبر دی ہے اور عرض کیا ہے " یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ یہ نماز مسلمانوں، مشرکین اور منافقین کے درمیان فرق کرنے والی نماز ہے (یعنی منافق یہ نماز نہیں پڑھ سکتے)"۔ حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا" یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ اس کے پڑھنے کا طریقہ اور وقت بتایئے"۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" اے سلمانؓ اس مہینے کے شروع میں دس رکعتیں ادا کر، ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد تین بار سورۃ کافرون اور تین بار سورۃ اخلاص پڑھ، دس رکعتیں ادا کرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر چوتھا کلمہ پڑھیں، پھر دعا کریں اور دونوں ہاتھوں کو منہ پر پھیر لیں۔ اس طرح مہینے کے درمیان میں دس رکعتیں ادا کریں۔ اور پھر مہینے کے آخیر میں دس رکعتیں ادا کریں، اللہ تعالیٰ ہر حاجت پوری کرے گا۔ ہر رکعت کے بدلے ایک ہزار رکعت کا ثواب لکھا جائے گا، اور جہنم سے آزادی کا پروانہ اور پُل صراط سے آسانی سے گزرنا لکھا جائے گا''۔ (یعنی تینوں عشروں میں دس دس رکعتیں پڑھنی ہیں (2+2+2+2+2) اِس طرح یہ تیس رکعت ہوئیں"۔ (غنیۃ الطالبین)

ستائیس رجب کے روزے کی فضیلت:

ہمیں امام شیخ ہبۃ اللہ سقطیؒ نے خبر دی اور اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا کہ انہوں نے نقل کیا کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''میں نے رجب کی ستائیس تاریخ کا روزہ رکھا، اس کے لئے ساٹھ ماہ کے روزوں کا ثواب لکھا جائے گا۔ یہی وہ پہلا دن ہے جس میں حضرت جبرائیلؑ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ پر رسالت لے کر اُترے''۔ (الاتحاف)

ماہ رجب میں دعاؤں کی قبولیت:۔

ماہ رجب میں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ توبہ قبول ہوتی ہے۔ اس ماہ میں اللہ سے دعا اور توبہ کرتے رہیں۔ کوشش کریں کہ کسی کا دل نہ دکھائیں، صدقہ وخیرات کریں، والدین سے دعائیں لیں، بزرگوں سے دعائیں لیں۔

اس سلسلے میں شیخ ہبۃ اللہ نے بالا سناد حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہ بن علی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا "ہم طواف میں مشغول تھے کہ ایک آواز سنی۔ کوئی شخص کہہ رہا تھا" اے وہ ذات جو تاریکیوں میں غم زدہ کی دعا قبول کرتا ہے۔ اے وہ ذات! جو بیماریوں کے ساتھ غم اور بلاؤں کو دور کرتا ہے۔ میں دعا کر رہا ہوں اور چشم الہی نہیں سوئی ہے۔ اے وہ کہ جس کی بخشش کی طرف لوگ اشارہ کرتے ہیں کون ہے جو گناہوں کو معاف کرے اور بخشش کرے"۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مجھ سے میرے والد نے فرمایا "اے حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم سن رہے ہو کہ وہ اپنے گناہوں پر کس طرح رو رو کر اپنے رب کو پکار رہا ہے؟ تم ادھر جاؤ شاید کہ وہ تم کو مل جائے تو اسے بلا لاؤ"۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں "میں اس طرف گیا اور وہ مجھے مل گیا۔ میں نے اسے دیکھا کہ وہ ایک خوبصورت چھریرے بدن کا آدمی ہے۔ اس کے کپڑے صاف تھے اس سے خوشبو آ رہی تھی۔ مگر اس کا سیدھا ہاتھ شل تھا۔ میں نے اس سے کہا "امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے تمہیں بلایا ہے"۔ یہ سن کر وہ شخص اٹھا اور مفلوج حصہ کو گھسیٹتا ہوا حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس پہنچ گیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا "تم کون ہو؟ اور یہ کیا ہوا ہے"؟ اور اس کا حال معلوم فرمایا؟ اس شخص نے کہا "امیر المومنین اس شخص کا کیا حال دریافت فرماتے ہیں جو عذاب الہی میں گرفتار ہوا ہو اور اہل وعیال کی خدمت سے روک دیا گیا ہو"۔ (اپاہج ہو گیا ہو)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے اس کا نام دریافت فرمایا۔ اس نے بتایا کہ "اس کا نام منازل بن الحق ہے"۔ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے اس سے پوچھا "تمہارا قصہ کیا ہے"؟ اس نے جواب دیا "امیر المومنین میں لہو ولعب اور عیش وطرب میں سارے عرب میں مشہور تھا۔ میدانوں میں گھوڑے دوڑانے کے علاوہ مجھے کچھ کام نہ تھا۔ غفلت نے مدہوش کر رکھا تھا۔ نہ میری توبہ کا اعتبار تھا اور نہ معافی مانگنے کا۔ توبہ کرتا توڑ دیتا۔ جس فعل سے معافی مانگتا دوبارہ اسی کو کرتا۔ میری حالت یہ تھی کہ رجب اور شعبان کے مہینوں میں بھی گناہوں کے ارتکاب سے باز نہیں آتا تھا۔ میرا مہربان اور شفیق باپ مجھے گناہوں سے ڈراتا اور ہولناک انجام کے خوف سے مجھے متنبہ کرتا رہتا۔ وہ کہتا "بیٹے اللہ سے ڈر اور اس کی گرفت اور سزا بہت سخت ہے۔ اس رب کی نافرمانی کیوں کرتا ہے جو آگ کے عذاب میں مبتلا کرنے والا ہے"۔ اپنے باپ کی نصیحتوں پر میں اسے بھی برا بھلا کہتا۔ میرا باپ مجھے مسلسل نصیحت کرتا۔ وہ کہتا "بیٹے تیرے ظلم سے بہت سے ہاتھ فریادی ہیں۔ حرمت والے مہینے، عزت والے فرشتے اور بہت سی راتیں تجھ سے نالاں ہیں"۔ ان نصیحتوں کے جواب میں میں اس کو مارتا پیٹتا۔ آخر اس نے ایک دن میرے مظالم سے تنگ آکر کہا "خدا کی قسم! میں روزہ رکھوں گا اور کبھی نہیں کھولوں گا۔ برابر نماز پڑھوں گا"۔ (یعنی رات کو بھی نہیں سوؤں گا)۔ چنانچہ انہوں نے ایک ہفتہ اسی طرح کیا۔ پھر اونٹنی پر سوار ہو کر مکہ معظّمہ میں حج اکبر کے لیے روانہ ہو گئے۔ اور مجھ سے کہہ گئے "میں اب حرم میں جا کر تیرے خلاف اللہ سے مدد مانگوں گا"۔ (تیرے لیے بددعا کروں گا) چنانچہ حرم میں پہنچ کر انہوں نے کعبہ کے پردے کو پکڑ کر اس طرح فریاد کی "اے وہ ذات جس کی طرف دور دور سے حاجی آتے ہیں اور تجھ بے نیاز اور یکتا ذات کے لطف وکرم کی آس لگاتے ہیں۔ میری فریاد سن "منازل میری نافرمانی سے باز نہیں آتا۔ اے رحمان! میرے بیٹے سے میرا حق لے لے۔ اے پاک ذات! لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ مجھ پر بخشش کر اور منازل کا ایک پہلو مفلوج کر دے"۔ منازل نے کہا "اس ذات کی قسم جس نے آسمان کو بلند کیا اور پانی کو چشموں سے نکالا۔ میرے والد ابھی یہاں تک ہی پہنچ پائے تھے کہ میرا دایاں پہلو مفلوج ہو گیا اور میں ان تختوں کی طرح بے حس ہو کر رہ گیا۔ جو حرم کے کونوں میں پڑے رہتے ہیں۔ لوگ صبح شام میرے پاس سے گزرتے اور کہتے "یہ وہی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالی نے اس کے باپ کی دعا قبول فرمائی"۔ اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے فرمایا "پھر تمہارے باپ نے کیا کیا"؟ منازل نے

کہا" امیر المومنین! میں نے اپنے باپ کو راضی کرلیا۔ اور جب وہ مجھ سے راضی ہو گئے تو میں نے ان سے درخواست کی کہ جس جگہ کھڑے ہو کر آپ نے میرے لیے یہ بد دعا کی تھی اسی جگہ کھڑے ہو کر آپ میرے لیے دعا کیجئے"۔ انہوں نے میری یہ درخواست قبول کر لی۔ ہم مکہ معظّمہ کے لئے روانہ ہوئے۔ اثنائے سفر میں ایک اونٹنی مل گئی۔ میں نے اپنے والد کو اس پر سوار کرا لیا اور خود اس کو لے کر چلا۔ وادی اراک میں جب ہم پہنچے تو درخت پر ایک پرندہ اس طرح پھڑ پھڑایا کہ اس کی آواز سے اونٹنی بدک گئ میرے والد اس اونٹنی سے گرے اور انتقال فرما گئے"۔

یہ تمام باتیں سن کر حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا" میں تجھے ایک دعا بتاتا ہوں جس کو میں نے نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) سے سنا۔ حضور پاک (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا تھا کہ "ایسا کوئی غمزدہ نہیں جس نے ان الفاظ میں دعا کی ہو اور اللہ نے اس کے غم کو دور نہ کیا ہو۔ اور نہ ہی ایسا کوئی مضطرب ہے جس نے اللہ تعالی سے ان الفاظ میں دعا کی ہو اور اللہ تعالی نے اس کے اضطراب کو دور نہ کیا ہو"- منازل نے کہا" بہت بہتر" (میں ضرور یہ دعا کروں گا)

حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے منازل کو یہ دعا سکھادی۔ منازل نے اللہ تعالی سے دعا کی اور اس کو اپنے مرض سے نجات مل گئی۔ چنانچہ دوسرے دن صبح وہ ہمارے پاس تندرست ہو کر آیا۔ میں نے اس سے پوچھا" منازل تو نے کیا عمل کیا"؟ منازل نے جواب دیا" جب تمام لوگ رات کو سو گئے تو میں نے امیر المومنین کی بتائی ہوئی وہی دعا تین مرتبہ پڑھی۔ غیب سی آواز آئی" تیرے لیے اللہ کافی ہے-تو نے اسم اعظم کے ساتھ اللہ تعالی سے دعا کی ہے۔ اللہ تعالی کو جب بھی اسم اعظم کے ساتھ پکارا جاتا ہے وہ ضرور دعا قبول کرتا ہے اور جو چیز طلب کی جاتی ہے وہ اسے مل جاتی ہے"۔ اس کے بعد میری آنکھ لگ گئی۔

خواب میں نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) کی زیارت سے مشرف ہوا۔ میں نے وہ دعا عرض کی حضور پاک (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا" میرے ابن عم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سچ کہا ہے۔ اس دعا میں وہ اسم اعظم ہے کہ اگر اس کو لے کر اللہ تعالی سے دعا کی جائے تو وہ ضرور قبول ہوتی ہے"۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی اور کچھ دیر کے بعد میں پھر سو گیا۔ اب خواب میں میں نے نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) سے یہ دعا سننے کی گزارش کی۔

آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا" اس طرح پڑھو:-

"الٰہی اے پوشیدہ چیزوں کے جاننے والے---اے وہ ذات جس کی قدرت سے آسمان بنائے گئے---اے وہ ذات جس کی قدرت سے زمین بچھائی گئی---اے وہ ذات جس کے نور جلال سے سورج اور چاند روشن اور پر نور ہوئے--- اے وہ ذات جس کی توجہ پاک ہر نفس پر ہوتی ہے---اے وہ ذات جس نے یوسف علیہ السلام کو غلامی کی ذلت سے نجات بخشی---اے وہ ذات جس کا کوئی دربان نہیں جس کو پکارا جائے---اے وہ ذات جس کا کوئی مصاحب نہیں جس کے پاس حاضری دی جائے---اے وہ ذات جس کا کوئی وزیر نہیں جس کو کوئی نذر دی جائے اور اس کے علاوہ نہ کوئی رب ہے جس سے دعا کی جائے---اے وہ ذات کہ جس کا کام حاجتوں کی کثرت کے باوجود بڑھتا ہی رہتا ہے---میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ حضرت محمد (خاتم النبیین ﷺ) کی آل پر رحمت نازل فرما اور مجھے میری مراد عطا کر دے۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے"۔

منازل نے کہا" یہ خواب دیکھنے کے بعد میں خواب سے بیدار ہو گیا۔ بیدار ہونے کے بعد میں نے دیکھا میں بالکل تندرست تھا"۔

حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا" اس دعا کو مضبوط پکڑلو۔ یہ عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے"۔

حاصل کلام یہ کہ کسی ذی ہوش کو یہ زیبا نہیں کہ وہ گناہوں کو، مظالم کو اور مظلوم کی بددعا کو حقیر جانے۔

حضرت ابن عباسؓ کا معمول:

حضرت ہبۃ اللہؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت حسن بصریؒ سے روایت کیا ہے" حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا طریقہ مبارک یہ تھا کہ جب رجب کی ستائیسویں تاریخ ہوتی تو صبح سے اعتکاف میں بیٹھ جاتے اور ظہر تک نماز ادا کرتے (مکروہ اوقات کو چھوڑ کر) اور جب ظہر کی نماز ادا کر لیتے تو کچھ دیر نوافل ادا کرتے پھر چار رکعت اس طرح ادا کرتے کہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد دو دو مرتبہ سورۃ فلق اور سورۃ الناس، تین بار سورہ القدر اور پچاس بار سورہ اخلاص پڑھتے پھر عصر تک مسلسل دعا مانگتے اور فرماتے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا اس دن یہی معمول تھا"۔

****

واقعہ معراج

واقعہ معراج، پیغمبرِ اسلام کے اِن واقعات میں سے ہے جنہیں دنیا میں سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ عام روایت کے مطابق یہ واقعہ ہجرت سے تقریباً ایک سال پہلے ستائیس رجب کی رات کو پیش آیا۔ اِس کا ذکر قرآن پاک میں بھی ہے اور حدیث شریف سے بھی ثابت ہے۔

☆ قرآن پاک بتاتا ہے کہ معراج کِس غرض کے لیے ہوئی؟

☆ حدیث شریف یہ بتاتی ہے کہ معراج کِس طرح ہوئی؟ اور اس سفر میں کیا واقعات پیش آئے؟۔

آپ خاتم النبیین ﷺ کو منصبِ پیغمبری پر سرفراز ہوئے 21 سال گزر چکے تھے اور آپ خاتم النبیین ﷺ کی عمر اُس وقت 52 برس تھی۔ آپ خاتم النبیین ﷺ اپنی چچازاد بہن اُمِّ ہانی کے گھر پر سو رہے تھے (دوسری روایت کے مطابق خانہ کعبہ میں تھے) کہ یکا یک حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آکر آپ خاتم النبیین ﷺ کو جگایا، نیم خفتہ و نیم بیداری کی حالت میں اُٹھا کر آپ خاتم النبیین ﷺ کو زم زم کے پاس لے گئے، آپ خاتم النبیین ﷺ کا سینہ چاک کیا اور اُس کو زم زم کے پانی سے دھویا۔ پھر اُسے علم، بُردباری، دانائی اور یقین سے بھر دیا، پھر آپ خاتم النبیین ﷺ کو سواری کے لیے ایک جانور پیش کیا گیا جس کا رنگ سفید اور قد خچر سے چھوٹا تھا، وہ برق کی رفتار سے چلتا تھا۔ اس مناسبت سے اُس کا نام بُراق تھا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ بُراق پر سوار ہوئے اور بیت المقدس پہنچے، وہاں اُن تمام پیغمبروں کو پایا جو ابتدائے آفرینش سے اُس وقت تک دنیا میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کے پہنچتے ہی نماز کے لیے صفیں بن گئیں۔ سب منتظر تھے کہ امامت کون کرواتا ہے؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ خاتم النبیین ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھا دیا اور آپ خاتم النبیین ﷺ نے سب کو نماز پڑھائی۔ پھر آپ خاتم النبیین ﷺ بُراق پر سوار ہوئے اور سفرِ معراج شروع ہوا۔ اس پورے سفر میں کل چار مرحلے ہیں۔

(1) پہلا مرحلہ ایک مسجد سے دوسری مسجد تک (مسجد کعبہ سے مسجد اقصیٰ تک)۔ (2) دوسرا مرحلہ مسجد اقصیٰ سے پوری خلا تک، پھر عرشِ معلیٰ تک۔

(3) عرشِ معلیٰ سے سدرۃ المنتہیٰ تک۔ (4) سدرۃ المنتہیٰ سے لامکاں تک۔

شبِ معراج میں اللہ تعالیٰ نے رسول خاتم النبیین ﷺ کو تمام انبیاء علیہ السلام سے ملاقات کا شرف بخشا۔ پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام، دوسرے آسمان پر حضرت یحیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام، تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام، چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام، پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام، چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

سدرۃ المنتہیٰ پر جا کر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ اِس مقام سے آگے مَیں نہ جاسکوں گا کیونکہ میرے نور میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ آگے والے نور کو برداشت کر سکے۔ حالانکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نور سے بنے ہیں، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کامل نور ہے، اس لیے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ آگے والے نور کو برداشت کرنے کی طاقت مجھ میں نہیں ہے۔

براق جمع برق۔ براق پیکرِ نور ہے، وہ ایک روشنی نہیں بلکہ لاکھوں روشنیوں کا پیکر تھا، لیکن وہ بھی وہاں جا کر رُک گیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام منبع نور ہیں، اِن کا نور تمام فرشتوں سے زیادہ ہے، وہ بھی وہاں رُک گئے، وہاں سے آپ خاتم النبیین ﷺ کا چوتھا سفر شروع ہوا۔ وہاں سے آپ خاتم النبیین ﷺ کو رَف رَف نامی سبز رنگ کے ایک نوری تخت پر سوار کیا گیا۔ رَف رَف ایک مقام پر جا کر رُک گیا اور آپ خاتم النبیین ﷺ کو اگلے سفر کے لیے نور کا ایک بقع بھیجا گیا۔ اِس بقع نور میں آپ خاتم النبیین ﷺ کو مقام "دنا" تک پہنچایا گیا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کو قُرب کی دولت میسر ہوئی تو بطور دربار ی آداب کے آپ خاتم النبیین ﷺ نے عرض کیا:

اَلتَّحِیَاتُ لِلّٰہِ وَ الصَّلَوٰاتُ وَ الطَّیِّبَاتُ

ترجمہ " تمام **قولی** عبادتیں، تمام **بدنی** عبادتیں، اور تمام **مالی** عبادتیں اللہ ہی کے لیے ہیں "۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ

ترجمہ "اے نبی آپ خاتم النبیین ﷺ پر سلام اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں"۔

محبوبِ خُدا نے تین کلمات ادا کیے تھے، تو اُن کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے تین کلمات ارشاد فرمائے۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سلام کے

جواب میں آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

"اَلسَّلَامُ عَلَیۡنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیۡن۔"

گویا آپ خاتم النبیین ﷺ نے اس موقع پر بھی اُمتیوں کو یاد رکھا اور سلام میں تمام انبیاء علیہ السلام، اولیاء کرام رحمتہ اللہ، نیک لوگ اور گناہ گار اُمتیوں کو بھی شامل کر لیا۔ جب محبوبِ خُدا خاتم النبیین ﷺ نے اپنی شفقت اور کرم سے اللہ تعالیٰ کے سلام میں اپنے ساتھ سب کو شریک کر لیا تو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے اِس خلقِ عظیم اور کرمِ عظیم سے بہ الہامِ خُداوندی متاثر ہو کر ساتوں آسمان کے فرشتوں میں سے ہر ایک نے اور ساتوں آسمان سے اوپر والے فرشتوں میں سے ہر ایک نے کہا (اَشۡهَدُ اَنۡ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشۡهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُهٗ وَ رَسُوۡلُهٗ)

ترجمہ "مَیں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور مَیں گواہی دیتا ہوں کہ محمد خاتم النبیین ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔"

اِس کے بعد بارگاہِ الٰہی سے ہمکلامی میں خاص عطیات ملے۔ (تین طرح کا علم، نماز، سورۃ بقرہ کی آخری آیات)

تین طرح کا علم:

1۔ ایک علم وہ تھا جو صرف اور صرف حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے لیے خاص تھا۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے سوا کوئی اور شخص اس علم کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔

2۔ دوسرا علم حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو ایسا عطا کیا جس کے متعلق حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو اختیار دے دیا کہ جسے وہ چاہیں اور جتنا چاہیں دے دیں۔ یہ علم طریقت ہے۔

3۔ تیسرا علم حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ عطا ہوا جس کو کائنات میں عام کر دیا گیا۔ یہ علم شریعت ہے۔

ذاتی ولایت سے سرفراز کرنے کے بعد آپ خاتم النبیین ﷺ کو تمام آسمانوں کا تفصیلی مشاہدہ کرایا گیا۔

☆ آپ خاتم النبیین ﷺ کا تعارف فرشتوں اور انسانی ارواح کی بڑی بڑی شخصیتوں سے ہوا، اِن میں نمایاں شخصیت ایک بزرگ کی تھی، جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ "یہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں"، اِن کے دائیں بائیں بہت سے لوگ تھے، حضرت آدم علیہ السلام اپنے دائیں جانب دیکھتے تو بہت خوش ہوتے اور اپنے بائیں جانب دیکھتے تو روتے تھے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے پوچھا! "اے جبرائیل علیہ السلام یہ کیا ماجرا ہے"؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ "یہ نسلِ آدم ہے، حضرت آدم علیہ السلام اپنی نسل کے نیک لوگوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور بُرے لوگوں کو دیکھ کر روتے ہیں"۔

☆ ایک جگہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے دیکھا کہ کچھ لوگ کھیتی کاٹ رہے ہیں، وہ جتنی کھیتی کاٹتے ہیں وہ اُتنی ہی بڑھتی جاتی ہے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے پوچھا "یہ کون لوگ ہیں"؟ بتایا گیا "یہ جہاد کرنے والے ہیں"۔

☆ ایک جگہ پر آپ خاتم النبیین ﷺ نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کے سر پتھروں سے کچلے جا رہے ہیں، آپ خاتم النبیین ﷺ نے پوچھا "یہ کون لوگ ہیں"؟ بتایا گیا "یہ وہ لوگ ہیں جن کی سرگرانی انہیں نماز کے لیے اُٹھنے نہیں دیتی تھی"۔

☆ آپ خاتم النبیین ﷺ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ جانوروں کی طرح گھاس کھا رہے ہیں، آپ خاتم النبیین ﷺ نے پوچھا "یہ کون ہیں"؟ کہا گیا "یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مال سے زکوٰۃ اور خیرات کچھ نہ دیتے تھے"۔

☆ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ لکڑیوں کا ایک گھٹا اُٹھانے کی کوشش کر رہا ہے اور جب یہ اُٹھتا نہیں تو کچھ اور لکڑیاں اِن میں شامل کر لیتا ہے، آپ خاتم النبیین ﷺ نے پوچھا "یہ کون احمق ہے"؟ کہا گیا "یہ اُس شخص کی مثال ہے کہ اِس پر امانتوں اور ذمہ داریوں کا اتنا بوجھ تھا کہ اُٹھائے نہیں اُٹھتا تھا مگر یہ اُن کو کم کرنے کی بجائے ذمہ داریوں کا بوجھ اور بڑھاتا جاتا تھا"۔

☆ پھر دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ہونٹ اور زبانیں قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں۔ بتایا گیا "یہ غیر ذمہ دار مقرر ہیں، جو اپنی زبانوں سے فتنے برپا کیا کرتے تھے"۔

☆ آپ خاتم النبیین ﷺ نے کچھ لوگ دیکھے کہ اُن کا آدھا دھڑ خوبصورت اور آدھا دھڑ بدصورت تھا، بتایا گیا "یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے کچھ نیکیاں اور کچھ بدیاں کیں"۔

☆ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ایک جگہ دیکھا کہ ایک پتھر سے ذرا سا شگاف ہے اور اِس میں سے ایک بڑا سا بیل نکل آیا، پھر وہ بیل اِسی شگاف میں واپس جانے کی

کوشش کر رہا ہے لیکن نہیں جاسکتا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے پوچھا "یہ کیا معاملہ ہے"؟ بتایا گیا "یہ اُس شخص کی مثال ہے، جو چھوٹے منہ سے بہت بڑی بات نکال دیتا ہے (فتنہ کی) اور پھر اس کی تلافی کرنا چاہتا ہے، لیکن نہیں کر سکتا"۔

☆ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ایک مقام پر کچھ لوگ دیکھے، جو اپنا ہی گوشت کاٹ کاٹ کر کھا رہے تھے، پوچھا "یہ کون ہیں"؟ بتایا گیا "یہ وہ لوگ ہیں جو طعنہ دیتے ہیں اور طنز کیا کرتے ہیں"۔

☆ آپ خاتم النبیین ﷺ نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ناخن تانبے کے تھے، وہ اپنے گالوں اور سینوں کو نوچ رہے تھے، بتایا گیا "یہ چغل خور ہیں"۔

☆ آپ خاتم النبیین ﷺ نے کچھ اور لوگ دیکھے جن کے ہونٹ اونٹوں سے مشابہ تھے اور وہ آگ کھا رہے تھے۔ پوچھا "یہ کون ہیں"؟ کہا گیا "یہ یتیموں کا مال کھانے والے ہیں"۔

☆ آپ خاتم النبیین ﷺ نے دیکھا کہ کچھ لوگ ہیں جن کے بڑے بڑے پیٹ سانپوں سے بھرے ہوئے ہیں، آنے جانے والے ان کو روندر ہے ہیں، مگر وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتے، آپ خاتم النبیین ﷺ نے پوچھا "یہ کون لوگ ہیں"؟ بتایا گیا "یہ سود خور ہیں"۔

☆ آپ خاتم النبیین ﷺ نے دیکھا کہ ایک آدمی کے ہاتھ میں لوہے کا آنکڑا ہے اور وہ ایک شخص کے منہ میں آنکڑا ڈال کر کھینچتا ہے، بتایا گیا "یہ جھوٹ بولنے والا ہے"

☆ آپ خاتم النبیین ﷺ کو کچھ اور لوگ نظر آئے جن کی ایک جانب نفیس اور چکنا گوشت اور دوسری جانب سڑا ہوا اور بدبودار گوشت رکھا ہوا تھا۔ وہ لوگ نفیس گوشت کو چھوڑ کر سڑا ہوا گوشت کھا رہے تھے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے پوچھا "یہ کون بیوقوف لوگ ہیں"؟ بتایا گیا "یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے حلال بیویوں کے ہوتے ہوئے حرام سے اپنی خواہش نفس پوری کی"۔

☆ آپ خاتم النبیین ﷺ نے دیکھا کہ کچھ عورتیں اپنی چھاتیوں کے بل لٹک رہی ہیں۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے پوچھا "یہ کون ہیں"؟ بتایا گیا "یہ وہ عورتیں ہیں جنھوں نے اپنے خاوندوں کے سر وہ بچے منڈ دیئے تھے جو ان کے نہیں تھے"۔

اِس کے بعد آپ خاتم النبیین ﷺ نے جہنم دیکھنے کی خواہش کی تو، جہنم تمام تر ہولناکیوں کے ساتھ سامنے آگئی، بتایا گیا "جہنم کے سات طبقات ہیں، ہر طبقہ پہلے طبقے سے ستر کروڑ گنا زیادہ گرم ہے۔ مثلاً سب سے آخری طبقہ میں منافق، پھر اُس سے اُوپر کافر، پھر صابی، پھر ابلیس۔ سب سے اوپر والے طبقے میں جو دنیا کی آگ سے ستر کروڑ گنا زیادہ گرم ہے"، یہاں پہنچ کر جبرائیل علیہ السلام خاموش ہوگئے، آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "یہاں کون لوگ آئیں گے"؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا: "یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ! یہاں آپ خاتم النبیین ﷺ کی اُمت کے وہ لوگ آئیں گے جو بغیر توبہ کیے مرجائیں گے"۔

پیشئ خُداوندی سے واپسی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے رُوداد سُن کر فرمایا! "مجھے بنی اسرائیل کا تجربہ ہے اور اندازہ ہے کہ تمہاری اُمت 50 نمازوں کی پابندی نہیں کر سکتی، جایئے اور کمی کے لیے عرض کیجئے"۔ آپ خاتم النبیین ﷺ واپس گئے اور اللہ تعالیٰ نے 10 نمازیں ترک کر دیں، پلٹے تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر کمی کے لیے کہا، آپ خاتم النبیین ﷺ بار بار جاتے رہے اور ہر بار 10 نمازیں کم کرواتے رہے، اور آخر میں آپ خاتم النبیین ﷺ گئے تو اللہ تعالیٰ نے 5 نمازیں اور کم کر دیں۔ اب پانچ نمازیں رہ گئیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ بھی زیادہ ہیں، لیکن آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "اب مجھے حیا آتی ہے"۔ بتایا گیا "جو شخص ان پانچ نمازوں کو ادا کرے گا تو اُسے 50 نمازوں کے برابر ثواب ملے گا"۔ (یعنی جو یہ پانچ نمازیں پڑھے گا تو اُس کو 50 کا ثواب ملے گا، اور جو 4 نمازیں پڑھے گا تو اُسے 4 نمازوں کا ہی ثواب ملے گا)۔

آپ خاتم النبیین ﷺ پیشئ خُداوندی سے نیچے اُترے اور بیت المقدس پہنچے تمام لوگ نماز کے لیے تیار تھے، آپ خاتم النبیین ﷺ نے نماز پڑھائی۔ پھر براق پر سوار ہوئے اور مکہ پہنچ گئے۔

مالک الملک کے عرشی مہمان! جب معراج سے واپس آئے تو ہر چیز ویسی حالت میں تھی جیسے چھوڑ کر گئے تھے، حتیٰ کہ بستر مبارک گرم تھا، وضو کا پانی بہہ رہا تھا، حجرے کی زنجیر ہل رہی تھی۔ اس بات کا اندازہ نہیں ہوسکتا کہ فی الحقیقت آپ خاتم النبیین ﷺ کو معراج میں کتنا عرصہ لگا، ہاں ایک مشہور قول کے مطابق اٹھارہ سال کے عرصے تک نظام عالم میں سکوت رہا۔

گو جدید اور قدیم فلسفہ میں منہمک اور روشن خیال لوگ اِس کو بعید از عقل کہتے ہیں، مگر معجزات کو عقل کی کسوٹی پر نہیں پرکھا جاتا۔ کیونکہ معجزہ وہ ہے جس پر عقل دنگ رہ جائے

اور انسان حیران رہ جائے۔ خاص طور پر معراج کے واقعات تو شروع سے آخیر تک سب انوکھے ہیں کہ کِس کِس قِسم کے عجائبات اللہ تعالیٰ نے وہاں نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو دکھائے۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ اتنی مُدت گزرنے پر نظامِ عالم کس طرح بدستور رہا؟ نہ پودے اپنی مقدار سے بڑھے، نہ درختوں میں فرق آیا، نہ کسی راہ کے مُسافروں کی قطعِ مسافت میں کوئی زیادتی ہوئی، نہ سونے والے اتنی طویل نیند کے بعد بیدار ہوئے، نہ ناخنوں اور بالوں میں فرق آیا اور اِتنا زمانہ گزرنے کے باوجود کوئی تبدیلی نہیں آئی؟۔

ایسا سوچنے والے اگر ایک بات پر غور کریں تو اِس میں شُبہ نہیں کہ جس طرح گھڑی کو ایک سال بند کر دیا جائے تو اُس کی سوئیاں اور پُرزے برقرار رہتے ہیں اور اگر اُس کو دوبارہ چابی دی جائے تو وہ پھر سے حرکت کرنے لگتی ہے جہاں پر رُکی تھی، وہیں سے چلنا شروع ہو جاتی ہے۔

یا پھر مثال کے طور پر ایک بہت بڑا کارخانہ ہے اُس کا مالک پورے کارخانے کو ایک بٹن کے ذریعے کنٹرول کرتا ہے، تمام مشینیں ایک بٹن سے آف (بند) اور آن (کھل) ہو جاتی ہیں۔ اب اگر کارخانے کے مالک سے اس کا کوئی دوست ملنے آجائے تو وہ چاہتا ہے کہ بالکل یکسوئی کے ساتھ دوست کے ساتھ رہے، تو اس مقصد کے لیے وہ ریموٹ کے ذریعے بٹن کو بند کر دے گا اور تمام مشینیں اِسی جگہ پر رُک جائیں گی۔ ایک مُدت کے بعد جب کارخانے کے مالک کا مہمان چلا جائے تو پھر وہ بٹن دبائے گا تو مشینیں اِسی جگہ سے حرکت کرنا شروع کر دیں گی جہاں رُکی تھیں۔ بالکل ایسی ہی مثال معراج والے واقعے کی ہے، رَب تعالیٰ کائنات کے مالک ہیں، اِس مالک کے اشارہ کرنے سے تمام کائنات میں سکوت آ گیا اور جب سکوت ٹوٹا تو کائنات وہیں سے حرکت میں آئی جہاں پر رُکی تھی۔

صبح ہوئی تو سب سے پہلے آپ خاتم النبیین ﷺ نے اپنی چچا زاد بہن اُم ہانی کو روداد سُنائی، پھر باہر نکلنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے چادر پکڑی اور کہا کہ ”خُدا کے لیے یہ قصہ لوگوں کو مت سُنایئے گا، ورنہ آپ خاتم النبیین ﷺ کا مذاق اُڑانے کے لیے ایک اور شوشہ اُن کے ہاتھ لگ جائے گا“ مگر آپ خاتم النبیین ﷺ یہ کہتے ہوئے باہر نکل گئے کہ میں ضرور بیان کروں گا۔ حرمِ کعبہ پہنچے تو ابوجہل کا سامنا ہوا۔ ابوجہل نے آپ خاتم النبیین ﷺ سے پوچھا "کوئی نئی تازہ خبر ہے؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "ہاں" اُس نے پوچھا "کیا؟" آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "میں رات کو بیت المقدس گیا تھا"۔ اُس نے حیرت سے کہا "بیت المقدس! اور رات ہی رات میں واپس آ گئے اور صبح یہاں موجود ہو؟ "۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "ہاں"۔ اُس نے کہا کہ "قوم کو جمع کروں؟ تم یہ بات اُن کے سامنے کہو گے؟" آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "ہاں بے شک "۔ ابوجہل نے سب کو آوازیں دے کر جمع کیا اور آپ خاتم النبیین ﷺ کو کہا، "اب کہو اِن کے سامنے"۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے پورا واقعہ بیان کیا۔ لوگوں نے آپ خاتم النبیین ﷺ کا مذاق اُڑانا شروع کر دیا اور کہا کہ ”2 ماہ کا سفر ایک رات میں ناممکن ہے۔ محال! پہلے تو شک تھا لیکن اب یقین ہو گیا کہ تم دیوانے ہو“۔ آناً فاناً یہ خبر سارے مکہ میں پھیل گئی۔ بہت سے نومسلم یہ خبر سُن کر اسلام سے پھر گئے۔ لوگ اِس اُمید پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آئے کہ یہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے دستِ راست ہیں اگر یہ پھر گئے تو اِسلام کی جان ہی نکل جائے گی۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ خبر سُنی تو کہا، کیا واقعی یہ بات محمد خاتم النبیین ﷺ نے فرمائی ہے؟ پھر کہا! "اگر واقعی یہ بات محمد خاتم النبیین ﷺ نے فرمائی ہے تو پھر یہ بات ضرور ٹھیک ہو گی"۔ "اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ میں تو روز سُنتا ہوں کہ اِن کے پاس آسمان سے فرشتہ اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آتا ہے“۔ یہ کہنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ حرمِ کعبہ پہنچے، حضور پاک خاتم النبیین ﷺ وہاں موجود تھے اور ہنسی اُڑانے والا مجمع بھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آپ خاتم النبیین ﷺ سے پوچھا "کیا واقعی یہ بات آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمائی ہے"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "ہاں" آپ خاتم النبیین ﷺ کے اِس جواب پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا "بیت المقدس میرا دیکھا بھالا ہے، آپ خاتم النبیین ﷺ ذرا وہاں کا نقشہ تو بیان کر دیں"۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فوراً نقشہ بیان کرنا شروع کر دیا اور ایک ایک چیز کو ایسے بیان کیا گویا سب کچھ دیکھ کر بیان فرما رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اِس تدبیر سے لوگوں کو شدید ضرب لگی، مجمع میں بکثرت ایسے لوگ موجود تھے جو تجارت کی غرض سے بیت المقدس جایا کرتے تھے، وہ سب لوگ دلوں میں قائل ہو گئے کہ نقشہ بالکل ٹھیک ہے۔ اب لوگ آپ خاتم النبیین ﷺ سے مزید ثبوت مانگنے لگے، آپ خاتم النبیین ﷺ نے بتایا کہ راستہ میں فلاں تجارتی قافلہ جا رہا تھا، قافلے والے کے اونٹ براق سے بھڑک اُٹھے تھے اور ایک اونٹ فلاں وادی کی طرف بھاگ نکلا تھا، مَیں نے قافلے والوں کو اُس کا پتا بتایا تھا۔ واپسی پر فلاں وادی میں فلاں قافلہ ملا تھا، سب لوگ سو رہے تھے۔ مَیں نے اُن کے برتن سے پانی پیا اور اِس بات کی علامت چھوڑ دی کہ اِس سے پانی پیا گیا ہے۔ ایسے ہی کچھ اور ثبوت آپ خاتم النبیین ﷺ نے دیئے اور بعد میں آنے والے قافلوں نے اِن ثبوتوں کی تصدیق کر دی۔ اِس طرح تمام لوگوں کی زبانیں بند ہو گئیں۔

نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معراج اور بیت المقدس کی طرف سفر مبارک

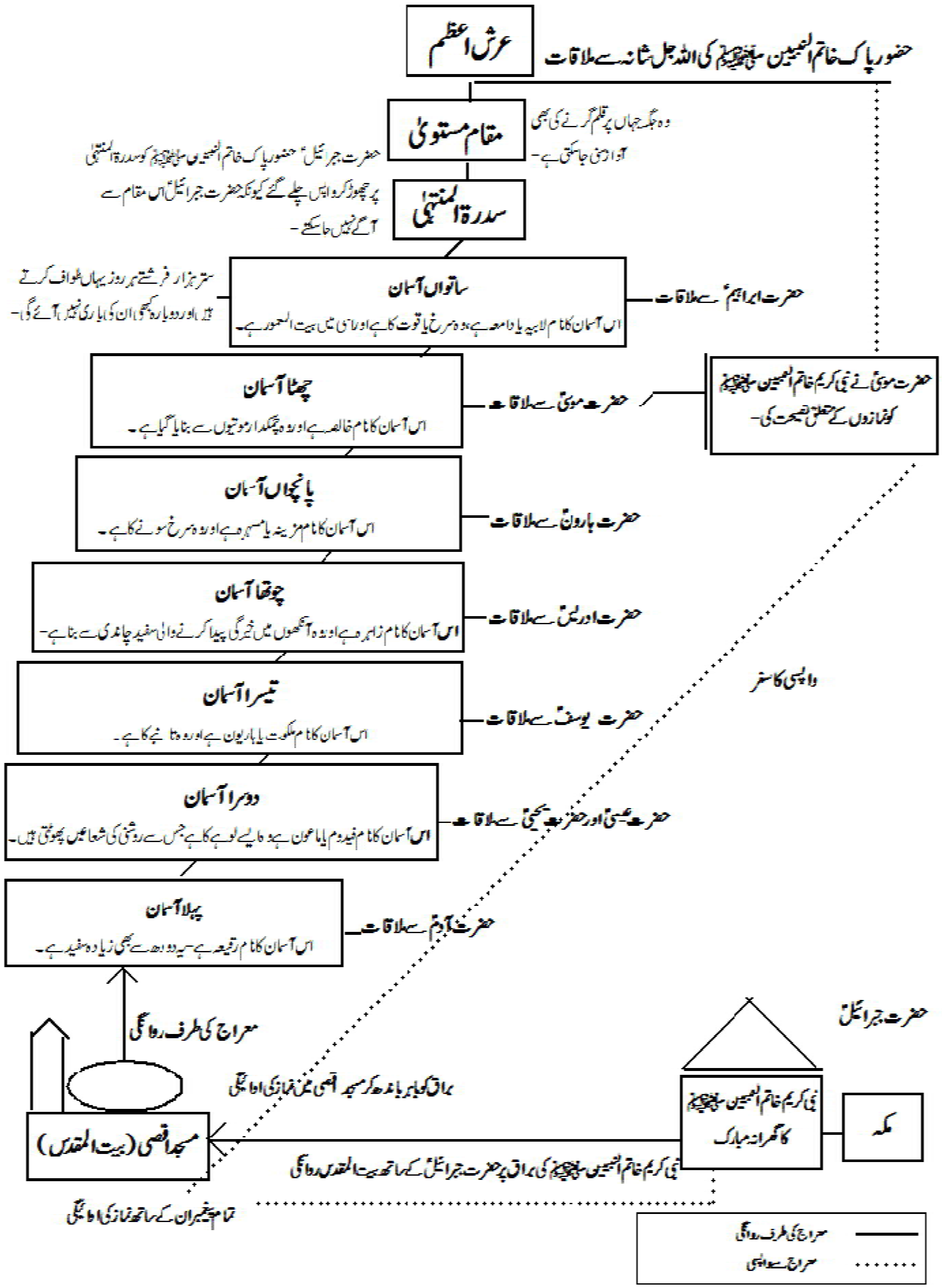

ماہ شعبان المعظم

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا پسندیدہ مہینہ:-

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "رجب اللہ کا مہینہ ہے، شعبان میرا اور رمضان میری امت کا"۔(الموضوعات لابن الجوزی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ شعبان سے زیادہ اور کسی مہینہ میں روزے نہیں رکھتے تھے، شعبان کے پورے دنوں میں آپ خاتم النبیین ﷺ روزہ سے رہتے۔آپ خاتم النبیین ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ " عمل وہی اختیار کرو جس کی تم میں طاقت ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ (ثواب دینے سے) نہیں تھکتا۔تم خود ہی اکتا جاؤ گے"۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ اس نماز کو سب سے زیادہ پسند فرماتے جس پر ہمیشگی اختیار کی جائے خواہ کم ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ جب کوئی نماز شروع کرتے تو اسے ہمیشہ پڑھتے تھے"۔(صحیح بخاری، حدیث نمبر 1970)

شعبان گناہوں کو دور کرنے والا ہے اور رمضان بالکل پاک کردینے والا ہے'۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''رجب اور رمضان کے درمیان شعبان کا مہینہ ہے لوگ اس کی طرف سے غفلت کرتے ہیں حالانکہ اس ماہ میں بندوں کے اعمال رب العالمین کے ہاں پیش کئے جائیں گے۔اس لئے میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میرے اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں اس طرح پیش ہوں کہ میرا روزہ ہو'۔(الکنز)

شعبان کو شعبان کہنے کی وجہ:- حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''رجب کا شرف اور فضیلت باقی مہینوں پر ایسی ہے جیسے دوسرے کلاموں پر قرآن پاک کی فضیلت۔اور تمام مہینوں پر شعبان کی فضیلت ایسی ہے جیسے تمام انبیاء پر میری فضیلت، اور دوسرے مہینوں پر رمضان کی فضیلت ایسی ہے جیسے تمام کائنات پر اللہ تعالیٰ کی فضیلت'۔(تنزیہ الشریعۃ)

حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے "نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے اصحاب جب شعبان کا چاند دیکھ لیتے تو قرآن پاک کی تلاوت میں منہمک ہو کر محو ہو جاتے اور اپنے مالوں کی زکوٰۃ نکالتے، تاکہ مسکین اور غریب مسلمانوں میں بھی روزہ رکھنے کی سکت پیدا ہو جائے۔حکام قیدیوں کو طلب کرتے،جس پر حد قائم کرنا ہوتی اس پر حد قائم کرتے اور باقی مجرموں کو آزاد کردیتے۔سوداگر اپنے قرضے ادا کرتے اور دوسروں سے اپنا قرض وصول کرتے، اور جب رمضان المبارک کا چاند نظر آجاتا تو دنیا کے تمام کاموں سے فارغ ہو جاتے---روزے، تراویح اور اعتکاف کا اہتمام کرتے"۔

لفظ شعبان کے معنی: - لفظ شعبان میں پانچ حرف ہیں ش۔ع۔ب۔الف۔ن (ش سے شرف) (ع سے علو۔ بلندی سے) (باء سے بر۔نیکی) (الف سے الفت) اور (ن سے نور) ماخوذ ہے اس مہینے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کو یہ چیزیں عطا ہوتی ہیں۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں نیکیوں کے دروازے کُھل جاتے ہیں اور برکات کا نزول ہوتا ہے۔گناہ چھوڑ دیئے جاتے ہیں اور برائیاں مٹادی جاتی ہیں۔اور تمام مخلوق میں سے بہترین شخصیت نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی بارگاہ میں کثرت سے یہ درود شریف بھیجا جاتا ہے یہ مہینہ حضور خاتم النبیین ﷺ پر درود پڑھنے کا خاص مہینہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، (سورۃ الاحزاب، آیت نمبر 56)

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَ سَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا ۝

ترجمہ:"بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی (خاتم النبیین ﷺ) پر، اے ایمان والو تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو ادب کے ساتھ"۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے درود بھیجنے کا مطلب رحمت بھیجنا ہے فرشتوں کی طرف سے درود شریف شفاعت اور استغفار اور مومنوں کی طرف سے درود دعا و ثناء ہے۔حضرت ابن عطارؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ پر درود شریف سے مراد وصل ہے، فرشتوں کی طرف سے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ پر درود شریف سے مراد دل کی نرمی ہے، اور مومنوں کی طرف سے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ پر درود شریف سے مراد اتباع و محبت ہے۔

ایک بزرگ کا قول ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے درود شریف تعظیم و حرمت ہے فرشتوں کی طرف سے درود شریف اظہار کرامت ہے اور مومنوں کی طرف سے درود شریف طلب شفاعت ہے۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد ہے "جو شخص ایک بار مجھ پر درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمت نازل فرماتا ہے"۔(مسلم، نسائی، احمد)

اسلئے دانش مند مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس مہینے میں غافل نہ رہے، بلکہ رمضان کے استقبال کی تیاری شروع کردے۔گزشتہ اعمال سے توبہ کر کے گناہوں سے

پاک ہوجائے، ماہِ شعبان میں اللہ تعالیٰ کے آگے آہ وزاری کرے، رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کا وسیلہ پکڑے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کی خرابی کو دور فرما کر دل کا علاج کردے۔اس سلسلے میں تاخیر اور لیت ولعل سے کام نہ لے اور یہ نہ کہے کہ کل کرلوں گا۔اس لئے کہ دن تو صرف تین ہی ہیں، ایک کل جوگزر گیا ایک آج جو عمل کا دن ہے اور ایک آنے والا کل جس کی صرف اُمید ہی اُمید ہے کہا نہیں جاسکتا کہ وہ دن آئے گا بھی کہ نہیں گزرا ہوا کل ایک نصیحت ہے آج کا دن غنیمت ہے اور آنے والا دن صرف ایک خیالی چیز ہے۔

ضعیف احادیث کی حقیقت یا اہل سنت والجماعت اور عمل بالحدیث:

1- **متواتر حدیث:**-اگر حدیث کے ہر لیول پر بہت سے راوی موجود ہوں-یعنی حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہما نے سنا ہو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہما سے کئی تابعین نے سنا-- پھر ہر تابعین سے کئی تبع تابعین نے سنا ہو-اور ہر درجے پر کئی راوی موجود ہوں تو ایسی حدیث کو **متواتر حدیث** کہتے ہیں- یہ حدیث کا بہت اونچا درجہ ہے-

2- **مشہور حدیث:**-اگر حدیث میں راویوں کی تعداد ہر سطح پر کم از کم تین ہو-(تین سے زیادہ ہیں تو تب وہ متواتر حدیث ہوگی) تو وہ **مشہور حدیث** ہوگی-

3- **غریب حدیث:**-اگر حدیث میں کوئی ایک راوی ہے تو اس کو **غریب حدیث** کہیں گے یا **خبر واحد** کہیں گے-

4- **مرفوع حدیث:**-**لغوی اعتبار سے مرفوع** رفع کا اسم مفعول ہے جس کے معنی ہیں بلند ہونا۔حدیث کو یہ نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کی نسبت اس ہستی کی طرف ہے جن کا درجہ بہت بلند ہے یعنی حضرت محمد مصطفی خاتم النبیین ﷺ سے ۔

اصطلاحی مفہوم میں ایسی حدیث کو مرفوع کہا جاتا ہے جس کی نسبت رسول پاک خاتم النبیین ﷺ سے کی گئی ہو۔اس حدیث میں آپ خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد، عمل، کوئی صفت، تقریر یا خاموشی کے ذریعے کسی کام کی اجازت دی گئی ہو۔یہ حقیقت کسی صحابی نے بیان کی ہو یا کسی اور نے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

حدیث کی سند خواہ مرسل، منقطع، متصل یا موصول ہو، وہ مرفوع ہی کہلائے گی۔اس تعریف کے اعتبار سے مرفوع میں مرسل، متصل یا موصول، منقطع ہر قسم کی روایات شامل ہوجاتی ہیں۔المختصر وہ حدیث جس کی سند نبی کریم خاتم النبیین ﷺ تک پہنچی ہوئی ہو **مرفوع حدیث** کہلاتی ہے-

☆ **مرسل حدیث:**-علم حدیث میں مرسل سے مراد وہ حدیث ہے جس میں سلسلہ سند کسی صحابی پر ٹوٹتا ہو یعنی تابعی براہ راست آنحضرت سے روایت کرے۔

☆ **متصل حدیث:**-علم حدیث میں اس سے مراد وہ حدیث ہے جس کے تمام راوی ایک دوسرے سے متصل یا ملے ہوئے ہوں۔حدیث کی اس قسم کو موصول کا نام بھی دیا جاتا ہے-

☆ **منقطع حدیث:**-علم حدیث میں منقطع سے مراد وہ حدیث ہے جس میں سلسلہ سند کسی صحابی پر نہیں بلکہ کسی اور درجہ میں تابعی یا تبع تابعی پر ٹوٹتا ہو۔

5- **موضوع حدیث:**-سب سے نیچے جو درجہ آتا ہے وہ ہے **موضوع حدیث**-جس کے بارے میں محدثین نے تحقیق کر کے چھان بین کر کے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ یہ گھڑی ہوئی حدیث ہے یا جھوٹی حدیث ہے-اس کی حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی طرف نسبت صحیح نہیں ہے- محدثین نے ان موضوع احادیث کو جمع کر کے ایک کتاب کی شکل دے دی ہے-جس کا نام ہے " **کتاب الموضوعات** "-

6- **ضعیف حدیث:**-اس کے بعد آتی ہے **ضعیف حدیث** (کمزور حدیث)

ضعیف حدیث اسے کہتے ہیں جس میں کسی ایک راوی کے بارے میں شک ہوگیا کہ یا تو اس کا کردار معیاری نہیں تھا یا اس کی سیرت اس کے معاملات درست نہیں تھے- اس روایت کے اندر گویا ایک کڑی کمزور ہے یا یہ کہ کسی ایک راوری کے بارے میں معلوم ہو کہ اس کا حافظہ کمزور ہے تو اس میں بھی شک پڑ جائے گا-اگر ان دو میں سے کوئی ایک نقص پایا جائے تو وہ حدیث **ضعیف حدیث** کہلاتی ہے-

اگر کسی حدیث کے ساتھ لکھ دیا جائے **ضعیف حدیث**-تو کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس کو چھوڑ دو--- یہ حدیث نہیں ہے-جبکہ ضعیف حدیث کے اندر بہت سی اعلیٰ احادیث موجود ہوتی ہیں-جس میں علم اور حکمت کے موتی موجود ہوتے ہیں-اس کی وجہ یہ ہے کہ:

ایک ہے سچ کا سچ ہونا-ایک ہے سچ کا سچ ثابت ہوجانا--- کتنے سچ ہوتے ہیں جو اپنی جگہ سچ ہیں لیکن ہم ثابت نہیں کر سکتے-اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو سچ ثابت نہ ہو

سکے وہ جھوٹ ہے-- سچ ثابت نہیں ہو سکا یہ اپنی جگہ بات ہوئی ---لیکن پھر کیا ہم اس کو کہیں گے کہ وہ جھوٹ ہے؟ یہ نہیں مانا جاتا--تو حدیث ضعیف جو ہے وہ کمزور تو ہے لیکن حدیث موضوع نہیں ہے---وہ مکروہ نہیں ہے---وہ چھوڑی نہیں جائے گی---ہاں! اس میں سے کوئی حکم شریعت نہیں نکلے گا-ضعیف حدیث سے شریعت کا کوئی حکم نافذ نہیں ہوگا-

امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ ضعیف احادیث فضائل کے ضمن میں قابل قبول ہیں جس میں کسی عمل کی فضیلت بیان کی گئی ہو ان کو اختیار کیا جا سکتا ہے- ہمارے بڑے بڑے مصنفین آئمہ نے ضعیف احادیث کو اپنی کتابوں میں شامل کیا ہے-- حالانکہ سند کے اعتبار سے وہ ثابت تو نہیں ہو سکیں-لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ جھوٹی ہیں یا گھڑی ہوئی ہیں-

صحیح احادیث صرف بخاری اور مسلم میں ہی نہیں ہیں-اس لئے کہ احادیث کی صحت کا دارومدار اس بات پر ہوتا ہے کہ اس کی اسناد و اصول احادیث کی شرائط پر پوری اترتی ہیں یا نہیں؟

چنانچہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے علاوہ سینکڑوں آئمہ احادیث نے احادیث کے مجموعے مرتب فرمائے ہیں، ان میں جو احادیث بھی مذکورہ شرائط پر پوری اترتی ہیں وہ درست ہوتی ہیں۔ بلکہ یہ عین ممکن ہے کہ ان کتابوں کی کچھ احادیث سنداً صحیحین سے بھی اعلیٰ اور معیاری ہوں۔

مثلاً ابن ماجہ صحاح ستہ میں چھٹے نمبر پر ہے-صحاح ستہ سے مراد حدیث پاک کی چھ مشہور و معروف کتابیں ہیں:

(۱) صحیح بخاری (۲) صحیح مسلم (۳) سنن نسائی (۴) سنن ابی داؤد (۵) جامع ترمذی (۶) سنن ابن ماجہ۔ ان چھ کتابوں کو "اصولِ ستہ، صحاحِ ستہ، کتبِ ستہ اور امہات ست" بھی کہتے ہیں) ابن ماجہ میں بعض احادیث اتنی اعلیٰ سند کے ساتھ ہیں کہ صحیحین میں اتنی اعلیٰ سند کے ساتھ نہیں ہیں۔

آئمہ محدثین کے درمیان سینکڑوں فقہی مسائل میں اختلاف واقع ہوا ہے، ان کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ہر مجتہد کا طرز عمل، استدلال اور طریقہ استنباط (اخذ کرنا-معلوم باتوں سے نامعلوم بات دریافت کرنے کا عمل) میں فرق ہے-مثلاً 1- بعض آئمہ اکرام کا طرز عمل یہ ہے کہ اگر ایک مسئلے میں احادیث بظاہر متعارض ہیں تو وہ اس حدیث کو لے لیتے ہیں جس کی سند سب سے زیادہ صحیح ہو-خواہ دوسری احادیث بھی سنداً درست ہوں۔

2- بعض آئمہ کرام کا طرز عمل یہ ہے کہ وہ ان روایات کی ایسی تشریح کرتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہو جائیں اور ان میں تعارض باقی نہ رہے-اس لئے انہیں خواہ کم درجے کی صحیح اور حسن حدیث کو اصل قرار دے کر صحیح حدیث کے خلاف ظاہر توجیہ کرنی پڑے۔

3- بعض آئمہ اکرام کا طرز عمل یہ ہے کہ وہ اس حدیث کو اختیار کر لیتے ہیں جس پر صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کا عمل رہا ہو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ احادیث کی تصحیح ایک اجتہادی معاملہ ہے-اس لیے علماء کے درمیان اس بارے میں اختلاف رہتا ہے-یعنی ایک حدیث ایک امام کے نزدیک صحیح یا حسن ہوتی ہے جبکہ دوسرا اسے ضعیف قرار دیتا ہے-

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ حدیث امام ابوحنیفہ کو صحیح سند سے پہنچی جس پر انہوں نے عمل کیا اس لیے کہ وہ خیر القرون (بہترین زمانہ) کے آدمی ہیں (تابعی ہیں) لیکن ان کے بعد کے راویوں میں سے کوئی راوی ضعیف آ گیا اس لیے بعد کے آئمہ نے اسے چھوڑ دیا لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ نے جو حدیث روایت کی وہ بالکل درست تھی۔

4- بعض اوقات کوئی حدیث ضعیف ہوتی ہے اور حدیث کے ضعیف ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ یہ بات آپ خاتم النبیین ﷺ نے کہی ہی نہیں ہے- بلکہ حدیث کے ضعیف ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی سند میں کوئی راوی ضعیف آ گیا ہے اور راوی کے ضعیف ہونے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ خدانخواستہ وہ راوی پاگل ہے بلکہ راوی کے ضعیف ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس راوی کا حافظہ قوی نہیں ہے یا وہ راوی کبھی کبھی بھولتا ہے-لیکن یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ ضعیف راوی ہمیشہ ہی بھولے گا یا ہمیشہ ہی غلط روایت کرے گا-اس لئے اگر " قوی قرائن " (حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے زمانے میں اس پر عمل ہوا ہے یا پھر صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہما کے زمانے میں اس پر عمل ہوا ہے)۔اس کی صحت پر دلالت کرتے ہوں تو اسے قبول کر لیا جاتا ہے-

جیسے کہ کوئی حدیث ضعیف تھی مگر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اور تابعین رحمۃ اللہ نے اس پر عمل کیا تو یہ اس بات کا قوی قرینہ ہے کہ یہاں ضعیف راوی نے صحیح حدیث نقل کی ہے۔اس کو "تلقی بلقبول" کہا جاتا ہے۔

ایسی احادیث کو مسلمان فقہا اور محدثین نے صحیح کہا ہے اور نہ صرف صحیح کہا ہے بلکہ اس کو صحیح سمجھ کر اس کی بنیاد پر قانون سازی کی ہے۔

5۔ بعض اوقات ایک حدیث سنداً ضعیف ہوتی ہے لیکن چونکہ وہ متعدد طریق اور سندوں سے نقل کی گئی ہوتی ہے اور اسے مختلف راوی روایت کرتے ہیں اس لئے اسے قبول کرلیا جاتا ہے۔اور محدثین اسے "حسن لغیرہ" کہتے ہیں۔

مثلاً شب برات میں جاگنے کی فضیلت ایک نہیں متعدد احادیث میں ہے جو کہ کم از کم بیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہما سے منقول ہیں-یعنی روایت کی گئیں ہیں-تو باوجود اس کے ضعف کے اس حدیث کے تحت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما، تابعین رحمۃ اللہ علیہ، تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہ، محدثین رحمۃ اللہ علیہ عظام، علماء کرام رحمۃ اللہ علیہ اور امت محمدیہ میں اس رات کو جاگ کر عبادت کرنے کا اہتمام ثابت ہے-

شبِ برات کی فضیلت اور بزرگی:- اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں سورۃ الدخان آیت نمبر 3-1 ارشاد فرماتا ہے:

حٰمٓ(1) وَ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ(2) اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِیْنَ(3)

ترجمہ:"قسم اس روشن کتاب کی۔بیشک ہم نے اُسے برکت والی رات میں اُتارا-بیشک ہم ڈرسنانے والے ہیں"۔

ان آیاتِ مبارکہ میں مذکور مبارک رات سے کونسی رات مراد ہے، اس سلسلہ میں علماءِ امت کی ایک جماعت کے مطابق اس سے مراد پندرہ شعبان کی شب ''شب براءت'' ہے۔جیسا کہ علامہ شیخ احمد بن محمد صاوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1247ھ) نے 'مبارک رات' سے شعبان کی پندرھویں رات' مراد ہونے سے متعلق لکھا ہے: ترجمہ: حضرت عکرمہ اور مفسرین کی ایک جماعت کا بیان ہے کہ ''برکت والی رات' سے مراد شعبان کی پندرھویں شب ہے اور یہ توجیہ چند امور کی وجہ سے قابل قبول ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ پندرھویں شعبان کے چار نام ہیں: (1) مبارک رات (2) براءت والی رات (3) رحمت والی رات (4) انعام والی رات۔

(حاشیۃ الصاوی علی الجلالین، ج4 ص57۔التفسیر الکبیر للرازی: سورۃ الدخان: 1)

برکت والی رات میں نزول قرآن کا صحیح مفہوم:- اس مبارک رات سے متعلق یہ تفصیل بیان کی گئی کہ رب العالمین نے اس رات قرآن مجید کو نازل فرمایا ہے اور شب قدر سے متعلق بھی قرآن کریم میں یہی تفصیل بیان کی گئی کہ وہ نزول قرآن کی رات ہے، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے: کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ کلام الٰہی شب براءت میں بھی نازل ہوا اور شب قدر میں بھی؟ شب براءت کا نام اللہ تعالیٰ نے مبارک رات رکھا ہے اور اس رات قرآن اتارا، ایسا ہی شب قدر کے لئے فرمایا کہ ہم نے قرآن اُتارا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ شب براءت میں قرآن اتارنے کی تجویز ہوئی اور شب قدر میں آسمان اول پر اُتارا، پھر تیئیس 23 سال تک تھوڑا تھوڑا کر کے دنیا میں اترتا رہا۔(فضائل رمضان، ص:23، چشتی)

مبارک چیزیں: اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بہت سی چیزوں کو مبارک کیا ہے۔

1۔ **قرآن پاک کا نام مبارک رکھا اور فرمایا** ''هٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ'' (سورہ انبیاء، آیت نمبر 50) یہ مبارک ذکر قرآن پاک کی برکت ہے کہ جس نے اسے پڑھا اسے یاد رکھا اس پر ایمان لایا اور ہدایت یافتہ ہوگیا اور جہنم سے بری ہوگیا، یہ برکت اس کے آباؤ اجداد تک جاتی ہے۔نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''جس نے قرآن پاک کو پڑھا (دیکھ کر) اللہ تعالیٰ اس کے والدین سے عذاب کو ہلکا کر دیتا ہے (اگر چہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہوں)''۔

2۔ **اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں پانی کو مبارک فرمایا ہے:** (سورۃ ق، آیت نمبر 49) ''وَ نَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا''

ترجمہ: ''اور ہم نے آسمان سے مبارک پانی اُتارا''۔

3۔ **اللہ تعالیٰ نے زیتون کو بھی مبارک کہا ہے** ارشاد خداوندی ہے: (سورہ نور، آیت نمبر 35) ''مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ''

ترجمہ: ''(مبارک زیتون کے درخت سے) یہ پہلا درخت ہے جس سے حضرت آدمؑ نے زمین پر اُترنے کے بعد کھایا، اس میں پھل بھی ہے اور روشنی بھی ہے''۔

4۔ **اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں حضرت عیسیٰؑ کو بھی مبارک فرمایا ہے: (سورہ مریم، آیت نمبر 31)** ''وَ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ''

ترجمہ: ''اس نے مجھے مبارک بنایا میں جہاں کہیں بھی ہوں''۔حضرت عیسیٰؑ کی برکت سے آپ کی والدہ ماجدہ کے لئے کھجور کے خشک درخت پر پھل لگ گیا اور آپؑ کے پاؤں کے نیچے چشمہ جاری ہوگیا۔حضرت عیسیٰؑ کی برکت سے پیدائشی اندھے اور برص کے داغ والے تندرست ہوگئے اور آپ کی دعا سے مُردے زندہ ہوگئے، اس کے علاوہ بے شمار بھلائیاں اور معجزات ظاہر ہوئے۔

5۔ **اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کعبہ شریف کو بھی مبارک کہا ہے:** (سورۃ آل عمران، آیت نمبر 96) ''اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا''

ترجمہ: ’’بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کے لئے قائم کیا گیا وہ گھر ہے جو مکہ میں ہے برکتوں والا ہے‘‘۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (سورۃ آل عمران آیت نمبر 97)　　　　　　　　　　　”وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا“

ترجمہ: ’’جو شخص اس میں داخل ہوا وہ مامون ہو گیا‘‘، یعنی جو مومن گناہوں سے توبہ کرنے کے لئے کعبہ میں داخل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو عذاب سے محفوظ کر دیتا ہے، اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے اسے بخش دیتا ہے۔

اسی طرح شبِ برات بھی برکت والی چیزوں میں سے ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی مبارک فرمایا ہے کیونکہ اہل زمین کے لئے اس رات میں رحمت، برکت، خیر، گناہوں سے معافی اور نزول مغفرت ہے۔ اس کے ثبوت میں دوسری روایت کے مجملہ ایک روایت وہ بھی ہے کہ:

ترجمہ: حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سیدنا رسول اکرم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب شعبان کی پندرھویں شب ہو تو اس رات قیام کرو اور اس کے دن میں روزہ رکھو! کیونکہ اللہ تعالیٰ اس رات سورج ڈوبتے ہی آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے: کیا کوئی مغفرت کا طلبگار ہے کہ میں اس کو بخش دوں؟ کیا کوئی رزق چاہنے والا ہے کہ میں اس کو رزق عطا کروں؟ کیا کوئی مصیبت کا مارا ہوا ہے کہ میں اس کو عافیت دوں"؟ (سنن ابن ماجہ حدیث نمبر:1388۔ شعب الایمان للبیہقی حدیث نمبر:3664۔ کنز العمال حدیث نمبر:35177)

بخشش کی رات:- سورۃ الدخان آیت نمبر 5-4 ارشاد باری تعالی ہے:-

فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ (4) اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا- اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ (5)

ترجمہ: "اس میں بانٹ دیا جاتا ہے ہر حکمت والا کام۔ ہمارے پاس کے حکم سے بیشک ہم بھیجنے والے ہیں"۔

فِيْهَا يُفْرَقُ: اس رات میں بانٹ دیا جاتا ہے۔ اس آیت اور اس کے بعد والی آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اس برکت والی رات میں سال بھر میں ہونے والا ہر حکمت والا کام جیسے رزق، زندگی، موت اور دیگر احکام ان فرشتوں کے درمیان بانٹ دیئے جاتے ہیں جو انہیں سرانجام دیتے ہیں اور یہ تقسیم ہمارے حکم سے ہوتی ہے۔

بیشک ہم ہی سَیِّدُ المرسلین، محمد مصطفی خاتم النبیین ﷺ اور ان سے پہلے انبیاء عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام کو بھیجنے والے ہیں۔

یاد رہے کہ کئی احادیث میں بیان ہوا ہے کہ 15 شعبان کی رات لوگوں کے اُمور کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے، جیسا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے حضرت نبی اکرم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کیا تم جانتی ہو اس رات یعنی پندرھویں شعبان میں کیا ہوتا ہے"؟ آپ نے عرض کیا "اس میں کیا ہوتا ہے؟ یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ!" تو حضور خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اس سال پیدا ہونے والے تمام آدمیوں کے نام اس رات فہرست میں لکھ دئے جاتے ہیں، اور اس سال فوت ہونے والے تمام انسانوں کے نام بھی فہرست میں درج کر دیئے جاتے ہیں اور اس میں لوگوں کے اعمال (رب کے حضور) پیش کئے جاتے ہیں اور ان کے رزق اتارے جانے کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے"۔ آپ نے عرض کیا "یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کیا کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر جنت میں نہیں جا سکے گا"؟ حضور اکرم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر جنت میں چلا جائے"، آپ نے یہ تین مرتبہ فرمایا: کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: "آپ بھی نہیں یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ"؟ حضور اکرم خاتم النبیین ﷺ نے اپنا دست مبارک اپنے سر انور پر رکھ کر تین مرتبہ فرمایا "نہیں، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی آغوشِ رحمت میں لئے ہوئے ہے"۔ اسے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ تین مرتبہ دہراتے رہے"۔ (مشکوۃ المصابیح، کتاب الصلاۃ، باب قیام شہر رمضان، الفصل الثالث، ۱/ ۲۵۴، الحدیث: ۱۳۰۵---شعب الایمان للبیہقی، باب ماجاء فی لیلۃ النصف من شعبان، حدیث نمبر:3675)

ان احادیث اور اس آیت میں مطابقت یہ ہے کہ فیصلہ 15 شعبان کی رات ہوتا ہے اور شبِ قدر میں وہ فیصلہ ان فرشتوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے جنہوں نے اس فیصلے کے مطابق عمل کرنا ہوتا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں ’’لوگوں کے اُمور کا فیصلہ نصف شعبان کی رات کر دیا جاتا ہے اور شبِ قدر میں یہ فیصلہ ان فرشتوں کے سپرد کر دیا جاتا ہے جو ان اُمور کو سرانجام دیں گے۔‘‘ (بغوی، الدخان، تحت الآیۃ: ۴، ۴/ ۱۳۳)

شب براءت، موت وحیات اور تقسیم رزق کا فیصلہ:- ہر شخص جانتا ہے کہ ازل سے جو ہوا اور ابد تک جو کچھ ہونے والا ہے سب کچھ لوح محفوظ میں تحریر شدہ ہے۔ البتہ سال بھر واقع ہونے والے امور سے متعلق تمام احکام کو شب براءت میں منظوری دی جاتی ہے اور فرشتے لوح محفوظ سے ان فیصلوں کو دفتروں میں نقل کرتے ہیں، اور شب قدر میں ان فائلوں کو متعلقہ فرشتوں کے حوالہ کر دیا جاتا ہے، ان فائلوں میں لکھا ہوا ہوتا ہے کہ اس سال کتنے لوگ پیدا ہوں گے، اور کتنے دنیا سے رخصت ہو جائیں گے

اور کس کو کتنا رزق ملے گا۔

حکیم بن کیسانؒ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات اپنی مخلوق کی طرف توجہ فرماتا ہے جو اس سے پاکی کا طلب گار ہوتا ہے اسے پاک کر دیتا ہے اور آئندہ (اسی رات تک) پاک رکھتا ہے۔

حضرت عطا بن یسارؒ سے روایت ہے "نصف شعبان کی رات میں تمام سال کے اُمور پیش ہو جاتے ہیں پھر لوگ سفر کو جاتے ہیں تو ان کا نام زندوں سے نکال کر مردوں میں لکھ دیا جاتا ہے کوئی نکاح کرتا ہے تو وہ بھی زندوں کی فہرست سے نکال کر مردوں کی فہرست میں لکھ دیا جاتا ہے"۔

خیر و برکت کی راتیں:- حضرت معاذؓ بن جبل نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ: ''جو شخص پانچ راتوں میں (عبادت کے لئے) جاگے اُس کے واسطے جنت واجب ہو جاتی ہے (اور وہ پانچوں راتیں یہ ہیں):

1۔ ''لیلۃ الترویہ'' (یعنی آٹھ ذی الحجہ کی رات)

2۔ ''لیلۃ العرفہ'' (یعنی 9 ذی الحجہ کی رات)

3۔ ''لیلۃ النحر'' (یعنی 10 ذی الحجہ کی رات)

4۔ ''لیلۃ الجائزہ'' (یعنی عید الفطر کی رات) جسے ہم لوگ ''چاند رات'' کہتے ہیں۔

5۔ ''لیلۃ البرأت'' (یعنی 15 شعبانُ المعظم کی رات) جسے ہم لوگ ''شب برأت'' کہتے ہیں"۔ (الترغیب والترہیب وفضائل رمضان)

شب برات کی وجہ تسمیہ:- اس رات کو شبِ برات اس لئے کہتے ہیں کہ اس شب میں دو براتیں (بیزاریاں) ہیں

1- بد بخت لوگ اللہ سے بیزار ہوتے ہیں اس لئے اللہ کی رحمت سے دور کر دیئے جاتے ہیں اللہ سے بیزاری کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی طرف سے لاپرواہی)

2- اولیاء اللہ ذلت و رسوائی اور گناہوں سے بیزار ہوتے ہیں اس لئے گناہوں سے دور کر دیئے جاتے ہیں۔

شبِ برات میں رحمت کے تین سو دروازے کھلے ہوئے ہوتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "میرے پاس نصف شعبان کی شب حضرت جبرائیلؑ آئے اور فرمایا "اے اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ آسمان کی طرف اپنا سر مبارک اٹھایئے"، میں نے ان سے دریافت کیا "یہ کونسی رات ہے"؟ انہوں نے کہا "یہ وہ رات ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے 300 دروازے کھولتا ہے اور ہر اس شخص کو بخش دیتا ہے جس نے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا بشرطیکہ وہ جادوگر نہ ہو، سود خور نہ ہو، زانی نہ ہو، عادی شراب خور نہ ہو، ان لوگوں کی اللہ تعالیٰ بخشش اس وقت تک نہیں فرماتا جب تک وہ توبہ نہ کر لیں"۔ پھر جب رات کا چوتھائی حصہ گزر گیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام پھر آئے اور فرمایا "اے اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ اپنا سر مبارک اوپر اٹھایئے" آپ نے ایسا ہی کیا آپ خاتم النبیین ﷺ نے دیکھا کہ جنت کے دروازے کھلے ہیں اور پہلے دروازے پہ فرشتہ پکار رہا ہے "خوشی ہو اس شخص کو جس نے آج رات کوئی رکوع کیا"، دوسرے دروازے پر فرشتہ پکار رہا ہے "خوشی ہو اس شخص کے لئے جس نے آج رات سجود کئے"، تیسرے دروازے پر فرشتہ پکار رہا ہے خوشی ہو اس شخص کے لئے جس نے آج دعا کی"، چوتھے دروازے پر فرشتہ پکار رہا ہے "خوشی ہو آج کی رات ذکر کرنے والوں کے لئے"، پانچویں دروازے پر ایک فرشتہ ندا دے رہا ہے "خوشی ہو اس شخص کے لئے جو آج کی رات اللہ کے خوف سے رویا"، چھٹے دروازے پر ایک فرشتہ ندا دے رہا ہے "خوشی ہو آج کی رات کلام الٰہی میں منہمک ہونے والوں کے لئے (سارے مسلمانوں کے لئے)"، ساتویں دروازے پر ایک فرشتہ ندا دے رہا ہے " کوئی ہے مانگنے والا کہ اس کی طلب کو پورا کیا جائے"، آٹھویں دروازے پر ایک فرشتہ ندا دے رہا ہے " کوئی معافی کا طلب گار ہے کہ اس کے گناہ معاف کئے جائیں" حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "اے جبرائیلؑ یہ دروازے کب تک کھلے رہیں گے"؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا "اوّل شب سے طلوع فجر تک"، اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا "اللہ تعالیٰ اس رات جہنم سے رہائی پانے والوں کی تعداد بنی کلب کی بکریوں کے بالوں کے برابر فرمائے گا"۔ (ترمذی، احمد، بیہقی)

اُمُّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تعَالیٰ عَنْہَا سے روایت ہے، نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا ''میرے پاس جبریل آئے اور کہا یہ شعبان کی پندرہویں رات ہے اس میں اللہ تعالیٰ جہنم سے اتنے لوگوں کو آزاد فرماتا ہے جتنے بنی کلب کی بکریوں کے بال ہیں مگر کافر اور عداوت والے اور رشتہ کاٹنے والے

اور (تکبر کی وجہ سے) کپڑا لٹکانے والے اور والدین کی نافرمانی کرنے والے اور شراب کے عادی کی طرف نظر رحمت نہیں فرماتا"۔ (شعب الایمان، الباب الثالث و العشر ون من شعب الایمان۔۔۔الخ، ماجاء فی لیلۃ النصف من شعبان، ۳/ ۳۸۳، الحدیث: ۳۸۳۷)

فرشتوں کی عید:- فرشتوں کے لیے پہ آسمان پر عید کی دو راتیں ہیں جس طرح مسلمانوں کے لیے زمین پر دو عیدیں ہیں، فرشتوں کی عیدیں ہیں شبِ برات اور شبِ قدر۔ اور مومنین کی عیدیں ہیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔ فرشتوں کی عیدیں رات کو اس وجہ سے ہیں کہ وہ سوتے نہیں ہیں اور مسلمانوں کی عیدیں دن میں اس لئے ہیں کہ وہ سوتے ہیں۔

شب برات کو ظاہر کرنے کی حکمت:- بعض علماء فرماتے ہیں "اس میں حکمت خداوندی ہے کہ شبِ قدر کو پوشیدہ رکھا اور شبِ برائۃ کو ظاہر کر دیا، شبِ قدر رحمت بخشش اور جہنم سے آزادی کی رات ہے اسے اللہ تعالیٰ نے اس لئے پوشیدہ رکھا ہے کہ لوگ صرف اسی رات پر تکیہ نہ کرلیں اور باقی راتوں اور دنوں میں اعمال صالحہ کرنے سے غافل نہ ہوجائیں۔ شبِ برات کو اس لئے ظاہر کر دیا گیا ہے کیونکہ یہ رات حکم وفیصلہ کی رات ہے، خوشی والم کی رات ہے، رد وقبول کی رات ہے، رسائی و نارسائی کی رات ہے، کسی کو اس رات میں سعادت نصیب ہوتی ہے اور کسی کو شفاعت، کسی کو جزا دی جاتی ہے اور کسی کو رسوا کیا جاتا ہے، کسی کو سرفراز کیا جاتا ہے اور کسی کو سرنگوں کیا جاتا ہے، کسی کو قریب کیا جاتا ہے اور کسی کو جدا کیا جاتا ہے، بہت سے کفن دھلے ہوئے تیار کئے ہوتے ہیں اور کفن پہننے والے بازاروں میں لاپرواہی اور غفلت سے گھوم پھر رہے ہوتے ہیں، بہت سے لوگ ایسے ہیں جنکی قبریں کھودی ہوئی تیار ہیں اور قبروں والے دنیا میں غرق، خوشی اور عیش میں مبتلا ہوتے ہیں، بہت سے لوگ قہقے لگا رہے ہوتے ہیں حالانکہ ان کی ہلاکت کا وقت بہت ہی قریب ہوتا ہے، بہت سے مکانوں کی تعمیر مکمل ہوچکی ہوتی ہے اور صاحب مکان کی قبر بھی تیار ہوچکی ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ سو فیصد کامیابی کے یقین پر ہوتے ہیں مگر ناکامی لکھی جاچکی ہوتی ہے، بہت سے لوگ جنت کے لیے عمل کر رہے ہوتے ہیں مگر اصل میں دوزخ کے مکین ہوتے ہیں، بہت سے لوگوں کو وصل کا یقین ہوتا ہے لیکن فراق کا منہ دیکھنا پڑتا ہے، بہت سے لوگ عطا کے امیدوار ہوتے ہیں مگر مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، بہت سے لوگ حکومت کے امیدوار ہوتے ہیں اور موت ان کے ساتھ لگی ہوئی ہوتی ہے"۔

حضرت حسن بصریؒ کا خوف آخرت:- روایت ہے "حضرت حسن بصریؒ نصف شعبان کی شب کو اپنے گھر سے باہر نکل رہے تھے اس وقت ان کے چہرے سے ایسا ظاہر ہورہا تھا جیسے کہ ان کو قبر میں دفن کر دیا گیا تھا۔ اور وہ اس سے باہر نکل کر آرہے ہیں۔ آپ سے اس گھبراہٹ اور پریشانی کی وجہ دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا ''اللہ کی قسم جس شخص کی کشتی (وسط سمندر میں) ٹوٹ گئی ہو اس کی مصیبت میری مصیبت سے کھٹن نہیں ہے'' آپ سے پوچھا گیا" کیا ہوگیا ہے؟ ایسا کیوں ہے"؟ آپ نے فرمایا "مجھے اپنے گناہوں کا تو یقین ہے لیکن میری نیکیاں معرض خطر میں ہیں معلوم نہیں ہے کہ قبول ہوتی بھی ہیں کہ نہیں"؟

شب برات کی ایک خاص عبادت:- ''صلوٰۃ خیر'' شبِ برات میں سو رکعت نماز اس طرح ادا کریں کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد دس بار سورہ اخلاص پڑھیں۔ یہ نماز 2+2 کر کے پڑھی جائے گی، یہ نماز حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے تیس صحابہ نے بیان کیا ہے کہ جو شخص اس رات میں یہ نماز پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر ستر مرتبہ شگفتہ کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ہر مرتبہ دیکھنے پر اس کی ستّر حاجات پوری کرتا ہے۔ اور سب سے کم درجے کی حاجت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادیتا ہے اس نماز کو ہر عبادت کی رات میں ادا کیا جاسکتا ہے۔

''اَللھُمَ اَعِنِی عَلیٰ غَمَرَاتِ الْمُوتِ وَسَکَرَاتِ الْمُوتِ''

ترجمہ: ''اے اللہ موت کی سختی اور اس میں طاری ہونے والی بے ہوشیوں میں میری مدد فرمایا (آمین)''۔

شب برات کی فضیلت حدیث مبارکہ کی روشنی میں:- حدیث کی مشہور کتاب بیہقی کی روایت کردہ حدیث کے مطابق سرکار دو عالم حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ نے حضرت عائشہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ''کیا تمہیں معلوم ہے کہ شعبان کی اس رات میں کیا ہوتا ہے"؟ پھر آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" اس رات میں سال میں جتنے پیدا ہونے والے ہیں ان کے متعلق احکامات لکھ دیے جاتے ہیں، اس رات میں تمام بندوں کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں اور اسی رات میں لوگوں کی روزی اترتی ہے''۔ (بیہقی)

ایک روایت میں آیا ہے "اس ماہ کی پندرہ تاریخ کو اللہ تعالیٰ ملک الموت کو ایک رجسٹر دیتا ہے اور حکم کرتا ہے کہ اس سال میں تمام مرنے والوں کے نام اس رجسٹر سے نکال کر لاؤ، چنانچہ کوئی آدمی کھیتی باڑی کر رہا ہوتا ہے کوئی نکاح کر رہا ہوتا ہے کوئی بازاروں میں گھوم رہا ہوتا ہے کوئی کوٹھی اور بلڈنگ بنانے میں مصروف ہوتا ہے

اور اسے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا نام زندوں کی فہرست سے نکال کر مردوں کی فہرست میں شامل کر دیا گیا ہے"-(ہائے ری غفلت)

حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ کا فرمان:- حضرت ابو بکرؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرہ تاریخ کو آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور ہر گناہ گار کی مغفرت فرما دیتا ہے۔سوائے مشرک کے اور ان لوگوں کے جن کے دلوں میں کینہ، عداوت اور ایک دوسرے سے بھری ہوئی دشمنی ہوتی ہے۔(سنن بیہقی)

سیدنا حضرت علیؓ کا عمل:- سیدنا حضرت علیؓ کے متعلق یہ بات ہے کہ وہ اس رات میں بار بار اپنے گھر سے نکل کر آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے تھے اور پھر فرماتے کہ حضرت داؤد بھی اس رات میں بار بار اپنے گھر سے نکل کر آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے "یہ ایسی گھڑی ہے کہ اس رات میں جو بھی دعا اللہ تعالیٰ سے مانگی جائے وہ قبول فرماتا ہے اور جو کوئی اس گھڑی میں اللہ تعالیٰ سے اپنی بخشش طلب کرتا ہے وہ اسے بخش دیتا ہے بشرطیکہ مانگنے والا (ظلم سے) ٹیکس وصول نہ کرتا ہو، بھتہ خور نہ ہو، جادوگر نہ ہو، نجومی نہ ہو، فال نکالنے والا نہ ہو، جوا کھیلنے والا یا باجا بجانے والا نہ ہو(یعنی موسیقی کا دل دادہ نہ ہو)"-(ابن ماجہ)

شب برات میں قبرستان جانے کا حکم:- آپ خاتم النبیین ﷺ سے شب برات میں قبرستان جانا ثابت ہے۔(جامع ترمذی، مشکوۃ المصابیح)

شبِ برات جو کہ بڑی فضیلت والی رات ہے اس میں اکثر حضرات لاعلمی میں خرافات کے مرتکب ہوتے ہیں آتش بازی کرتے ہیں جو کہ ایک بڑا گناہ اور پیسوں کا ضیاع ہے۔قرآن پاک میں ایسے لوگوں کو شیطان کا بھائی کہا ہے۔فرزندانِ اسلام اس رات میں اللہ کے حضور مل کے بیٹھتے ہیں توبہ کرتے ہیں اور گڑگڑاتے ہیں۔ان بہنے والے آنسوؤں میں نہ جانے کس کے آنسو اس بارگاہِ رحمت میں قبول ہو جائیں اور سب کی قسمت سنور جائے۔

قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے:(سورہ النور، آیت نمبر 31) ترجمہ:"تم سارے کے سارے مل کر اللہ کے حضور اس کی بارگاہ میں توبہ کرو تاکہ تم نجات پاؤ"۔

****

ماہِ رمضان المبارک

اللہ تعالیٰ قرآن پاک سورۃ البقرہ آیت نمبر 183 میں فرماتا ہے: یَآاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡ کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ۝

ترجمہ: ''اے ایمان والوں تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تا کہ تم پرہیز گار ہو جاؤ''۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ یاآیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡ کے لفظ سے مخاطب فرمائے تو ہمہ تن متوجہ ہو کر کان لگا کر سُنو کیونکہ اس خطاب کے بعد یا تو کسی چیز کے کرنے کا حکم صادر ہوگا یا کسی چیز کے کرنے سے منع کیا جائے گا۔

عیسائیوں کا روزوں میں اضافہ اور موسم تبدیل کرنے کی حماقت: حضرت حسن بصریؒ اور مفسرین کی ایک جماعت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ سے نصاریٰ مراد لئے ہیں۔ ان کے روزے بھی رمضان المبارک میں ہی فرض کئے گئے تھے، یعنی ان کے لئے رمضان المبارک کے روزے ہی فرض کئے گئے تھے۔ لیکن رمضان المبارک کبھی سخت گرمی میں آتا ہے اور کبھی سخت سردی میں، ان کو سخت گرمی اور سخت سردی کے روزے گراں گزرتے تھے۔ اس لئے ان کے علماء اور سردار اس بات پر متفق ہو گئے کہ موسم بہار کو روزوں کے لئے مخصوص کر لیا جائے۔ اس عمل کے کفارے کے لئے دس دنوں کے روزوں کا اضافہ کر دیا گیا، اس طرح چالیس دن کے روزے ہو گئے اس کے بعد ان کے ایک بادشاہ کے منہ میں کچھ تکلیف ہوئی اس نے منت مان لی کہ اگر اس کو اس مرض سے نجات مل گئی تو ایک ہفتہ کے روزوں کا اضافہ کردوں گا۔ یہ بادشاہ ٹھیک ہو گیا تو ایک ہفتے کے روزے بڑھا دیئے گئے۔ اس کے بعد بادشاہ نے روزے پورے پچاس کر دیئے۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ عیسائیوں میں کثرت سے اموات ہونے لگی تو علماء نے سرداروں کے مشورے سے دس روزے اور بڑھا دیئے تو یہ ساٹھ ہو گئے۔ اس کے بعد دس روزوں کا اور اضافہ کر دیا گیا تو یہ ستر ہو گئے۔ اب وہ کتنے روزے رکھتے ہیں اللہ ہی جانتا ہے؟

رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت: نبی کریم خاتم النبیین ﷺ جب مدینہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر محرم کے مہینے میں عاشورہ کا روزہ اور ہر ماہ کے تین روزے فرض کئے تھے (ایامِ بیض کے روزے) یہاں تک کہ غزوہ بدر سے ایک ماہ پہلے رمضان المبارک کے روزوں کا حکم نازل فرمایا اللہ تعالیٰ سورۃ البقرہ آیت نمبر 184 فرماتا ہے ''اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ'' یعنی گنتی کے چند دن ہیں رمضان المبارک کے کُل تیس یا اُنتیس دن ہوتے ہیں۔

رمضان کی وجہ تسمیہ: بعض علماء کا کہنا ہے کہ رمضان اللہ کے ناموں میں ایک نام ہے تو شہر رمضان کا مطلب ہوا ''اللہ کا مہینہ''

قرآن مجید نازل ہونے کا مہینہ: اللہ تعالیٰ کا فرمان سورۃ البقرہ، آیت نمبر 185 میں ہے: ''شَھۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡٓ اُنۡزِلَ فِیۡہِ الۡقُرۡاٰنُ''

ترجمہ: ''رمضان المبارک کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن پاک اُتارا گیا''۔

حضرت عطیہ بن اسودؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا کہ ''اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡمُبٰرَکَۃِ'' کا کیا مطلب ہے؟ حالانکہ قرآن پاک تو تمام مہینوں میں اترا ہے"؟ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جواب دیا کہ'' قرآن پاک رمضان المبارک کی لیلۃ القدر میں لوح محفوظ سے یکبارگی نازل ہوا اور اسے آسمان دنیا کے ''بیت العزت'' میں رکھا گیا۔ پھر حضرت جبرائیلؑ اسے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے پاس تھوڑا تھوڑا کر کے لاتے رہے اور تیئس سال میں اس کی تکمیل ہوئی''۔

آسمانی کتابوں کا نزول رمضان المبارک میں ہوا: حضرت شہاب ابن طارقؓ حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "رمضان المبارک کی تین راتیں گزرنے پر حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ان کے صحیفے نازل ہوئے جب حضرت موسیٰ پر تورات نازل ہوئی (ان کو دی گئی) تو رمضان المبارک کی چھ راتیں گزر چکی تھیں، حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور نازل ہوئی تو رمضان المبارک کی اٹھارہ راتیں گزر چکی تھیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل رمضان المبارک کی تیرہ راتیں گزرنے کے بعد نازل ہوئی، اور قرآن پاک رمضان المبارک کی چوبیسویں رات کو حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ پر نازل ہوا"۔ (اسباب النزول للواحدی، ص: ۱۵)

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا کہ: ''مِنَ الۡھُدٰی وَ الۡفُرۡقَانِ'' ترجمہ: "یہ حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والی کتاب ہے"۔ (سورہ البقرہ، آیت نمبر 185)

رمضان المبارک کے فضائل و برکات: حضرت شیخ ابو نصرؒ نے بالا اسناد حضرت سلیمان فارسیؓ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے (شعبان کے آخری دن) خطبہ دیتے ہوئے فرمایا ''اے لوگو ایک عظیم المرتبت اور برکتوں والا مہینہ سایہ فگن ہے جس میں ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے، اللہ تعالیٰ نے اس ماہ کے روزے فرض کئے ہیں اور اس ماہ کی راتوں کی عبادت کو افضل قرار دیا ہے۔ جس شخص نے اس ماہ میں ایک نیکی کی یا ایک فرض ادا کیا۔ اس کا اجر اس شخص کی طرح

ہوگا جس نے کسی دوسرے مہینے میں ستر فرض ادا کئے۔ یہ مہینہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا صلہ جنت ہے، یہ مہینہ نیکی پہنچانے کا ہے۔ اس ماہ میں مومن کی روزی میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ جس شخص نے اس ماہ میں کسی روزہ دار کو افطار کروایا اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ اس کی گردن آتش جہنم سے آزاد کر دی جائے گی۔ اور روزے دار کے روزوں کا ثواب کم کئے بغیر افطار کروانے والے کو بھی روزے دار کے ثواب کے برابر ثواب ملے گا''۔ صحابہ اکرامؓ نے عرض کیا" یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ہم میں سے ہر کوئی یہ استطاعت نہیں رکھتا کہ افطار کروا سکے"۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو یہ اجر عطا فرمائے گا جس نے ایک کھجور، یا ایک گھونٹ دودھ یا ایک گھونٹ پانی سے کسی کا روزہ کھلوایا''۔ (ترمذی، حدیث 82(807))

پہلی رات نظر رحمت: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" جب رمضان المبارک کی پہلی رات ہوتی ہے (چاند رات) تو اللہ اپنی مخلوق کی طرف توجہ فرماتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے پر نظر (توجہ) فرماتا ہے تو اسے کبھی عذاب نہیں دیتا۔ اس رات اللہ کی رحمت بھری نظر سے ہزاروں لوگ جہنم سے آزاد ہو جاتے ہیں"۔ (الموضوعات 2/190- الضعیفہ 299)

آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" ماہ رمضان میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو قید کر لیا جاتا ہے"۔ (بخاری و مسلم)

آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" اگر اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو بولنے کی اجازت عطا فرما دے تو وہ روزے داروں کو جنت کی خوشخبری دے دیتے"۔ (الاتحاف)

روزہ داروں کی نیند و اجر و ثواب: حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" روزے دار کی نیند عبادت ہے، اس کی خاموشی تسبیح ہے، اس کی دعا مستجاب ہے اور اس کا عمل دو چند ہوتا ہے"۔ (بیہقی)

رمضان المبارک میں رحمت کی برسات: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:" میری امت کو ماہِ رمضان میں پانچ ایسی خوبیاں دی گئی ہیں جو اس سے پہلے کسی امت کو نہیں دی گئیں تھیں، ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) روزے دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے ہاں کستوری سے بھی زیادہ پاکیزہ ہے، (۲) روزہ افطار کرنے تک فرشتے ان کے حق میں دعائے رحمت کرتے ہیں،

(۳) اللہ تعالیٰ ہر روز اپنی جنت کو مزین کرتا ہے اور اس سے فرماتا ہے: قریب ہے کہ میرے نیک بندے اپنی مشقتوں اور تکلیفوں سے دست بردار ہو کر تیری طرف آ جائیں،

(۴) اس مہینے میں سرکش شیطانوں کو قید کر دیا جاتا ہے اور جس طرح وہ عام دنوں میں کارروائیاں کرتے ہیں، اس مہینے میں نہیں کر سکتے، اور

(۵) اللہ تعالیٰ اس مہینے کی آخری رات میں میری امت کو بخش دیتا ہے"۔

کسی نے کہا:" اے اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ! کیا یہ شب قدر ہے"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" نہیں، نہیں، بات یہ ہے کہ مزدور کو اس وقت مزدوری دی جاتی ہے، جب وہ اپنا کام پورا کر لیتا ہے"۔ (مسند احمد)

رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اور وہ شخص مجھ پر درود نہ بھیجے، اور اس شخص کی بھی ناک خاک آلود ہو جس کی زندگی میں رمضان کا مہینہ آیا اور اس کی مغفرت ہوئے بغیر وہ مہینہ گزر گیا، اور اس شخص کی بھی ناک خاک آلود ہو جس نے اپنے ماں باپ کو بڑھاپے میں پایا ہو اور وہ دونوں اسے ان کے ساتھ حسن سلوک نہ کرنے کی وجہ سے جنت کا مستحق نہ بنا سکے ہوں" (جامع ترمذی، مشکوۃ المصابیح)

وفات حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (3 رمضان المبارک) :- یہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی سب سے چھوٹی اور سب سے لاڈلی اور چہیتی صاحبزادی ہیں۔ ان کا نام فاطمہؓ اور لقب زہرا اور بتول ہے ان کے فضائل و مناقب کتب احادیث میں بکثرت موجود ہیں ان کے درجات و مراتب اور ان کی بزرگی کے ذکر سے حدیثوں کی کتب بھری پڑی ہیں۔ 2ھ میں حضرت علیؓ سے ان کا نکاح ہوا اور حضرت علیؓ سے ان کے ہاں تین بیٹے اور تین بیٹیاں پیدا ہوئیں۔

حضرت امام حسنؓ، حضرت امام حسینؓ اور حضرت محسنؓ (یہ تین بیٹے تھے)

حضرت زینبؓ، حضرت ام کلثومؓ، اور حضرت رقیہؓ (یہ تین بیٹیاں تھیں)

حضرت محسنؓ اور حضرت رقیہؓ دونوں بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے۔

حضرت ام کلثومؓ کی شادی امیر المومنین حضرت عمرؓ سے ہوئی جن کے شکم مبارک سے ایک فرزند حضرت زیدؓ اور ایک صاحبزادی رقیہؓ پیدا ہوئیں۔ حضرت

زینب ؓ کی شادی حضرت عبداللہ بن جعفر ؓ سے ہوئی تھی۔ ان کے فرزند عون ؓ و محمد کربلا میں شہید ہوئے۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے وصال کے چھ ماہ بعد 3 رمضان 11 ہجری منگل کی رات میں آپ ؓ کی وفات ہوئی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔ (مدارج نبوت ج2 صفحہ 461 وزرقانی ج3 صفحہ 200)

ولادت حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ (15 رمضان المبارک):- آپ ؓ 15 رمضان المبارک 3 ہجری کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ رسولِ خدا خاتم النبیین ﷺ کے گھر میں آپ ؓ کی پیدائش اپنی نوعیت کی پہلی خوشی تھی۔ جب مکہ مکرمہ میں رسول خاتم النبیین ﷺ کے بیٹے یکے بعد دیگرے دنیا سے جاتے رہے تو مشرکین طعنے دینے لگے اور آپ خاتم النبیین ﷺ کو بڑا صدمہ پہنچا اور آپ خاتم النبیین ﷺ کی تسلّی کے لیے قرآن مجید میں سورہ الکوثر نازل ہوئی جس میں آپ خاتم النبیین ﷺ کو خوش خبری دی گئی ہے کہ خدا نے آپ خاتم النبیین ﷺ کو کثرتِ اولاد عطا فرمائی ہے اور مقطوع النسل آپ خاتم النبیین ﷺ نہیں بلکہ آپ خاتم النبیین ﷺ کا دشمن ہوگا۔ آپ ؓ کی ولادت سے پہلے حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے خواب دیکھا کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے جسم کا ایک ٹکڑا، ان کے گھر آ گیا ہے۔ انہوں نے رسولِ خدا خاتم النبیین ﷺ سے تعبیر پوچھی تو انہوں فرمایا کہ "عنقریب میری بیٹی فاطمہ کے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوگا جس کی پرورش تم کروگی"۔

ولادت کے ساتویں دن عقیقہ کی رسم ادا ہوئی اور پیغمبر اسلام خاتم النبیین ﷺ نے بحکم خدا اپنے اس فرزند کا نام حسین (رضی اللہ عنہا) رکھا۔ یہ نام اسلام کے زمانے سے پہلے نہیں ہوا کرتا تھا۔ سب سے پہلے رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کے بڑے نواسے کا نام قرار پایا۔ آپ ؓ کی ولادت کے بعد آپ ؓ کے نانا حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ نے دعا فرمائی کہ "اے اللہ اسے اور اس کی اولاد کو اپنی پناہ میں رکھنا"۔

وفات حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (17 رمضان المبارک):-

یہ امیر المومنین حضرت ابوبکر ؓ کی صاحبزادی ہیں۔ ان کی ماں کا نام ''ام رومان'' ہے ان کا نکاح حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے قبل ہجرت مکہ مکرمہ میں ہوا تھا لیکن کاشانہ نبوت میں یہ مدینہ منورہ میں شوال 2ھ میں آئیں۔ یہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی بہت چہیتی بیوی ہیں۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ان کے بارے میں ارشاد ہے ''کسی بیوی کے لحاف میں میرے اوپر وحی نہیں اتری۔ مگر حضرت عائشہ ؓ جب میرے ساتھ بستر نبوت پر سوتی رہتی ہیں تو اس حالت میں بھی وحی اترتی رہتی ہے''۔ (صحیح بخاری، سنن نسائی)

فقہ و حدیث کے علوم میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی بیبیوں کے درمیان ان کا درجہ بہت اونچا ہے۔ بڑے بڑے صحابہ کرام ؓ ان سے مسائل پوچھا کرتے تھے۔ عبادت میں ان کا یہ عالم تھا کہ نماز تہجد کی بے حد پابند تھیں، اور نفلی روزے بھی بہت زیادہ رکھا کرتی تھیں۔ سخاوت اور صدقات و خیرات کے معاملے میں بھی حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی سب بیویوں میں خاص طور پر بہت ممتاز تھیں۔

ام درہ ؓ کہتی ہیں کہ "ایک مرتبہ کہیں سے ایک لاکھ درہم ان کے پاس آئے۔ آپ ؓ نے اسی وقت ان سب درہموں کو خیرات کر دیا۔ میں نے عرض کیا" آپ ؓ نے سب درہم بانٹ دیئے ایک درہم بھی نہ رکھا کہ آپ ؓ گوشت خرید کر روزہ افطار فرماتیں"۔ آپ ؓ نے فرمایا ''تم نے پہلے کہا ہوتا تو ایک درہم کا گوشت منگوا لیتی''۔

یہ عمر میں حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی تمام بیویوں سے چھوٹی تھیں، مگر علم و فضل، زہد و تقویٰ، سخاوت و شجاعت، عبادت اور ریاضت میں سب سے بڑھ کر تھیں۔ آپ ؓ کے فضائل سے کتب بھری پڑی ہیں۔ 17 رمضان المبارک منگل کی رات 57ھ یا 58 ہجری میں مدینہ منورہ میں آپ ؓ کی وفات ہوئی۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ نے آپ ؓ کی نماز جنازہ پڑھائی اور رات کے وقت دوسری ازواج مطہرات کے برابر جنت البقیع کے اندر مدفون ہوئیں۔ (زرقانی ج3 صفحہ 234)

شہادت حضرت علی ؓ (21 رمضان المبارک):-

جنگ صفین:- جنگ جمل کے بعد حضرت علی ؓ نے امیر معاویہ ؓ سے مصالحت کی بھرپور کوشش کی اور معاویہ ؓ کو بیعت کی دعوت دی لیکن امیر معاویہ ؓ نہ مانے۔ انہوں نے قتل عثمان ؓ کے قصاص کو لازمی قرار دیا، آخری چارہ گر کے طور پر حضرت علی ؓ نے ذی الحجہ 36 ہجری 80000 کے لشکر جرار کے ساتھ شام کی طرف پیش قدمی کی۔ دونوں لشکر صفین کے مقام پر پہنچ گئے۔ مصالحت کی بہت کوشش کی گئی لیکن معاویہ ؓ نہ مانے۔

صفر کے مہینے میں یہ جنگ اپنی تمام تر ہولناکیوں کے ساتھ شروع ہوگئی اور کئی ماہ جاری رہی۔ جب میدان زار میں حضرت معاویہ ؓ کو ہارتی ہوئی صورت نظر آئی تو ان کے دست راس حضرت عمرو بن العاص ؓ نے قرآن پاک نیزوں پر اٹھانے کا ڈھونگ رچایا کہ ہمارے درمیان اب قرآن پاک فیصلہ کرے گا۔

تحکیم کی پیش کش:- یہ دیکھ کر حضرت علیؓ کے لشکر نے لڑنے سے انکار کر دیا۔ حضرت علیؓ نے بہت سمجھایا کہ یہ ایک بہانا ہے لیکن لشکر نہ مانا اور جنگ بندی کرنی پڑی۔ اب حضرت علیؓ کے لشکر میں سے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور امیر معاویہؓ کے لشکر میں ان کے دست راس ''عمرو بن العاص'' کو حکم تجویز کیا گیا، دونوں نے مل کر فیصلہ کرنا تھا اور کسی ایک نتیجہ پر پہنچنا تھا۔ تو حضرت ابوموسیٰؓ کو حضرت عمرو بن العاص نے لالچ دیا کہ ''معاویہؓ کو مسلمانوں کی امارات پر فائز کردو تو جس شہر کی حکومت تم پسند کرو گے وہ تمہیں دے دی جائے گی''۔

ابوموسیٰؓ نے جواب دیا ''عمرو اللہ سے ڈرو"۔ معاویہؓ اور علیؓ کا کیا مقابلہ'' غرض حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ معاویہؓ کو خلیفہ بنانے پر متفق نہ ہوئے تو عمرو بن العاص نے دوسری ترکیب بتائی اور کہا" ہم دونوں کو معزول کر دیتے ہیں اور امت کو اختیار دیتے ہیں کہ وہ کسی اور کو خلیفہ بنالیں"۔ اس پر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ متفق ہوگئے۔ حالانکہ یہ ایسی بات تھی جس کا ممکن ہونا اختیار میں نہیں تھا۔ عمرو بن العاصؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو پہلے بات کرنے کے لیے کہا" آپ بڑے اور معتبر ہیں"۔ ابوموسیٰؓ نے کہا۔ ''میں نے علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر کے خلافت کو شوریٰ پر چھوڑ دیا۔ آئندہ تم جسے چاہو اپنا خلیفہ چن لو'' ان کے بعد عمرو بن العاص کھڑے ہوئے اور کہا ''لوگو آپ نے ابوموسیٰؓ کا فیصلہ سن لیا ہے۔ انہوں نے حضرت علیؓ کو معزول کر دیا ہے اور میں بھی انہیں معزول کرتا ہوں لیکن میں معاویہؓ کو برقرار رکھتا ہوں''۔ عمرو کا یہ بیان سن کر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ چلائے۔ ''خدا تم کو توفیق نہ دے یہ تم نے کیا کہا تم نے دھوکا دیا اور بدعہدی کی'' لیکن تیر اب کمان سے نکل چکا تھا۔ حاضرین کو یقین تھا کہ عمرو بن العاص نے جو کیا وہ طے شدہ بات کے بالکل خلاف تھا۔ حضرت عبدالرحمنؓ بن ابی بکر نے کہا! کاش ابوموسیٰؓ اشعری اس سے پہلے مر گئے ہوتے تو ان کے لیے بہت اچھا ہوتا''۔ ابوموسیٰؓ شرم اور پچھتاوے کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے، چپکے سے ملک سے چلے گئے۔ وہ حضرت علیؓ کو منہ بھی نہ دکھا سکے۔ امیر معاویہؓ کے دعویٰ خلافت کی راہ اور ہموار ہوگئی۔ اگرچہ حضرت علیؓ تحکیم کے خلاف تھے لیکن اپنی فوج کے قصد اور دباؤ سے اس پر راضی ہوگئے اور معاہدہ تحکیم پر دستخط کر دیئے۔ اس پر آپؓ کی فوج کے ایک دستہ (علوی دستہ) نے اس کی مخالفت میں کمر باندھ لی اور تحکیم کو کفر قرار دیا اور حضرت علیؓ پر زور دیا کہ وہ توبہ کریں (اپنے کو خوارج یعنی تحکیم سے خارج) کہا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں بھی معاہدے کی مخالفت کرتا تھا لیکن تم لوگوں نے مجھے مجبور کر دیا تھا۔ خوارج نے آپؓ کو دھمکی دی کہ اگر آپؓ آدمیوں کے حکم کو نہ چھوڑیں گے اور توبہ نہ کریں گے تو ہم محض اللہ کی خوشنودی کی خاطر آپؓ سے جنگ کریں گے۔ انہوں نے نہروان پر اپنے لوگوں کو لڑائی کے لیے جمع کرنا شروع کر دیا۔ حضرت علیؓ نے خوارج کو راہ راست پر لانے کی بے حد کوشش کی لیکن وہ نہ مانے اور خوارج کے ساتھ جنگ نہروان 9 صفر 28 ہجری کو ہوئی۔ بے شمار خوارج مارے گئے، کچھ بھاگ گئے، 400 میدان جنگ میں زخمی پائے گئے، جن کی مرہم پٹی کا حضرت علیؓ نے حکم دیا اور بعد میں معاف کر دیا۔

جنگ نہروان کے بعد حضرت علیؓ نے شام کا رخ اختیار کرنا چاہا لیکن ان کی فوج نے عدم دلچسپی کا اظہار کیا اور حضرت علیؓ کی اجازت کے بغیر اپنے گھروں کو چلے گئے۔ مجبوراً آپؓ کوفہ لوٹ آئے۔

حضرت معاویہؓ سے مصالحت:- جب فریقین میں سے کسی نے بھی ایک دوسرے کی اطاعت نہ کی تو حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کو لکھا کہ ''اگر تم چاہو تو عراق کی حکومت تمہارے حصہ میں آجائے اور شام کی میرے حصہ میں آجائے۔ تاکہ اس امت سے تلوار رک جائے اور مسلمانوں کے خون نہ بہیں''۔ اس پر حضرت علیؓ راضی ہو گئے کیونکہ آپؓ دیکھ چکے تھے کہ اہل عراق مخالفین کے خلاف جہاد سے کتراتے ہیں اور امیر معاویہؓ کے حملوں سے مملکت میں بدامنی بڑھتی جا رہی ہے۔

شہادت:- جنگ نہروان کے بعد بچے کھچے خوارج بحرین اور احصار کی طرف نکل گئے تھے اور وہاں اپنے مراکز قائم کر لیے تھے۔ انہوں نے بہت سے نیک اور بے گناہ مردوں اور عورتوں اور بچوں کو بڑی سفاکی سے قتل کیا۔ وہ حضرت علیؓ کے سامنے آکر انہیں قتل کی دھمکیاں دیتے اور گالیاں دیتے تھے لیکن آپؓ انہیں کچھ نہ کہتے۔ لوگوں نے جب آپؓ سے ان کے رویئے کی شکایت کی تو آپؓ نے فرمایا" گالیوں کا جواب گالیوں سے دیا جا سکتا ہے جو مجھے پسند نہیں"۔ اصل میں خوارج جنگ نہروان میں اپنے قتل عام کو نہیں بھولے تھے۔ دراصل بات یہ تھی کہ حضرت علیؓ کی فوج کے علوی دستے میں سے تقریباً 12000 (بارہ ہزار) افراد معاہدہ تحکیم کے بعد الگ ہو گئے تھے انہوں نے اپنی ایک الگ تنظیم قائم کر لی تھی۔ اور اپنا ایک امیر بنا کر اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ انہوں نے بغض، انتہا پسندانہ نظریات قائم کر لیے تھے مثلاً ان کا عقیدہ یہ تھا کہ معاملے میں کسی کا حکم ماننا کفر ہے، اور اس کا فیصلہ ماننے والے سب کافر ہیں اور ان کے خلاف جہاد کرنا فرض ہے۔ وہ صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو خلفائے راشدین مانتے تھے۔ جو مسلمان ان کے ہم خیال نہ تھے انہیں کافر اور واجب القتل سمجھتے تھے۔ اسلام میں یہ پہلا مذہبی فرقہ تھا جو الگ سے قائم کیا گیا (یہ خوارج کہلایا)۔ خوارج حضرت علیؓ، حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کو اسلامی دنیا میں اختلاف، انتشار اور فتنہ فساد کا بانی سمجھتے تھے۔ وہ حضرت علیؓ

کی فوج کا علوی دستہ تھالیکن امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ کی عیارانہ چال کو برداشت نہ کر سکا اور اب علیؓ، معاویہؓ اور عمروؓ کے قتل کے در پے ہو گیا۔ چنانچہ انہوں نے ایک منصوبہ بنایا اور اسی مقصد کے لیے تین افراد عبدالرحمن بن ملجم، برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکر حج کے موقع پر مکہ میں اکٹھے ہوئے اور کہا کہ راہ خدا میں ان کا قتل جائز ہے۔ علیؓ سے تو ویسے بھی نہروان کے مقتولوں کا انتقام لینا ضروری ہے۔ تینوں اس پر متفق ہو گئے کہ

علیؓ، معاویہؓ اور عمروؓ کو قتل کر دیا جائے، انہوں نے ماہ رمضان کی ایک ہی تاریخ کو نماز فجر کے وقت تینوں بزرگوں پر ایک ہی وقت میں حملہ کیا (تین مختلف مسجدوں میں) الگ الگ ایک شخص نے حملہ کیا۔ حضرت معاویہؓ پر وار اچھا نہ پڑا وہ زخمی ہوئے لیکن علاج معالجہ سے ٹھیک ہو گئے، عمرو بن العاص اتفاقی علالت کی وجہ سے امامت کروانے اس دن مسجد میں آئے ہی نہیں۔ ان کی جگہ خارجہ بن حذیفہؓ نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے، عمرو بن بکر نے انہیں عمرو بن العاصؓ سمجھ کر قتل کر دیا۔ عبدالرحمن بن ملجم اور ان کے مقامی خارجی ساتھی شبیب بن اشجعی نے کوفہ کی جامعہ مسجد میں علی الصبح حضرت علیؓ پر حملہ کر دیا۔ شبیب کا وار خالی گیا لیکن ابن ملجم کی زہر میں بجھی ہوئی تلوار آپؓ کی پیشانی پر پڑی اور سر کو کاٹتی ہوئی دماغ تک پہنچ گئی۔ ساتھ ہی ابن ملجم نے کہا ''اے علیؓ فیصلہ کا حق صرف خدا کا ہے تیرا نہیں'' حضرت علیؓ کے بھانجے جعدہ بن ہبیرہؓ نے لوگوں کو نماز پڑھائی، نماز کے بعد ابن ملجم آپؓ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپؓ نے فرمایا ''اے اللہ کے دشمن کیا میں نے تجھ پر احسانات نہ کیے تھے"؟ اس نے کہا "ضرور کیے تھے"۔ آپؓ نے پوچھا" کس لیے میرے قتل پر آمادہ ہو"؟ ابن ملجم نے جواب دیا" میں چالیس روز استخارہ کرتا رہا اور اللہ سے دعا کرتا رہا کہ اس کی مخلوق میں جو بدترین شخص ہے وہ قتل ہو جائے"۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا" سن تو ہی وہ بدترین خلائق ہے اور تو ہی وہ مقتول ہے"۔

زخمی ہونے کے بعد حضرت علیؓ 2 دن زندہ رہے۔ زہر میں بجھی ہوئی تلوار کا زخم کاری تھا، زہر جسم مبارک میں پھیل گیا۔ آپؓ نے اتوار کی صبح کو اس دنیا فانی کو خیر باد کہا اور خالق حقیقی سے جا ملے۔ دنیا اپنے وقت کے افضل ترین انسان سے محروم ہو گئی اور خلافت راشدہ کے دور کا خاتمہ ہو گیا۔ وفات کے وقت عمر مبارک 63 برس تھی۔ آپؓ کو دارالامارات میں جامع مسجد کے قریب دفن کیا گیا۔ حضرت حسنؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

شبِ قدر: اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے کہ: ''اِنَّآ اَنزَلنٰهُ فِی لَیلَةِ القَدرِ'' ترجمہ: "بے شک ہم نے اسے شب قدر میں اتارا"۔ (سورۃ القدر، آیت نمبر 1)

مکمل قرآن مجید لیلۃ القدر یا شب قدر میں رمضان المبارک میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل کیا گیا اور وہاں سے حضرت جبرائیل علیہ السلام آہستہ آہستہ کر کے آپ خاتم النبیین ﷺ کے پاس لاتے رہے حتیٰ کہ تیئس سال میں مکمل طور پر نازل ہو گیا۔

لیلۃ القدر کے معنی: لیلۃ القدر کے معنی ہیں عظیم رات یا فیصلہ کرنے والی رات۔ اس رات میں آئندہ سال میں ہونے والے تمام واقعات مقرر کر دیئے جاتے ہیں بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ وہی رات ہے جس کے متعلق سورہ دخان آیت نمبر تین اور چار میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ترجمہ: ''ہم نے قرآن پاک کو برکت والی رات میں نازل فرمایا بے شک ہم ہی ڈرانے والے ہیں، اس رات میں حکمت اور دانائی سے بھرے ہوئے فیصلے کئے جاتے ہیں''۔

ہزار ماہ سے افضل رات: روایت ہے کہ صحابہ اکرامؓ کو جتنی خوشی ''خیر من الف شھر'' سے ہوئی کسی چیز سے حاصل نہیں ہوئی۔ واقعہ یہ ہوا کہ ایک روز نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے صحابہ اکرامؓ کے سامنے بنی اسرائیل کے چار حضرات یعنی حضرت ایوبؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت حزقیلؑ اور حضرت یوشع بن نونؑ کا ذکر فرمایا اور ارشاد فرمایا" انہوں نے اسیّ برس تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور کبھی لمحہ بھر کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی۔ صحابہ اکرامؓ کو یہ سن کر تعجب ہوا۔ اسی اثناء میں حضرت جبرائیل علیہ السلام آ گئے اور کہنے لگے "اے محمد آپ خاتم النبیین ﷺ کو اور آپ خاتم النبیین ﷺ کے صحابہ اکرامؓ کو یہ سن کر تعجب ہوا کہ ان حضرات نے اسیّ برس تک عبادت کی اور ایک لمحہ بھر کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی، اللہ تعالیٰ نے آپ خاتم النبیین ﷺ پر اس سے بہتر ارشاد نازل فرمایا ہے"۔ اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام نے سورہ القدر کی تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ جس چیز پر آپ خاتم النبیین ﷺ کو اور آپ خاتم النبیین ﷺ کے صحابہ کو تعجب ہوا تھا یہ اس سے بہتر ہے"۔ یہ سن کر رسول پاک خاتم النبیین ﷺ بہت مسرور ہوئے۔ (تفسیر ابن کثیر، الدر المنشور، قرطبی)

شبِ قدر کون سی رات ہے؟: شبِ قدر کو رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو، ستائیسویں شب کی زیادہ تاکید آئی ہے۔ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک آخری عشرے کی تمام راتیں برابر ہیں کسی کو دوسری پر فضیلت حاصل نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اکیسویں رات زیادہ ضروری ہے اس لئے جو شخص لیلۃ القدر کو تلاش کرنا چاہے وہ آخری عشرے کی تمام راتوں میں تلاش کرے۔

شبِ قدر افضل ہے یا شبِ جمعہ: ہمارے علماء اکرام میں اس بات میں اختلاف ہے کہ شبِ قدر افضل ہے یا شبِ جمعہ۔ حضرت شیخ عبداللہ بن بطہؒ اور ابو حفصؒ شبِ جمعہ کو

افضل کہتے ہیں-ابوالحسن تمیمیؒ کے نزدیک شبِ جمعہ سے وہ رات افضل تھی جس میں قرآن پاک کا نزول ہوا اور اس کے بعد آئندہ سالوں میں (رمضان المبارک میں آنے والی)شبِ قدر سے شبِ جمعہ افضل ہے۔

ہمارے اصحاب یعنی اکابرین حنفی و حنبلی کے قول کی دلیل وہ رات ہے جس کو قاضی امام ابویعلیٰؒ نے اپنی اسناد کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا، رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد ہے "اللہ تعالیٰ جمعہ کی رات میں تمام مسلمانوں کو بخش دیتا ہے"۔

رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے کسی اور رات کے بارے میں یہ فضیلت بیان نہیں فرمائی۔

یہ بھی رسول پاک ﷺ سے روایت ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" مجھ پر فضیلت والی راتوں میں روشن دنوں میں، جمعہ کے دن اور اس کی رات میں کثرت سے درود بھیجا کرو"۔(ابن ماجہ، مشکوۃ)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا ’’روز قیامت اللہ تعالیٰ ہر دن کو اس کی صورت میں اٹھائے گا۔لیکن جمعہ کے دن کو اس حال میں اٹھائے گا کہ وہ روشن اور تاباں ہوگا اور اہل جمعہ اس کے گرد اس طرح چلیں گے جیسے دلہن کو جھرمٹ میں لے کر چلتے ہیں سب لوگ اس کی روشنی میں چلیں گے۔شب جمعہ جنت میں بھی باقی رہے گی کیونکہ جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ کا دیدار واقع ہوگا۔شب جمعہ دنیا میں قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہے اور شب قدر کا تعین محض ظنی ہے‘‘۔(الکنز، مستدرک)

حضرت امام مالک بن انسؓ نے حضرت سعید بن مسیبؒ کا قول نقل کیا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن عشاء کی نماز باجماعت ادا کرے گا اس کو شب قدر کی عبادت کا ایک حصہ مل گیا۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد مبارک ہے جس نے سورۃ القدر کی تلاوت کی اس نے چوتھائی قرآن کی تلاوت کی۔اس سورہ کو رمضان مبارک کی آخری نماز عشاء میں پڑھنا مستحب ہے۔

روح الامین کا نزول اور بدکاروں کی مغفرت: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے "جب شب قدر ہوتی ہے تو اللہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو زمین پر اترنے کا حکم فرماتا ہے، حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ سدرۃ المنتہیٰ پر رہنے والے ستر ہزار فرشتے بھی ہوتے ہیں جن کے پاس نوری جھنڈے بھی ہوتے ہیں، زمین پر اترنے کے بعد وہ اپنے جھنڈے چار جگہوں پر گاڑ دیتے ہیں خانہ کعبہ کے پاس، حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے روضہ انور کے پاس، مسجد بیت المقدس کے پاس، مسجد طور سینا کے پاس۔

اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام فرشتوں کو حکم دیتے ہیں کہ تم پھیل جاؤ فرشتے زمین میں ہر طرف پھیل جاتے ہیں، کوئی گھر، کوئی کمرہ، کوئی کوٹھڑی، اور کوئی کشتی ایسی نہیں ہوتی جہاں مومن مرد عورت موجود ہو اور فرشتے وہاں داخل نہ ہوں۔البتہ جس گھر میں کتا ہوتا ہے، تصویر، سور یا ناپاک لوگ موجود ہوتے ہیں ایسی پلیدگی جو زنا سے ہوئی ہو، وہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔پاک گھروں میں داخل ہونے کے بعد تمام فرشتے تسبیح، تقدیس اور تہلیل میں مصروف ہو جاتے ہیں۔اور اُمت محمدی خاتم النبیین ﷺ کے لئے استغفار کرتے ہیں (تمام رات رہ کر) فجر کے وقت وہ آسمان پر واپس چلے جاتے ہیں۔آسمان دنیا کے رہنے والے فرشتے پوچھتے ہیں کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ ہم دنیا میں تھے کیونکہ دنیا والوں کے لئے یہ رات شب قدر تھی۔فرشتے پوچھتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے امت محمدی خاتم النبیین ﷺ کے روزہ داروں کی حاجتوں کے متعلق کیا فرمایا"؟ وہ فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے اچھے اعمال کرنے والوں کو بخش دیا اور بدکاروں کے لئے نیکوکاروں کی شفاعت منظور فرمائی"۔یہ سنتے ہی آسمان دنیا کے فرشتے اپنی اپنی آواز میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنے لگتے ہیں۔اس کے بعد تمام فرشتے اپنی اپنی جگہوں پر لوٹ جاتے ہیں"۔(غنیۃ الطالبین)

روح الامین مصافحہ کرتے ہیں: روایت ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام شب قدر میں جب آسمان دنیا سے نیچے اُترتے ہیں تو کوئی مسلمان ایسا باقی نہیں رہتا جس سے انہوں نے سلام کر کے مصافحہ نہ کیا ہو، اس کی علامت یہ ہے کہ اس شخص کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اس کا دل نرم پڑ جاتا ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔

شبِ قدر کی پہچان: شب قدر کی پہچان یہ ہے کہ اس شب میں نہ گرمی ہوگی نہ سردی ہوگی، (موسم معتدل ہوگا) بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس رات میں کتے کے بھونکنے کی آواز نہیں سنی جائے گی، اس رات کی صبح کا سورج بغیر کرنوں کے طلوع ہوگا۔

شبِ قدر میں پڑھنے کی دعا: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے شب قدر میں دعا کے بارے میں پوچھا تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي"۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ	تُحِبُّ الْعَفْوَ	فَاعْفُ عَنِّي
اے اللہ تو بخشنے والا ہے	تو بخشنے کو پسند کرتا ہے	پس تو مجھے بخش دے۔

اس دعا کی خاص بات یہ ہے کہ **ایک ہوتی ہے "مغفرت" اور ایک ہوتی ہے "عفو"۔**

مغفرت یہ ہے کہ گناہ بخش دیا گیا---لیکن فرشتوں نے جو دائیں بائیں کندھے پر ہیں لکھ لیا، روزِ محشر ہمارے نامہ اعمال کے ساتھ پیش ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ ہم سے ان گناہوں کے بارے میں سوال نہیں کرے گا بے شک کیونکہ اس نے معاف کر دیا ہے۔ جب ہم کہتے ہیں فَاعْفُ عَنِّي تو ہمیں بخش دے۔ تو اس گناہ کو نہ صرف مٹا دیا جاتا ہے بلکہ نامہ اعمال جو فرشتے لکھ رہے ہوتے ہیں اس نامہ اعمال سے بھی مٹا دیا جاتا ہے، اور ان فرشتوں کو بھی بھلا دیا جاتا ہے جنہوں نے لکھا ہے بلکہ جن لوگوں نے اس گناہ کو کرتے ہوئے دیکھا ہوتا ہے ان کو بھی بھلا دیا جاتا ہے۔

اس دعا کی اور باتیں خاص طور پر یہ ہیں کہ **ابن قیم رحمۃ اللہ فرماتے ہیں** "اگر ہم غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ یہاں " **عفو** " کے معنی کن چیزوں پر مشتمل ہیں؟؟

1- بدن میں عافیت 2- دین میں عافیت

جہاں تک بدن میں عافیت ہے وہ یہ ہے کہ ہر بیماری سے اللہ تعالیٰ شفا دے گا۔ دین میں عافیت کا مطلب نیکی، بھلائی، عبادت کی توفیق کا ملنا ہے اور آخرت سے متعلق ہر عمل دین میں عافیت کے اندر شامل ہو جاتا ہے۔ گویا دین میں " **عفو** " یہ ہے کہ معافی اور بخشش ملے اور ہم سے درگزر کر دیا جائے اور درگزر کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ ہمیں درگزر کر دیں گے تو ہماری ضروریات بن مانگے ہمارے پاس آنے لگیں گی اور اللہ ہم پر اپنی خاص عنایت فرمائیں گے۔

اسی لئے حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بہت ہی مختصر اور جامع دعا بتائی ہے۔

اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي ترجمہ: "اے اللہ تو معاف کرنے والا ہے، معاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے، تو ہمیں بھی معاف فرما دے"۔

اس لئے نہ صرف طاق راتوں میں بلکہ آخری عشرے میں بھی یہ دعا کثرت سے مانگی جائے۔

رمضان المبارک کی برکتیں: رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک نازل فرمایا، رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ رزق میں برکت عطا فرماتا ہے، فرض عبادت کا درجہ ستر گنا بڑھ جاتا ہے، نفل کا درجہ فرض کے برابر ہو جاتا ہے، رمضان المبارک کا پہلا عشرہ رحمتوں کا، دوسرا مغفرت کا اور تیسرا جہنم سے نجات کا ہے، تراویح پڑھنے سے ساری رات قیام کا ثواب ملتا ہے، طاق راتوں کی عبادت ایک ہزار مسلسل مہینوں کی عبادات کے برابر ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی مصلحت ہے کہ روزے کبھی سردی اور کبھی گرمی میں آتے ہیں۔ اس طرح ہر 33 سال بعد دنیا کے ہر کونے میں مسلمان کے روزے برابر گھنٹوں کے ہو جاتے ہیں۔

پہلے عشرہ کی دعا: رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ

دوسرے عشرے کی دعا: اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَيْه

تیسرے عشرے کی دعا: اَللّٰهُمَّ اَجِرْنَا مِنَ النَّار

رمضان شریف میں کثرت سے چلتے پھرتے یہ دعا پڑھنی ہے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ نَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ نَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ وَ نَعُوْذُبِكَ مِنَ النَّار

رمضان المبارک میں کرنے کے ضروری کام:- رمضان میں زکوٰۃ اور صدقہ و خیرات کا اہتمام کریں، غریبوں کو افطار کروائیں یا افطاری بھجوائیں، اپنے نفس کو گناہوں سے بچنے کی ترغیب دیں، صبر، قوت اور برداشت سے کام لیں، نماز اور تلاوت قرآن کا بہت اہتمام کریں، غریبوں کا خاص خیال رکھیں، نوکروں کا کام ہلکا کر دیں، ممکن ہو تو اس ماہ میں عمرہ کریں رمضان المبارک میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے۔

عید الفطر کی رات:- عید الفطر کی رات کا نام **لیلۃ الجائزہ** رکھا گیا ہے۔ جب یہ رات ہوتی ہے تو اس رات کی صبح کو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو تمام شہروں میں پھیلا دیتا ہے، وہ زمین کی طرف اترتے ہیں اور گلیوں کے کناروں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ایسی آواز کے ساتھ پکارتے ہیں کہ جنہیں جن اور انسانوں کے علاوہ باقی مخلوق سنتی ہے۔ وہ کہتے ہیں "اے امت محمد یہ خاتم النبیین ﷺ اپنے کریم رب کی طرف نکلو، وہ تمہیں بزرگی عطا فرمائے گا، اور تمہارے بڑے گناہ بخش دے گا"، جب وہ عیدگاہ پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اے میرے فرشتوں جو مزدور کام کرے تو اسکی مزدوری کیا ہے"؟ فرشتے عرض کرتے ہیں "اے ہمارے معبود اسے پوری پوری اجرت دی جائے"، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اے میرے فرشتو میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے رمضان المبارک میں ان کے روزوں کا ثواب اپنی رضا اور مغفرت رکھی ہے"۔ پھر فرماتا ہے "اے میرے بندو مجھ سے سوال کرو مجھے اپنی عزت اور جاہ جلال کی قسم آج کے دن اپنی اس جماعت میں تم اپنی آخرت کے بارے میں جو کچھ مجھ سے مانگو گے میں تمہیں عطا کروں گا اور دنیا کے لئے جو مانگو گے وہ بھی عطا کروں گا۔ مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم میں تمہیں کبھی سزا پانے والوں کے درمیان رسوا نہ کروں گا۔ اس حالت میں اپنے گھروں کو جاؤ کہ

تمہارے گناہ بخش دیئے گئے ہیں تم نے مجھے راضی کیا تو میں نے تمہیں خوش کیا"۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ "اس بات سے فرشتے خوش ہوتے ہیں اور اس اعزاز کی بشارت دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس اُمت کو اختتام رمضان المبارک پر حاصل ہوتا ہے"۔

لیلۃ الجائزہ میں جادو، بندشیں ختم:- چاندرات کو دو رکعت نماز نفل حاجت، توبہ کی نیت سے ادا کریں اور نماز کے بعد یَا تَوَّابُ یَا رَحِیمُ کی ایک تسبیح پڑھیں۔ اس عمل کی بے شمار فضیلتیں ہیں۔ اس عمل کو کرنے سے انسان کی اسی رات بخشش ہو جاتی ہے، بندشیں ٹوٹ جاتی ہیں، جادو ختم ہو جاتا ہے، رشتہ کی رکاوٹیں ختم ہو جاتی ہیں-- بارہا کا آزمودہ اور نہایت تیر بہدف عمل ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

روزے کے مقاصد

مشائخ نے روزے کے آداب میں چھ اُمور تحریر فرمائے ہیں۔ کہ روزہ دار کو ان کا احترام ضروری ہے۔

نگاہ کی حفاظت، زبان کی حفاظت، کان کی حفاظت، باقی اعضاء بدن کی حفاظت، حلال وحرام کا خیال رکھنا، جائز اشیاء میں بھی احتیاط برتنا۔

1۔ نگاہ کی حفاظت:

کہ کسی بے محل جگہ پر نہ پڑ جائے، حضرت ابونصرؒ نے اپنے والد سے ان کی اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے فرمایا کہ جس نے کسی عورت کے عقب سے بھی اس کے کپڑوں پر نظر جما کر دیکھا اس کا روزہ بھی باطل ہو گیا۔

2۔ زبان کی حفاظت:

جھوٹ، چغل خوری، لغو، بکواس، غیبت، بدگوئی، بدکلامی، جھگڑا وغیرہ سب چیزیں اس میں داخل ہیں۔

بخاری شریف کی ایک حدیث ہے "روزہ آدمی کے لئے ڈھال ہے۔ جب تک روزہ دار اس کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کر دے"۔ کسی نے عرض کیا" یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ڈھال کو کونسی چیز ٹکڑے ٹکڑے کر سکتی ہے"۔ تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا، "جھوٹ اور غیبت"۔ بعض علماء کے نزدیک ان سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے زمانے میں دو عورتوں نے روزہ رکھا، روزہ میں اس شدت سے بھوک لگی کہ نا قابل برداشت ہو گئی۔ ہلاکت کے قریب پہنچ گئیں۔ صحابہؓ نے آپ خاتم النبیین ﷺ سے دریافت کیا آپ خاتم النبیین ﷺ نے ایک پیالہ ان کے پاس بھیجا کہ اس میں قے کریں، دونوں نے اس میں قے کی اس میں گوشت کے ٹکڑے اور تازہ کھایا ہوا خون نکلا، لوگوں کو حیرت ہوئی تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "انہوں نے حلال روزی سے روزہ رکھا مگر حرام چیزوں کو اختیار کیا۔ کہ دونوں عورتیں روزہ رکھ کر لوگوں کی غیبتیں کرتی رہیں"۔ (مسند احمد)

اس حدیث سے ایک مضمون اور بھی واضح ہوتا ہے کہ غیبت کرنے کی وجہ سے روزہ بہت زیادہ معلوم ہوتا ہے (لگتا ہے) حتیٰ کہ وہ دونوں عورتیں روزہ کی وجہ سے مرنے کے قریب ہو گئیں تھیں۔ اور تجربہ اس بات کی تائید بھی کرتا ہے کہ روزے میں اکثر متقی لوگوں کو کچھ نہیں ہوتا اور فاسق لوگوں کو روزے میں بری حالت ہو جاتی ہے۔ اس لئے اگر یہ چاہیں کہ روزہ نہ لگے تب بھی اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ گناہوں سے بچیں بالخصوص غیبت سے، جس کو لوگوں نے روزہ کاٹنے کا مشغلہ تجویز کر رکھا ہے۔ حق تعالیٰ نے اپنے کلام میں غیبت کو اپنے مردار بھائی کے گوشت سے تعبیر فرمایا ہے۔

3۔ کان کی حفاظت:

تیسری چیز جس کا روزہ دار کو اہتمام ضروری ہے وہ کان کی حفاظت ہے۔ ہر مکروہ چیز کا سننا اور زبان سے نکالنا ناجائز ہے، اس کی طرف کان لگانا اور سننا بھی ناجائز ہے۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "غیبت کا کرنے والا اور سننے والا دونوں برابر گناہ میں شریک ہیں"۔

4۔ باقی اعضاء بدن کی حفاظت:

مثلاً ہاتھ کا ناجائز چیز کے پکڑنے سے، پاؤں کا ناجائز چیز کی طرف چلنے سے، اور اسی طرح باقی اعضائے بدن کا۔ اور اسی طرح پیٹ کا افطار کے وقت مشتبہ چیز سے پرہیز کرنا۔ جو شخص روزہ رکھ کر حرام مال سے افطار کرتا ہے اسکی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی مرض کے لئے دوا کرتا ہے لیکن اس میں تھوڑا سا سنکھیا بھی ملا لیتا ہے۔ اس مرض کے لئے تو وہ دوا مفید ہو جائے گی مگر ساتھ ہی زہر اس کو ہلاک کر دے گا۔

5۔حلال وحرام کا خیال رکھنا:

پانچویں چیز افطار کے وقت حلال مال سے بھی اتنا نہ کھائے کہ شکم سیر ہو جائے اس لئے کہ روزہ کی غرض اس سے فوت ہو جاتی ہے۔مقصود روزے سے قوت شہوانیہ اور بہیمیہ (جانوروں کی صفت) کا کم کرنا اور قوت نورانیہ اور قوت ملکیہ (فرشتوں کی صفت) کا بڑھانا ہے۔گیارہ ماہ تک بہت کچھ کھاتے پیتے ہیں اگر ایک ماہ میں کچھ کمی کر دیں گے تو کیا جان نکلی جاتی ہے، لیکن ہم لوگوں کا یہ حال ہے کہ سحر کے وقت حفظ ماتقدم کے طور پر اور افطار کے وقت تلافی مافات میں اتنی مقدار کھا لیتے ہیں کہ بغیر روزے کی حالت کے اتنا کھانے کی نوبت ہی نہیں آتی۔

علامہ غزالی لکھتے ہیں "روزہ کی غرض یعنی ابلیس اور شہوت نفسانیہ کا توڑنا کیسے ممکن ہوسکتا ہے؟ اگر آدمی افطار کے وقت اس مقدار کی تلافی کرے جو فوت ہوئی"۔

حقیقتاً ہم لوگ بجز اس کے کہ اپنے کھانے کے اوقات بدل لیتے ہیں اس کے سوا کچھ بھی کمی نہیں کرتے۔بلکہ زیادتی مختلف انواع کی کر پاتے ہیں جو بغیر رمضان کے میسر نہیں ہوتی۔لوگوں کی کچھ ایسی عادات ہوگئی ہیں کہ عمدہ عمدہ اشیاء رمضان کے لئے رکھتے ہیں اور نفس دن بھر کے فاقے کے بعد جب ان پر پڑتا ہے تو خوب سیر ہو کر کھاتا ہے اور بجائے قوت شہوانیہ کے ضعیف ہونے کے اور بھڑک اٹھتی ہے اور جوش میں آجاتی ہے اور مقصد کے خلاف ہو جاتا ہے۔

6۔جائز اشیاء میں بھی احتیاط برتنا :

چھٹی چیز جس کا روزے دار کو خیال رکھنا ہے وہ یہ ہے کہ روزے کے بعد اس بات سے ڈرتے رہنا بھی ضروری ہے کہ نا معلوم یہ روزہ قابل قبول ہے کہ نہیں۔یہ چھ چیزیں عام صلحا کے لئے ضروری ہیں۔خواص اور مقربین کے لئے ان کے ساتھ ایک ساتویں چیز کا بھی اضافہ فرماتے ہیں کہ روزے کی حالت میں دل کو اللہ کے سوا کسی اور کی طرف متوجہ نہ ہونے دینا۔حتیٰ کہ روزے کی حالت میں اس چیز کا خیال آنا کہ افطار کے لئے کوئی چیز ہے کہ نہیں، یہ بھی خطا ہے۔اس لئے کہ یہ اللہ کے وعدہ رزق میں اعتماد کی کمی ہے۔مگر یہ اُمور بڑے لوگوں کے لئے ہیں ہم لوگوں کو ان کی ہوس کرنا بھی بے محل ہے۔اور اس حالت کو پوچھے بغیر اس کو اختیار کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ ”كُتِبَ عَلَيكُمِ الصِّيَامُ“ میں آدمی کے ہر جُز پر روزہ فرض کیا گیا ہے پس زبان کا روزہ جھوٹ اور غیبت سے بچنا، کان کا روزہ ناجائز چیزوں کو سننے سے احتراز کرنا، آنکھوں کا روزہ لھو لعب سے اعتراز کرنا، اور ایسے ہی باقی اعضاء کا روزہ حتیٰ کہ نفس کا روزہ حرص وشہوت سے بچنا، دل کا روزہ حب دنیا سے خالی ہونا، روح کا روزہ آخرت کی لذتوں سے بھی احتراز اور سر خاص کا روزہ غیر اللہ کے وجود سے بھی احتراز ہے۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا "جو شخص قصداً بلا کسی شرعی عذر کے رمضان المبارک کا ایک روزہ بھی چھوڑے گا، بغیر رمضان کا روزہ چاہے ساری عمر بھی رکھے رمضان المبارک کے اس ایک روزے کا بدل نہیں ہوسکتا"۔(ترمذی)

نماز تراویح کے فضائل و مسائل

رمضان میں تین قسم کی مخصوص عبادات ہیں: 1- دن میں روزے رکھنا 2- نماز تراویح 3- آخیری عشرہ میں اعتکاف کرنا

تراویح، ترویحہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں "جسم کو راحت دینا"۔ تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد تھوڑی دیر کے لئے بیٹھتے ہیں اس لیے اس سنت عبادت کو تراویح کہتے ہیں۔

ماہ رمضان میں مومن ہر وقت عبادت میں ہوتا ہے۔ جو شخص صحیح اعتقاد کے ساتھ اللہ تعالی پر ایمان رکھتا ہو اور عبادت رمضان سے اللہ تعالی کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہو اور اس غرض سے رمضان المبارک کی راتوں میں قیام کرے تو اس کی اس عبادت کا بے حد ثواب ہے۔

رمضان کے مہینے میں سحری کھانا عبادت، قرآن پاک پڑھنا عبادت، نمازیں پڑھنا عبادت، ذکر کرنا عبادت، افطار کرنا عبادت، اعتکاف کرنا عبادت، ان کے ساتھ ساتھ زکوۃ خیرات اور صدقات دینا عبادت۔۔۔۔ رمضان المبارک کے مہینے میں اللہ تعالی نے مسلمانوں پر روزے رکھنا فرض قرار دیئے اور باقی تمام عبادات کے ساتھ مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے رمضان المبارک کی راتوں میں قیام کرنا یعنی نماز تراویح پڑھنے کے لئے کھڑے ہونے کا طریقہ قائم کیا۔

اب جو شخص صحیح اعتقاد کے ساتھ اور ثواب حاصل کرنے کی غرض سے رمضان المبارک کے روزے رکھے، عبادات کرے اور رات کو تراویح پڑھنے کے لئے کھڑا ہو۔ وہ گناہوں سے اس طرح پاک وصاف ہو کر نکل جائے گا جس طرح اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔

1- حدیث :- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا: ''جو شخص ایمان کی بنا پر ثواب کی نیت سے رمضان المبارک کی راتوں میں قیام کرے (نماز تراویح پڑھے) تو اس کے پہلے سب گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں"۔ (سنن نسائی، حدیث نمبر 1603)

2- حدیث :- حضرت عبد اللہ بن یوسف نے روایت کیا مالک بن شباب سے انہوں نے حمید بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ، رسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا" جس نے رمضان کی راتوں میں (بیدار رہ کر) نماز تراویح پڑھی، ایمان اور ثواب کی نیت کے ساتھ، اس کے اگلے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔ ابن شہاب نے بیان کیا کہ پھر نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) کی وفات ہوگئی اور لوگوں کا یہی حال رہا (الگ الگ اکیلے اور جماعتوں سے تراویح پڑھتے تھے) اس کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اور عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور خلافت میں بھی ایسا ہی رہا۔" (صحیح بخاری، حدیث نمبر 2009)

3- حدیث :- رسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) ایک مرتبہ (رمضان کی) نصف شب میں مسجد تشریف لے گئے اور وہاں تراویح کی نماز پڑھی۔ کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی آپ کے ساتھ نماز میں شریک ہو گئے۔ صبح ہوئی تو انہوں نے اس کا چرچا کیا۔ چنانچہ دوسری رات میں لوگ پہلے سے بھی زیادہ جمع ہو گئے اور آپ (خاتم النبیین ﷺ) کے ساتھ نماز پڑھی۔ تیسری صبح کو اور زیادہ چرچا ہوا اور تیسری رات اس سے بھی زیادہ لوگ جمع ہو گئے۔ آپ نے (اس رات بھی) نماز پڑھی اور لوگوں نے آپ (خاتم النبیین ﷺ) کی اقتداء کی۔ چوتھی رات کو یہ عالم تھا کہ مسجد میں نماز پڑھنے آنے والوں کے لیے جگہ بھی باقی نہیں رہی تھی۔ (لیکن اس رات آپ برآمد ہی نہیں ہوئے) بلکہ صبح کی نماز کے لیے باہر تشریف لائے۔ جب نماز پڑھ لی تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر شہادت کے بعد فرمایا "امابعد! تمہارے یہاں جمع ہونے کا مجھے علم تھا، لیکن مجھے خوف اس کا ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے اور پھر تم اس کی ادائیگی سے عاجز ہو جاؤ، چنانچہ جب تک نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) کی وفات ہوئی تو یہی کیفیت قائم رہی"۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر 2012)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں حضرت عمر فاروقؓ نے تراویح کو ایک حدیث کی بنیاد پر شروع فرمایا۔ جو انہوں نے مجھ سے سنی تھی۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا "امیر المومنین وہ کیا ہے"؟ حضرت علیؓ نے فرمایا" میں نے رسول پاک (خاتم النبیین ﷺ) سے سنا آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے ارشاد فرمایا" اللہ تعالی کے پاس عرش کے نزدیک ایک جگہ ہے جس کا نام حضیرۃ القدس ہے اور نور کی جگہ ہے۔ اس میں اتنے فرشتے ہیں کہ ان کی تعداد کو اللہ تعالی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ وہ اللہ تعالی کی عبادت کرتے ہیں اور ایک گھڑی بھی کوتاہی نہیں کرتے۔ جب رمضان کی راتیں آتی ہیں تو وہ فرشتے اللہ تعالی سے زمین پر اترنے کی اجازت مانگتے ہیں پھر وہ انسانوں کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ پھر حضور پاک (خاتم النبیین ﷺ) کا جو امتی ان سے چھو جائے یا وہ اسے چھو لیں تو وہ نیک بخت ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ کبھی بھی بد بخت نہیں ہوتا"۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا" تو پھر کیا ہم اس بات کے زیادہ مستحق نہیں"؟ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے صحابہ کرامؓ کو تراویح کے لئے جمع فرمایا اور تراویح کی عبادت کو جاری فرمایا۔

کیا نماز تراویح سنت ہے؟

سب سے پہلے تو یہ جان لیں کہ سنت کیا ہے؟

سنت کیا ہے؟ شریعت میں نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) کے قول، فعل اور عمل کو سنت کہتے ہیں۔

اب سنت تین طرح کی ہوئی: **"قولی، فعلی اور عملی"**

اس کے علاوہ ایک اور سنت بھی ہے اور وہ ہے **"تقریری سنت"**

سنت قولی، فعلی اور عملی تو نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) کے قول، فعل اور عمل کو کہہ دیا گیا ہے۔

سنت تقریری کیا ہے؟ سنت تقریری اسے کہتے ہیں کہ کسی کو کوئی کام کرتے ہوئے دیکھ کر حضور پاک صلی اللہ وسلم یا صحابہ کرامؓ خاموش رہے یا اس کی تحسین فرمائی۔

نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) نے اپنی سنت پر عمل کرنے پر تاکیدی حکم دیتے ہوئے فرمایا:

"عَلَیکُم بسُنَّتِی" کہ میرے طریقے یعنی سنت پر عمل کرنا تمام مسلمانوں پر ضروری ہے۔ (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 4607-سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 42)

پھر فرمایا: "وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِینَ الْمَهْدِیِّینَ مِن بَعدِی"

ترجمہ: "اور میرے بعد ہونے والے (رشد و ہدایت کے پیکر) میرے خلفاء کی سنت پر عمل کرنا بھی اسی طرح لازم ہے جیسا کہ میری سنت پر"۔ (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 4607-سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 42)

اس کے بعد مزید تاکید فرماتے ہوئے آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا: "عَضُّوا عَلَیهَا بِالنَّوَاجِذِ"

ترجمہ: "(میرے اور میرے بعد ہونے والے خلفاء راشدین کی سنت اور طریقے کو) اپنی آخری داڑھوں کے ذریعے خوب مضبوطی سے پکڑے رکھو"۔ (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 4607-سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 42)

سنت کو چھوڑنے والا آدمی ملامت کا مستحق ہوجاتا ہے اور دنیا میں نہ صرف ملامت کا مستحق ہوگا بلکہ آخرت میں بھی نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) کی شفاعت سے محروم رہے گا۔

سُنّتِ الخلفا کا مطلب:- خلفائے راشدین کی سنت کو حضرت محمد (خاتم النبیین ﷺ) کی سنت کے بعد بطور عطف کے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب خلفاء کرام اپنے اجتہاد کے ذریعے حدیث پاک سے جو مسئلہ نکالیں گے اس میں وہ خطاء اور غلطی نہیں کریں گے اور وہ اپنے اجتہاد میں اپنے پیغمبر کے تابع ہوں گے۔

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور پاک (خاتم النبیین ﷺ) کی بعض سنتیں ایسی ہیں جو آپ (خاتم النبیین ﷺ) کے عہد مبارک میں شہرت پزیر نہ ہوئیں۔ پھر خلفاء کے عہد میں آ کر انہوں نے شہرت حاصل کی۔

اس لئے سنت نبوی کو رد کرنے والوں نے باطل وہم کو پروان چڑھاتے ہوئے اس سنت نبوی (خاتم النبیین ﷺ) کو خلفائے راشدین کی طرف منسوب کر دیا۔ جبکہ درحقیقت یہ حضور پاک (خاتم النبیین ﷺ) ہی کی سنت مبارکہ ہے۔

اطاعت اولی الامر کا حکم:- قرآن پاک میں خود باری تعالی نے فرمایا:- (سورہ النساء، آیت نمبر 59)

یَاَیُّهَا الَّذِینَ اٰمَنُوا اَطِیعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیعُوا الرَّسُولَ وَ اُولِی الْاَمرِ مِنكُم

ترجمہ: "اے ایمان والو! اللہ کا حکم مانو اور رسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) کا فرمان بھی مانو اور اسی طرح اولی الامر کا حکم بھی مانو"۔

مفسرین نے اولی الامر سے وہ مسلمان حکمران مراد لئے ہیں جو **عاقل، بالغ، عالم شریعت و باعمل** ہوں۔

تراویح کے سنت ہونے کا ثبوت:-

1- سنت فعلی سے ثبوت: سیدنا حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ "حضرت محمد (خاتم النبیین ﷺ) کا **معمول تھا** کہ آپ (خاتم النبیین ﷺ) بغیر جماعت کے نماز تراویح پڑھا کرتے تھے"۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "رسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) رات کے درمیانی حصے میں نکلے پس آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے مسجد میں نماز پڑھی، پس کچھ لوگوں نے آپ (خاتم النبیین ﷺ) کے ساتھ مل کر نماز پڑھی، پس جب لوگوں نے صبح کی تو انہوں نے گفتگو کی کہ بے شک نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) (مسجد میں) نکلے پس آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے مسجد میں رات کے درمیانی حصے میں نماز پڑھی، آنے والی رات میں لوگ پہلے سے زیادہ جمع ہوگئے، عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "پس نبی (خاتم النبیین ﷺ) نکلے اور رات کے درمیانی حصے میں آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے غسل فرمایا، پس آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے نماز پڑھی اور لوگوں نے بھی آپ (خاتم النبیین ﷺ) کے ساتھ نماز پڑھی، پھر لوگوں نے صبح کی پس انہوں نے رات کے معاملے میں گفتگو کی، پس تیسری رات میں لوگ پہلے سے بھی زیادہ جمع ہوگئے حتیٰ کہ مسجد والے زیادہ ہوگئے"، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "نبی (خاتم النبیین ﷺ) رات کے درمیانی حصے میں نکلے پس آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے نماز پڑھی اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی آپ (خاتم النبیین ﷺ) کے ساتھ نماز پڑھی، پس جب چوتھی رات ہوئی تو لوگ پھر جمع ہوگئے یہاں تک کہ قریب تھا کہ مسجد لوگوں سے عاجز آجائے گی، (لوگوں کی کثرت کی وجہ سے) پس نبی (خاتم النبیین ﷺ) گھر میں بیٹھ گئے اور مسجد میں نہ نکلے"، عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "یہاں تک کہ میں نے لوگوں کی آوازیں سنیں وہ کہہ رہے تھے، نماز، نماز لیکن نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) ان کی طرف نہ نکلے، پھر فجر کے وقت آپ (خاتم النبیین ﷺ) باہر نکلے- فجر کی نماز پڑھائی --- پھر لوگوں میں کھڑے ہوئے- آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے خطبہ پڑھا پھر آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا "حمد وثناء کے بعد، بے شک تمہاری رات کی حالت مجھ سے چھپی ہوئی نہیں تھی- لیکن میں اس بات سے ڈر گیا کہ کہیں اس کو تم پر فرض نہ کر دیا جائے (اگر تم پر فرض کر دی گئی تو) تم اس سے عاجز آجاؤ گے"، ایک روایت میں یہ اضافہ ہے، اور یہ رمضان کی بات تھی- (مسند احمد، حدیث نمبر 2238)

2- سنت قولی سے ثبوت:- سیدنا حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ " حضرت محمد (خاتم النبیین ﷺ) صحابہ کرامؓ کو قیام رمضان (تراویح) کی ترغیب دیا کرتے تھے- البتہ آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے حکم نہیں فرمایا"-

3- سنت تقریری سے ثبوت:- سیدنا حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ " ماہ رمضان میں ایک رات کا واقعہ ہے کہ حضرت محمد (خاتم النبیین ﷺ) اپنے آستانہ مبارک سے مسجد کی طرف نکلے تو آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے دیکھا کہ مسجد کے ایک گوشے میں کچھ لوگ باجماعت کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں- آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے دریافت فرمایا" یہ لوگ کیا پڑھ رہے ہیں"؟ تو عرض کیا گیا" یہ ایسے لوگ ہیں جنہیں قرآن پاک یاد نہیں ہے حضرت ابی بن کعبؓ ان کو نماز تراویح پڑھا رہے ہیں اور یہ سب لوگ بیٹھے کھڑے ان کی اقتداء میں نماز تراویح پڑھ رہے ہیں" - یہ بات سن کر آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے لوگوں کی تحسین کرتے ہوئے فرمایا" انہوں نے ٹھیک کیا اور جو یہ کر رہے ہیں بہت ہی اچھا کام ہے"-

<u>صحابہ کرامؓ سے بیس رکعت تراویح کا ثبوت:-</u>

1- امیر المومنین سیدنا عمرؓ کے عہد خلافت میں ماہ رمضان میں بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھے جاتے تھے-

2- امیر المومنین سیدنا علیؓ اور امیر المومنین سیدنا عمرؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کی روایات کے مطابق اکثر اہل علم بیس رکعت تراویح کے قائل ہیں- (ترمذی)

بہر حال حضور پاک (خاتم النبیین ﷺ) کی تعلیمات کے مطابق صحابہ کرامؓ رمضان المبارک میں تہجد کے علاوہ بیس رکعت تراویح اور تین رکعت نماز وتر پڑھا کرتے تھے- اس طرح صحابہ کرامؓ کے شاگرد تابعینؒ اور ان کے شاگرد تبع تابعینؒ کا معمول بھی یہی تھا-

امام شافعی (شافعی مسلک) کے مسلک میں تراویح کی تعداد:- حضرت امام محمد ادریس قرشی مکی المعروف بہ امام شافعیؒ اپنی کتاب " کتاب الاُمّ " میں ارشاد فرماتے ہیں کہ " مجھے تراویح کی بیس رکعتیں ہی زیادہ پسند ہیں- اس کی وجہ بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں" کیونکہ امیر المومنین امام عمرؓ سے اسی طرح مروی ہے" اس طرح مکہ مکرمہ کے لوگ بھی بیس رکعت نماز تراویح اور تین رکعت وتر نماز پڑھتے ہیں-

حنبلی مسلک میں تراویح کی تعداد:- حضرت امام عبداللہ احمد بن حنبلؒ کے نزدیک تراویح کا بیس رکعت ہونا مختار ہے- پھر امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ " حضرت سفیان ثوریؒ، حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ بھی اسی کے قائل تھے" - اور دلیل میں یہ روایت بیان فرمائی کہ " امیر المومنین سیدنا امام عمرؓ نے سید القراء، سیدنا ابن ابی کعبؓ کو تراویح پڑھانے کے لئے فرمایا اور حضرت ابی بن کعبؓ بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے"-

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی کتاب میں فرمایا "نماز تراویح کی بیس رکعتیں ہیں اور چاہیے کہ رمضان المبارک میں لوگ باجماعت تراویح پڑھا کریں"۔

مالکی مسلک میں رکعات تراویح کی تعداد:- حضرت علامہ محمد بن احمد بن رشد مالکی رحمۃ اللہ قرطبی رحمۃ اللہ نے نماز تراویح کی رکعت اور تعداد کے بارے میں دو قولوں میں سے ایک قول کو پسند کیا ہے اور اس قول کو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ، حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ اور حضرت محدث داؤد (ظاہری رحمۃ اللہ) نے بھی پسند اور اختیار کیا کہ

"قیام رمضان یعنی (وتروں کے علاوہ) نماز تراویح کی بیس رکعتیں ہیں"-اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ کے حوالے سے فرمایا کہ "حضرت امام مالک نماز تراویح کی 36 رکعتیں اور تین رکعت نماز وتر پڑھنے کو مستحسن اور زیادہ بہتر سمجھتے تھے"۔

حنفی مسلک میں رکعت تراویح کی تعداد:- حضرت امام اعظم نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا" نماز تراویح سنت مؤکدہ ہے اور امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز تراویح کی بیس رکعتیں خود اپنی طرف سے ایجاد یا متعین نہیں کرلیں تھیں اور نہ ہی امام عمر رضی اللہ تعالی عنہ کسی بدعت کے موجد تھے۔ اب اگر حضرت امیر المومنین نے بیس رکعت تراویح پڑھنے کا حکم دیا ہے تو ان کے پاس اس کی کوئی نہ کوئی اصل ضرور ہوگی اور ضرور تراویح کے بارے میں ان کے پاس حضرت محمد (خاتم النبیین ﷺ) کا حکم تھا ورنہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ کبھی بھی اس کا حکم نہ فرماتے"۔

حضرت امام اعظم (امام ابوحنیفہ) رحمۃ اللہ کے شاگرد اور ان کے متبعین کا مسلک بھی یہی ہے کہ تراویح بیس رکعت ہے اور اس کی صراحت انہوں نے اپنی کتابوں میں کی ہے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا بھی بیس رکعات نماز تراویح کی قائل تھیں:- حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ

"حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا بیس رکعت نماز تراویح پڑھا کرتی تھیں"۔ اور بقول حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ کے حضور پاک (خاتم النبیین ﷺ) بھی بیس رکعت نماز تراویح پڑھا کرتے تھے۔

اگر حضرت نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) کے عمل سے 20 رکعت تراویح کا ثبوت نہ ہوتا تو ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہ جو کہ حضرت محمد (خاتم النبیین ﷺ) کی حیات ظاہرہ کے بعد سنتالیس یا اڑتالیس سال تک زندہ رہیں۔ اتنے طویل عرصہ تک کبھی خاموش نہ رہتیں کیونکہ ان کے پیش نظر قرآن پاک کی آیت کریمہ (سورہ بقرہ، آیت نمبر 159) اِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَآ اَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِن بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُونَ

ترجمہ:"بیشک وہ جو ہماری اتاری ہوئی روشن باتوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں بعد اس کے کہ لوگوں کے لئے ہم اسے کتاب میں واضح فرما چکے ہیں ان پر اللہ کی لعنت ہے اور لعنت کرنے والوں کی لعنت"۔

نیز یہ بھی مشہور ہے کہ: اَلسَّاكِتُ عَنِ الْحَقِّ شَيْطَانٌ اَخْرَس

ترجمہ:"جو شخص بھی حق بات کہنے سے خاموش رہا وہ گونگا شیطان ہے"۔

اس لیے یہ کیسے ممکن ہوسکتا تھا کہ خلاف حقیقت کام ہوتے ہوئے دیکھ کر ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خاموشی اختیار فرمائی ہے۔

اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ بیس رکعت تراویح پڑھنا سنّت نبوی (خاتم النبیین ﷺ) ہے۔

8 رکعت تراویح کا رد :- تراویح جمع ترویحہ کی ہے۔ جس کے معنی جسم کو راحت دینا ہے۔ تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد کسی قدر راحت کے لئے بیٹھتے ہیں۔

اور عربی میں جمع کا صیغہ کم از کم تین کے لئے بولا جاتا ہے۔ اگر تراویح آٹھ رکعت ہوں تب ان کے درمیان ایک ترویحہ آتا ہے۔

پھر اس نماز کا نام تراویح نہ ہوتا- تین ترویحوں کے لیے کم از کم سولہ رکعت تراویح چاہیے جس میں ہر چار کے بعد ایک ترویحہ ہو۔

اس لئے تراویح کا نام ہی آٹھ رکعت کی تردید کردیتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہما سے 20 رکعت تراویح کا پڑھا جانا سب سے بڑی دلیل ہے۔

اعتکاف اور روزہ

اعتکاف کہتے ہیں مسجد میں عبادت کرنے کے لیے ٹھہرنے کو۔ اِس کے لیے اعتکاف کی نیت کر کے ٹھہرا جاتا ہے۔ رمضان المبارک کے بابرکت مہینے میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی سے متعلق چار امور ایسے ہیں جو خاص طور پر اس مہینے میں ادا کئے جاتے ہیں۔

1۔روزہ 2۔تراویح 3۔اعتکاف 4۔صدقہ فطر (فطرانہ)

رمضان المبارک کے آخری عشرے کا اعتکاف نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی سنت مبارکہ ہے۔ جس کا مقصد لیلۃ القدر کی تلاش ہے۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی ازواج مطہراتؓ بھی آپ خاتم النبیین ﷺ کی حیات مبارکہ اور آپ خاتم النبیین ﷺ کے پردہ فرما جانے کے بعد بھی اعتکاف کیا کرتیں تھیں۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا!

ترجمہ: "رسول پاک خاتم النبیین ﷺ رمضان المبارک کے آخری دس دنوں میں اعتکاف کیا کرتے تھے حتیٰ کہ آپ خاتم النبیین ﷺ وفات فرما گئے۔ پھر آپ خاتم النبیین ﷺ کے بعد بھی آپ خاتم النبیین ﷺ کی ازواج مطہراتؓ اعتکاف کیا کرتیں تھیں"۔ (صحیح بخاری:۔کتاب الاعتکاف حدیث 2:36)

اعتکاف کی قسمیں:۔ حنفیہ کے نزدیک اس کی تین قسمیں ہیں۔ 1۔نفل 2۔واجب 3۔سنت

1۔ **نفل اعتکاف:۔** اِس کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں نہ ایام کی مقدار مقرر ہے۔ جتنے دن کا دل چاہے کر لے۔ حتیٰ کہ اگر مسجد میں داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت کر لی جائے تو جتنی دیر مسجد میں رہیں گے حالت اعتکاف میں ہوں گے۔

اسی طرح اگر کوئی عورت گھر کی مسجد میں جا کر مصلے پر نماز پڑھے تو یہ نیت کر سکتی ہے کہ نیت کرتی ہوں اعتکاف کی جب تک مصلے پر ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ وہاں کوئی اور موجود نہ ہو۔

2۔ **واجب اعتکاف:۔** واجب اعتکاف نذر کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جیسے کوئی کہے کہ میرا فلاں کام ہو جائے گا تو میں ایک دن کا یا 2 گھنٹوں کا یا تین دن کا اعتکاف کروں گا۔ یہ واجب ہے اور جتنے دنوں کی نیت کرے گا اُس کو پورا کرنا ضروری ہے۔

3۔ **سنت اعتکاف:۔** یہ رمضان المبارک کے آخری عشرے کا اعتکاف ہے۔

اعتکاف کا بہت زیادہ ثواب ہے۔ اس کی فضیلت اس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ رمضان المبارک کے آخری عشرے کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ اعتکاف میں بندہ اللہ کے دروازے پر پڑا ہوا ہو، تو اس کے نوازے جانے میں کیا تامل ہوسکتا ہے؟

ابن قیمؒ کہتے ہیں "اعتکاف کا مقصد اور اس کی روح دل کو اللہ تعالیٰ کی پاک ذات کے ساتھ وابستہ کر لینا ہے کہ سب طرف سے توجہ کو ہٹا کر اللہ کے ساتھ مجتمع ہو جائے"۔

صاحب مراقی الفلاح کہتے ہیں "اعتکاف اگر اخلاص کے ساتھ ہو تو افضل ترین اعمال میں سے ہے"۔

مرد کے لیے سب سے افضل جگہ مکہ مکرمہ کی مسجد، پھر مدینہ منورہ، پھر مسجد بیت المقدس، اس کے بعد جامع مسجد، پھر اپنی مسجد جیسا کہ!

''حضرت عائشہؓ نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے اجازت لی اور آپ خاتم النبیین ﷺ نے اجازت دے دی تب حضرت عائشہؓ نے اعتکاف کیا۔'' (صحیح بخاری کتاب الاعتکاف)

خواتین کے لئے اعتکاف جائز ہے۔ لیکن ضروری ہے کہ اعتکاف کے لئے اپنے والد/خاوند/سرپرست سے اجازت لے۔

عورت کو اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کرنا چاہیے۔ اگر گھر میں کوئی جگہ مسجد کے نام سے متعین نہ ہو تو اس کے لیے مخصوص کر لیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اعتکاف صرف مردوں کے کرنے کی عبادت ہے یہ خیال غلط ہے۔

قرآن پاک میں فرمان الٰہی ہے۔ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ (سورۃ البقرۃ آیت نمبر 125)

ترجمہ:۔''تم دونوں میرے گھر کو طواف، اعتکاف، رکوع، اور سجود کرنے والوں کے لیے صاف رکھو۔''

مندرجہ ذیل بالا آیتِ میں ''طَّآئِفِينَ'' اور ''الْعَاكِفِينَ'' یکساں صورت میں اگرچہ مذکر ہیں۔

لیکن جس طرح طواف کے لیے مذکر کے صیغے میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں۔اسی طرح اعتکاف کے لیے بھی مذکر کے صیغے میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں۔

اگر "الْعَاكِفِينَ"کا صیغہ مذکر ہونے کی بنا پر خواتین کو اس سے خارج کریں گے تو "طَّآئِفِينَ" کے مذکر صیغہ سے بھی عورتوں کو خارج کرنا پڑے گا۔امہات المومنینؓ اعتکاف فرمایا کرتیں تھیں۔اور خیر القرون کے بعد بھی خواتین میں اعتکاف کرنے کا رجحان پایا جاتا تھا۔حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے ایک شخص نے پوچھا میری بیوی نے خانہ کعبہ میں اعتکاف کرنے کی نذر مانی ہے تو کیا اسے روزہ بھی رکھنا ہوگا؟ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا میں اُس عورت کے لیے روزہ ضروری نہیں سمجھتا۔
(سنن الدارمی حدیث 162)

لہٰذا اعتکاف کو صرف مردوں کی عبادت قرار دینا غلط ہے۔اسی طرح یہ کہنا بھی غلط ہے کہ اعتکاف عورتوں میں سے صرف امہات المومنینؓ کا خاصہ تھا۔درست بات اور حقیقت مسئلہ یہ ہے کہ مردوں کی طرح عورتیں بھی اعتکاف کرسکتی ہیں۔

اَب شرعی دلائل کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوگئی کہ عورت اعتکاف کرسکتی ہے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ عورت اعتکاف کہاں کرے؟ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اعتکاف کرنے کا ارادہ رکھنے والی خواتین اپنے گھر کی اُس جگہ پر اعتکاف کریں جو عموماً نماز کے لئے مخصوص کر رکھی ہو کیونکہ عورت کا اعتکاف گھر ہی میں بہتر ہے۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ ترجمہ:۔"عورت اپنے گھر کی مسجد میں ہی اعتکاف کرے۔باجماعت نماز والی مسجد میں اعتکاف نہ کرے"

اس موقف کی بنیاد یہ ہے کہ عبادت کی مجموعی طور پر دو اقسام ہیں:- 1۔ فرض 2۔ نفل

اعتکاف کرنا فرض نہیں ہے سنت ہے اس کو نفل میں لیں گے۔اس کو ہم رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی سنت مبارک سے تعبیر کرتے ہیں۔اور نفل کی ادائیگی مسجد کی نسبت گھر میں زیادہ محبوب سمجھی گئی ہے۔جیسا کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے اس فرمان سے واضح ہوتا ہے۔

ترجمہ:۔"فرض نمازوں کے علاوہ بہترین نماز وہ ہے جو انسان اپنے گھر میں پڑھتا ہے۔"(صحیح البخاری)

ایک مرتبہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے بنی عبدالاشہل کی مسجد میں نماز مغرب ادا کی، جب آپ خاتم النبیین ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے دیکھا کہ لوگ نوافل (مغرب کی نماز کی آخری دو رکعت) ادا کر رہے ہیں۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا!

"هٰذِهِ صَلَاةُ الْبُيُوتِ" ترجمہ:۔"یہ تو گھر میں پڑھی جانے والی نماز ہے۔"(سنن ابی داود کتاب الصلواۃ حدیث 1300)

جامع ترمذی کی روایت کے الفاظ ہیں۔

ترجمہ:۔"اس نماز (نفل) کو گھروں میں ادا کیا کرو۔"(جامع ترمذی)

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں "نبی کریم خاتم النبیین ﷺ مغرب کے بعد والی دو رکعت (نفل) اپنے گھر میں ادا کیا کرتے تھے۔"(مسند احمد حدیث 5603)

دوسری روایت میں سیدنا عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔"میں نے دیکھا کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ مغرب کے بعد والی دو رکعت (نفل) اور عشاء کے بعد والے نوافل اپنے اہل خانہ کے ہاں (گھر میں) ادا کیا کرتے تھے۔"(مسند ابو/ابی یعلی الموصلی 89/10 حدیث 5817)

سیدنا ابوحمید الساعدیؓ کی زوجہ محترمہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا"اے اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ میں آپ خاتم النبیین ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھنا چاہتی ہوں۔"رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے عورت کی نماز کے لئے بہتر جگہوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

"تیرے گھر میں تیری نماز محلے کی مسجد میں نماز سے بہتر ہے۔اور محلے کی مسجد میں تیری نماز میری مسجد (مسجد نبوی) میں نماز سے بہتر ہے۔"

تو اس خاتون نے اپنے گھر کے ایک اندھیر کونے میں مسجد (نماز کے لئے خاص جگہ) مقرر کر لی اور تادم آخر وہیں پر نماز پڑھتی رہیں۔(صحیح ابن حبان، مسند احمد)

مذکورہ بالا احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مردوں کی نفل اور عورتوں کی فرض، نفل نماز گھروں میں پڑھنا بہتر ہے۔نماز سب سے افضل اور بہتر عبادت ہے اور اس کے نفل ہونے کی صورت میں اس کی ادائیگی گھر میں کرنا بہتر ہے۔اس لئے اگر عورت کی فرض اور نفل نماز کی ادائیگی گھر میں کرنا بہتر ہے۔اعتکاف بالا و اعلیٰ گھر میں ہی ہونا چاہیے۔کیونکہ اعتکاف بھی فرض نہیں ہے۔یہ بھی نفل ہی میں شمار ہوتا ہے۔یہ تو سنت رسول خاتم النبیین ﷺ ہے۔

مرد کے لیے جمعہ کی ادائیگی فرض ہے۔اس لئے مرد کا اعتکاف جامع مسجد میں ہی ممکن ہے۔جبکہ عورت کے لئے جمعہ کی ادائیگی فرض نہیں ہے جیسا

کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ باجماعت نماز جمعہ ادا کرے سوائے چار قسم کے لوگوں کے، غلام، عورت، بچہ، مریض۔'' (سنن ابی داؤد کتاب جمعہ حدیث 1067)

اگر عورت کے ذمہ نماز جمعہ کی ادائیگی مسجد میں باجماعت فرض ہوتی تو پھر کہا جاسکتا تھا کہ عورت بھی مسجد میں اعتکاف کرے تاکہ جمعہ کی نماز کی طرح اس کا اعتکاف بھی ادا ہو جائے۔ جب عورت پر فرض نماز کے لیے مسجد میں جانا ضروری نہیں اور نہ ہی جمعہ کی ادائیگی باجماعت (مسجد میں) فرض ہے تو پھر اسے اعتکاف کے لئے مسجد کا پابند کیوں کیا جائے؟

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔

''عورتوں کے لئے افضل یہی ہے کہ وہ مساجد میں اعتکاف نہ کریں۔'' (فتح الباری)

علامہ شمس الحق عظیم آبادی ازواج النبی کے اعتکاف کے لئے مسجد میں خیمے لگا لینے اور رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی ناراضگی والی روایت بیان کر کے فرماتے ہیں۔

''اس حدیث میں دلیل ہے کہ عورت کا گھر میں اعتکاف کرنا جائز ہے۔ اور مردوں کا گھروں میں اعتکاف کرنا جائز نہیں'' (عون المعبود)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ:۔ ''عورت کا اعتکاف اس کے گھر کی مسجد میں جائز ہے۔'' (عون المعبود)

حنفی مسلک یہ ہے کہ عورت اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کرلے گھر کی مسجد سے مراد وہ جگہ ہے جو نماز کے لئے خاص کی گئی ہو۔ گھر کی مسجد اعتکاف کرنے میں عورت کے لیے (عرف عام میں) مسجد ہی کا حکم رکھتی ہے۔ جس طرح وہ نماز کی ادائیگی میں عورت کے لئے مسجد کا حکم رکھتی ہے۔ کیونکہ عورت پر باجماعت نماز پڑھنا فرض نہیں ہے۔ (جامع احکام النساء)

امام سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں:۔ ''عورت کا اپنے گھر میں اعتکاف کرنا مسجد میں اعتکاف کرنے سے بہتر ہے۔'' (الاستذکار لابن عبدالبر 399/3)

علامہ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں: ''علماء کا اِس بات میں اختلاف نہیں ہے کہ عورت کی نماز مسجد کی نسبت اس کے گھر میں زیادہ بہتر ہے تو اعتکاف کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔''

گھر کی مسجد:۔ گھر کی مسجد سے مراد گھر میں ایسی جگہ ہے۔ جو خواتین نے نماز کے لئے مخصوص کر رکھی ہو۔ یہ طریقہ صحابہ کرامؓ میں معروف اور عام تھا کہ وہ اپنے گھروں میں ایسی ایک جگہ کو مردوں کے نفل اور عورتوں کی نفل وفرض نماز کی ادائیگی کے لئے خاص کر لیا کرتے تھے۔ جیسا کہ ایک صحابیؓ نے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ سے کہا تھا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ میرے گھر میں ایک جگہ پر نماز ادا فرمادیں۔ میں اس جگہ کو مسجد بنالوں گا۔ تو رسول پاک خاتم النبیین ﷺ اور سیدنا ابوبکرؓ تشریف لے گئے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے اس صحابی کے گھر میں اس کی بتائی ہوئی جگہ پر نماز ادا کی۔ (صحیح بخاری)

''اسی طرح سیدنا ابوحمیدؓ کی زوجہ محترمہ نے اپنے گھر کے ایک اندھیرے کونے میں مسجد (نماز کے لئے خاص جگہ) بنوائی اور تادم آخر وہیں نماز ادا کرتی رہیں''۔ (صحیح ابن حبان مسند احمد حدیث 27135)

کیا اعتکاف میں روزہ لازمی ہے؟:۔ اعتکاف چاہے چند گھنٹوں کا ہو یا چند دنوں کا ہر حال میں یہ ایک اعلیٰ عمل ہے۔ رمضان المبارک کے آخری عشرے میں اعتکاف مسنون ہے۔ اسی کی وجہ سے انسان لیلۃ القدر کی مبارک اور عظیم ساعتوں کو تلاش کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔

بعض لوگ اعتکاف کرنا چاہتے ہیں لیکن اس وجہ سے نہیں کرتے کہ وہ روزہ نہیں رکھ سکتے۔ یاد رکھیں روزہ الگ عبادت ہے اور اعتکاف الگ عبادت۔

اسی طرح کچھ خواتین بچوں کو یہ کہتی ہوئی سنائی دیتی ہیں تیرے روزے کا کیا فائدہ نماز تو تم نے پڑھی نہیں۔ یاد رکھیں روزہ الگ عبادت ہے اور نماز الگ عبادت ہے۔ اب جو عبادت کر لی جائے اللہ تعالیٰ اُسی کو قبول کرلے اسی طرح اعتکاف کرنے کے لیے روزہ شرط نہیں ہے۔

سیدنا حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا! ''یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میں نے زمانہ جہالت میں مسجد حرام میں ایک رات کے اعتکاف کی نذر مانی تھی تو کیا میں اس نذر کو پورا کروں؟'' تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا 'ہاں اپنی نذر پوری کرو' چنانچہ سیدنا حضرت عمرؓ نے ایک رات کا اعتکاف کیا۔ (صحیح بخاری حدیث 2031)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ ہر رمضان میں اعتکاف کیا کرتے تھے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ صبح کی نماز پڑھنے کے بعد اپنے اعتکاف کے خیمہ میں جاتے تھے (راوی کا کہنا ہے کہ) حضرت عائشہؓ نے بھی نبی کرم خاتم النبیین ﷺ سے اعتکاف کی اجازت چاہی آپ خاتم النبیین ﷺ نے انہیں اجازت دے دی۔ اس لئے انہوں نے اپنے لیے بھی ایک خیمہ لگا لیا۔ حضرت حفصہؓ نے سنا تو انہوں نے بھی ایک خیمہ لگا لیا۔ حضرت

زینبؓ نے سنا تو انہوں نے بھی ایک خیمہ لگا لیا۔صبح کو جب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نماز پڑھ کر لوٹے تو چار خیمے نظر آئے ۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا؟ آپ خاتم النبیین ﷺ کو حقیقت حال کی اطلاع دی گئی آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا انہوں نے ثواب کی نیت سے یہ نہیں کیا ہے (بلکہ ایک دوسرے کی ضد سے کیا ہے) ان کے خیمے اکھاڑ دو۔اس کے بعد آپ خاتم النبیین ﷺ نے بھی اس سال رمضان المبارک کے مہینے میں اعتکاف نہیں کیا بلکہ شوال میں اعتکاف کیا تو کیا نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے شوال میں اعتکاف کے درمیان روزے رکھے تھے۔اس بات کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔(صحیح البخاری ۔کتاب الاعتکاف ۔باب الاعتکاف فی شوال حدیث 2041)

اسی طرح ایک روایت میں ابوسہیل کہتے ہیں کہ میری بیوی کے ذمہ مسجد حرام میں تین دن کا اعتکاف (نذر ماننے کی وجہ سے واجب) تھا میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے پوچھا۔کیا اس کے لئے روزہ ضروری ہے؟

اس وقت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس امام زہریؒ موجود تھے ۔انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے جواب دینے سے پہلے کہا۔''اعتکاف تو روزے کے بغیر ہوتا ہی نہیں''،''حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان سے پوچھا" کیا یہ بات حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ سے ثابت ہے" ؟انہوں نے کہا "نہیں"۔حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان سے پوچھا" کیا یہ بات حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ثابت ہے"؟انہوں نے کہا" نہیں"۔حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان سے پوچھا" کیا یہ بات حضرت عمر بن خطابؓ سے ثابت ہے انہوں نے کہا نہیں"۔پھر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا" میں اس عورت پر روزہ ضروری نہیں سمجھتا۔''ابوسہیل کہتے ہیں" میں ان کے پاس سے باہر نکلا اور امام طاؤسؒ اور عطا بن ابی رباحؒ سے ملا تو ان سے میں نے یہی سوال کیا تو امام طاؤسؒ نے فرمایا" سیدنا ابن عباسؓ بھی ایسی عورت کے لیے روزہ ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ہاں اگر اس عورت نے نذر مان کر روزے اپنے او پر فرض نہ کر لئے ہوں''۔(سنن الدارمی 70/1 حدیث 162)

امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی روزے کے بغیر اعتکاف کرتا ہے تو جائز ہے۔حضرت امام شافعیؒ کا موقف بھی یہی ہے۔سیدنا حضرت علیؓ اور سیدنا ابن مسعودؓ بھی فرماتے تھے۔معتکف چاہے روزہ رکھ لے اور چاہے نہ رکھے۔''(فقہ السنہ)

پس حقیقت مسئلہ یہ ہے کہ رمضان المبارک کے روزے فرض ہیں ۔انہیں جان بوجھ کر بغیر کسی شرعی عذر کے چھوڑنا سخت گناہ اور بدقسمتی ہے۔

اب جو شخص رمضان کی آخری راتوں میں اعتکاف کرے اُسے چاہیے کہ روزے کا اہتمام بھی کرے اور کسی شرعی عذر کے بغیر روزہ نہ چھوڑے ۔لیکن اگر اعتکاف کرنے کا ارادہ کیا اور روزے کسی شدید مرض کمزوری، یا بڑھاپے کی وجہ سے نہیں رکھ سکتا۔تو اسے اعتکاف کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔اسی طرح اگر اعتکاف شروع کر لیا۔درمیان میں بیمار ہو گیا روزہ رکھنے کے قابل نہیں رہا لیکن اعتکاف کر سکتا ہے۔اور اس کا ارادہ اعتکاف پورا کرنے کا ارادہ ہے تو ایسا شخص بغیر روزہ رکھے اپنا اعتکاف پورا کر سکتا ہے۔

اگر کسی نے ایک یا دو یا زیادہ دِنوں کا اعتکاف کرنے کی نذر مانی تھی تو اس کو اس اعتکاف کی نذر پوری کرنے کے لیے روزے رکھنے ضروری نہیں ہاں اگر اس نے اعتکاف کے ساتھ روزوں کی بھی نذر مانی تھی تو ایسی صورت میں اعتکاف کے ساتھ روزے رکھنا بھی فرض ہو جائیں گے ان کی ادائیگی لازم ہو گی۔

حاصل بحث یہ ہے کہ دور نبوی خاتم النبیین ﷺ کے بعد معاشرے میں سر اٹھانے والی قباحتوں اور فتنوں سے حفاظت کے پیش نظر صحابہ کرامؓ نے اپنی عورتوں کو نماز کی ادائیگی کے لئے مسجد میں جانے سے منع کر دیا تھا۔جبکہ وہ دور عہد نبوی خاتم النبیین ﷺ سے متصل دور تھا اس دور کی نسبت موجودہ دور بہت زیادہ فتنوں سے بھرا پڑا ہے۔صحابہ کرامؓ نے عورتوں کو مسجد میں نماز کی ادائیگی سے روک دیا تھا جبکہ نماز کی ادائیگی کا دورانیہ اعتکاف کی نسبت بہت ہی کم ہے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ اس فتنوں سے بھرے ہوئے دور میں عورت کا مسجد میں اعتکاف کے لیے جانا کہاں مناسب ہو سکتا ہے۔جبکہ اعتکاف تو کم و پیش دس ایام پر مشتمل ہوتا ہے۔اسی لئے عورت کا اعتکاف اس کے گھر کی مسجد ہی میں بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ عقل اور فہم عطا فرمائے۔(آمین)

جمعہ اور جمعۃ الوداع

رمضان المبارک کی برکتوں اور رحمتوں کا کیا کہنا---روزہ، تراویح، قرآن پاک، شب قدر اور اعتکاف جیسی نعمتوں کے ساتھ ساتھ جمعۃ الوداع جیسی نعمت رمضان المبارک کی وہ نعمتیں ہیں جو ہمیں یقینی طور پر گناہوں سے دور لے جاتی ہیں۔

جمعہ کے معنی "جمع کرنا" ہے یعنی "جمع ہونے کا دن"- اصطلاح میں اس دن مسلمان نماز جمعہ کے لیے جمع ہوتے ہیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "بیشک جمعہ کا دن تمام دنوں کا سردار اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ عظمت والا دن ہے، اس کا درجہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر سے بھی زیادہ ہے، اس کی پانچ خصوصیات ہیں: اللہ تعالیٰ نے اسی دن آدم کو پیدا فرمایا، اسی دن ان کو روئے زمین پہ اتارا، اسی دن اللہ تعالیٰ نے ان کو وفات دی، اور اس دن میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ بندہ اس میں جو بھی اللہ سے مانگے اللہ تعالیٰ اسے دے گا جب تک کہ حرام چیز کا سوال نہ کرے، اور اسی دن قیامت آئے گی، جمعہ کے دن ہر مقرب فرشتہ، آسمان، زمین، ہوائیں، پہاڑ اور سمندر (قیامت کے آنے سے) ڈرتے رہتے ہیں۔(ابن ماجہ، حدیث نمبر 1084)

ظہور اسلام کے بعد نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو جو آخری الہامی کتاب کلام الہی دی گئی اس میں یوم جمعہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس عنوان سے پارہ 28 میں ایک مستقل سورۃ "سورۃ جمعہ" نازل ہوئی۔ سورہ جمعہ کا پہلا رکوع فتح خیبر کے بعد قریب ترین زمانہ میں نازل ہوا۔ دوسرا رکوع ہجرت کے بعد قریب ترین زمانے کا ہے کیونکہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ جیسے ہی مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو پانچویں روز ہی جمعہ ہو گیا تھا۔ سورہ جمعہ، آیت نمبر 9-10 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: "مومنو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے آذان دی جائے تو خدا کی یاد یعنی نماز کے لیے جلدی کرو اور خرید و فروخت ترک کر دو- اگر سمجھو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ پھر جب نماز پڑھ چکو تو اپنی اپنی راہ لو اور خدا کا فضل تلاش کرو اور خدا کو بہت یاد کرتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ"۔

نماز جمعہ کی فرضیت ہجرت سے کچھ عرصہ قبل ہو چکی تھی مگر اس وقت اس پر عمل کرنا ممکن نہ تھا۔ اس لئے آپ خاتم النبیین ﷺ نے ان لوگوں کو جو پہلے سے مدینہ منورہ جا چکے تھے یہ حکم بھیجا کہ مدینہ منورہ میں نماز جمعہ قائم کریں- چنانچہ ابتدائی مہاجرین کے سردار حضرت معصب رضی اللہ تعالی عنہ بن عمیر رضی اللہ تعالی عنہ نے بارہ افراد کے ساتھ پہلا جمعہ پڑھا۔(طبرانی، دارقطنی)

رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے ہجرت کے بعد جس کام کو فوقیت دی وہ اقامت جمعہ تھی- آپ خاتم النبیین ﷺ پیر کے دن مقام قبا میں پہنچے تھے اور چار دن کے بعد جمعہ تھا۔ سالم بن عوف کے مقام پر جمعہ کا وقت ہو گیا تھا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے اسی جگہ پر نماز جمعہ ادا فرمائی۔ اس دن کی یاد میں مدینہ منورہ میں ایک مسجد قائم کر دی گئی ہیں جو آج بھی "مسجد جمعہ" کے نام سے موجود ہے۔ جہاں حجاج کرام حج پر جاتے ہیں تو زیارت کے لئے حاضر ہو کر دو رکعت نماز تحیۃ المسجد کے ادا کرتے ہیں۔

جمعہ کے دن دعا کی قبولیت کی گھڑی: جمعہ میں ایک ساعت ایسی آتی ہے۔ جس میں جو دعا کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے- (ابن ماجہ، بخاری، مسند احمد)

رسول پاک ﷺ نے فرمایا ''جمعہ سید الایام ہے اور اللہ کو ہر دن سے زیادہ پسند ہے۔ اس دن حضرت آدم علیہ السلام کی پیدایش ہوئی اس دن انہیں جنت میں داخل کیا گیا۔ اسی دن انہیں زمین پر اتارا گیا اسی دن قیامت قائم ہوگی جن اور انس کے سوا زمین پر چلنے والا ہر جانور کان لگائے اس دن کے انتظار میں ہے۔ جو جمعہ کے دن واقع ہوگی (یعنی قیامت)''۔(احمد، اصحاب السنن وصحیح النووی)

1۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور خاتم النبیین ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ ''روشن رات'' اور ''روشن دن'' یعنی جمعہ کی رات اور جمعہ کے دن اپنے نبی پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔(بیہقی)

2۔ حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "ہر جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو''۔(ابی داؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان)

3۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''جو شخص جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد مجھ پر 80 بار درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے 80 برس کے گناہ معاف فرما دے گا''۔

(القول البدیع ص 399- دار الیسر)

4۔ حضرت حسن بصریؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ ’’شب جمعہ میں جس نے سورۃ یٰسٓ، سورۃ صٓ، حٰم اور سورۃ دخان پڑھی تو جب وہ صبح بیدار ہوتا ہے تو اس کی مغفرت ہو چکی ہوتی ہے‘‘۔ (اخرجہ البیہقی فی شعب الایمان، ترمذی)

رمضان المبارک کے تیسرے جمعہ کا وظیفہ:

یہ ایک وظیفہ ہے جو ہر جمعہ کو پڑھا جا سکتا ہے- لیکن اس کی سب سے بڑی فضیلت رمضان المبارک کا تیسرا جمعہ ہے- اگر اللہ تبارک تعالیٰ حیات اور زندگی دے اور تیسرا جمعہ ملے تو جمعہ کے دن کسی بھی وقت یہ وظیفہ کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالی سے دعا کرنی ہے- اس دعا کی برکت سے اللہ تعالی بڑے سے بڑا مرض انسان کے جسم سے ختم کر دیتا ہے۔ اس کی تعداد یہ ہوگی: درود ابراہیمی (11 بار)، سورہ الم نشرح (21 بار)، سورۃ القدر (21 بار)، درود ابراہیمی (11 بار)

جمعۃ الوداع:

"جمعۃ الوداع "جو رمضان المبارک کا آخیری جمعہ ہے۔ اس جمعہ کی اپنی بہاریں اور اپنی نعمتیں ہیں- یہ اسی بات کی علامت ہے کہ برکتوں، رحمتوں اور نعمتوں سے بھرپور ماہ رمضان اب رخصت ہوا چاہتا ہے۔ دیکھا جائے تو اس ماہ کے دوران روزہ داروں نے تطہیر نفس کے لیے جو عبادات کی ہیں جمعۃ الوداع ان کا نقطہ معراج ہے۔ جمعۃ الوداع کے روز دنیا بھر کے مسلمان اللہ تعالی کے حضور سر بسجود ہو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اور ملک وملت اور پوری اسلامی دنیا کی سربلندی کے لئے ان کے ہاتھ اٹھتے ہیں۔

یوں تو ہر نماز جمعہ میں مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی ہوتی ہیں لیکن خاص طور پر جمعۃ الوداع کے موقع پر روح پرور مناظر دیکھنے میں آتے ہیں۔

جمعۃ الوداع کے دن مسلمان اس بات کے لئے بھی دعا گو ہوتے ہیں کہ ہمیں ماہ مبارک (رمضان) میں جس عبادت، ریاضت، نظم وضبط اور بری عادات سے پرہیز کا مظاہرہ دیکھنے میں آیا ہے- اللہ تعالی اسے ہماری زندگیوں میں جاری وساری رکھنا- اس لیے جمعۃ الوداع ہمیں صرف یہی پیغام نہیں دیتا کہ ماہ صیام کا اختتام قریب ہے بلکہ اس میں یہ پیغام بھی مضمر ہے کہ ماہ رمضان کی سعادتوں کو اب سارا سال جاری وساری رہنا چاہیے۔

ہمیں اس دن یہ خیال رکھنا ہے کہ یہ دن (جمعۃ الوداع) کا اب پورے ایک سال کے بعد آئے گا اور نصیبوں والے اسے پائیں گے- گویا یہ دن رمضان المبارک کی رخصتی اور عید الفطر کی آمد کا دن ہے۔ جمعۃ الوداع مبارک پر ہر مسلمان غم وخوشی کے ملے جلے جذبات سے مغلوب ہوتا ہے۔ **خوشی اس بات کی کہ وہ امتحان میں پورا اترا ہے** اس نے رمضان المبارک کا ارشادات ربانی کے مطابق احترام کیا ہے اور روزے، تراویح، اعتکاف، قرآن پاک، ذکر وغیرہ سب کچھ کرنے کی پوری بھرپور کوشش کی اور اللہ تعالی کی خوشنودی کی خاطر بھوک، پیاس کو برداشت کیا اور اپنی خواہشات کو ترک کیا۔ **غم اس بات کا ہوتا ہے کہ بڑی برکتوں والا مہینہ اب رخصت ہو رہا ہے** جس میں جنت کے دروازے کھلے تھے، دوزخ کے دروازے بند تھے، سرکش شیاطین قید کر دیئے گئے تھے، فضا میں عجیب قسم کی خوشبو تھی جو رمضان المبارک کے ساتھ ہی رخصت ہو جائے گی۔ ہمیں جمعۃ الوداع کے دن نہایت عاجزی سے اللہ تعالی کے حضور آہ وزاری کرنی چاہیے اور اپنے گزشتہ گناہوں سے معافی مانگنی چاہیے۔

اللہ تعالی ہمیں رمضان المبارک کے روزے رکھنے، نماز پڑھنے، قرآن پاک پڑھنے اور جمعۃ الوداع ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

صدقہ فطر اور عید الفطر کے فضائل و مسائل

صدقہ فطر غرباء مساکین کا حق:

رمضان المبارک کے اختتام پر روزوں کا فطر دیا جاتا ہے اسے عام طور پر فطرانہ کہتے ہیں ''فطرہ یا فطر'' لفظ افطار سے ماخوذ ہے چونکہ ماہ رمضان گزر جانے کے بعد عید الفطر آتی ہے اس عید کو عید الفطر اس لئے کہا جاتا ہے چونکہ ماہ رمضان کے بعد عید کا دن افطار کا ہوتا ہے اس لئے اسی مناسبت سے اس صدقہ کو صدقہ فطر کہتے ہیں ، یہ نقد اور غلّہ دونوں طرح سے دے سکتے ہیں۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا " روزے کی عبادت زمین و آسمان کے درمیان اس وقت تک معلق رہتی ہے جب تک مسلمان صدقہ فطر ادا نہیں کر لیتا"۔(مسلم۔جامع ترمذی)

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے "صدقہ فطر سے نادار حاجت مندوں کو کھانا مل جاتا ہے"۔

صدقہ فطر کے معنی:

فطر کے لغوی معنی روزہ کھولنے کے ہیں تو صدقہ فطر کا مفہوم ہوا روزہ کھولنے کا صدقہ۔شرعی اصطلاح میں صدقہ فطر سے مراد وہ واجب صدقہ ہے جو رمضان کے اختتام پر دیا جاتا ہے۔رمضان المبارک کی فرضیت کے ساتھ ہی آپ خاتم النبیین ﷺ نے صدقہ فطر کی ادائیگی کا حکم دیا۔

صدقہ فطر کا وجوب:

صدقہ فطر ہر مسلمان مرد و عورت، بالغ و نابالغ، آزاد، غلام سب پر واجب ہے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ایک منادی بھیج کر گلی کوچوں میں یہ اعلان کروایا آگاہ رہو صدقہ فطر ہر مسلمان آزاد، غلام، چھوٹے، بڑے پر واجب ہے۔(ترمذی)

صدقہ فطر کی مقدار:

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے صدقہ فطر دینے کے لئے ان چیزوں کا ذکر فرمایا ہے جو عام طور پر غذا کیلئے استعمال ہوتی ہیں مثلاً گندم، جَو، کھجور، کشمش، پنیر وغیرہ۔حضرت ابو سعید خدری ؓ کی روایت میں ایک صاع کشمش اور پنیر کا ذکر ہے۔

صاع کیا ہے:

حضور اقدس خاتم النبیین ﷺ کے دور میں گندم، جَو وغیرہ تولنے کے بجائے ناپ کر فروخت کئے جاتے تھے۔صاع ماپنے کا ایک ایسا پیمانہ ہے کہ جس کے ذریعے مذکورہ بالا اشیاء کا تبادلہ اور خرید و فروخت ہوتی تھی یعنی ایک صاع = پونے تین سیر یا 2-1/2 کلو جنس کے۔

صدقہ فطر کی ادائیگی کی صورتیں:

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ گندم، جَو، کھجور وغیرہ بھی دی جاسکتی ہے اور ان کی قیمت بھی۔علماء نے لکھا ہے کہ اصل چیز فقراء اور مساکین کی ضرورت کو پورا کرنا ہے۔اگر اناج دینے میں ان کا فائدہ ہے تو اناج دیا جائے اور اگر ضرورت پیسے سے پوری ہوتی ہے تو پیسے دیئے جائیں۔

صدقہ فطر کے مستحقین:

صدقہ فطر اس شخص کو دیا جاسکتا ہے جس کو زکوٰۃ دی جاتی ہے رشتہ داروں میں اگر مستحق ہیں تو ان کو دینے سے اجر دہرا ملتا ہے۔اولاد، ماں باپ، نانا نانی، دادا دادی، کو صدقہ فطر نہیں دیا جاسکتا۔شوہر بیویوں کو اور بیوی شوہر کو صدقہ فطر نہیں دے سکتی۔بیوہ اگر مال دار ہے تو اسے صدقہ فطر دینے سے اس کی ادائیگی نہیں ہوگی۔زکوٰۃ غیر مسلم کو نہیں دی جاسکتی لیکن صدقہ فطر غیر مسلم کو دیا جاسکتا ہے۔

صدقہ فطر کس کی طرف سے ادا کیا جائے:

صدقہ فطر خوشحال مرد پر اپنے علاوہ نابالغ اولاد کی طرف سے واجب ہے، اگر نابالغ اولاد دولت مند ہو تو اس کے مال سے ادا کرے۔بالغ اولاد اگر نادار ہو تو اس کی طرف سے بھی ادائیگی واجب ہے۔جو اولاد ذہنی طور پر معذور ہو اور ہوش و خرد سے محروم ہو وہ بالغ ہو یا نابالغ اس کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا والد کے لئے لازم ہے۔وہ ملازم جو کسی کی سرپرستی میں ہو اور سرپرست ان کے کھانے پینے اور رہائش کا کفیل ہو تو اس کا صدقہ فطر ادا کرنا سرپرست کے لئے ضروری ہے۔اگر بچوں کا والد

موجود نہ ہوتو دادا کے لئے وہی احکام ہیں جو بچوں کے باپ کے لئے ہیں، یعنی دادا پر پوتے پوتیوں کا فطرانہ ادا کرنا واجب ہے۔

صدقہ فطر کی ادائیگی کا طریقہ کار:

صدقہ فطر الگ الگ حق داروں کو بھی دیا جاسکتا ہے اور چند آدمیوں کا جمع کر کے ایک محتاج کو بھی دے سکتے ہیں۔ صدقہ فطر ایک جگہ لوگوں کو جمع کر کے اجتماعی طور پر بھی دیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح راہِ خدا میں لڑنے والے مجاہدین بھی اس کا مصرف ہیں۔ اس سے اشاعت دین اور غلبہ دین کا بھی اجر ملے گا۔

صدقہ فطر کی ادائیگی کا وقت:

صدقہ فطر واجب ہونے کا وقت عید کا دن طلوعِ فجر ہے، یہ رمضان کے آخری دن غروبِ آفتاب سے شروع ہوتا ہے اور یہ عید کی نماز سے پہلے ادا کرنا ضروری ہے جو صدقہ فطر عید کی نماز سے پہلے ادا کرے گا اس کا فطرانہ قبول ہوگا۔ اور جو عید کی نماز کے بعد ادا کریگا تو اس کا یہ مال بھی قبول ہوگا لیکن اسے عام صدقہ خیرات کا ثواب ملے گا۔ (ابن ماجہ۔ ابوداؤد۔ عن ابن عباسؓ) حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے صدقہ فطر عید گاہ جانے سے پہلے ادا فرمایا ہے (بخاری) صدقہ فطر کی ادائیگی کا مقصد چونکہ غرباء و مساکین کو عید کی خوشیوں میں شریک کرنا ہے اس لئے اس کی ادائیگی عید الفطر سے ایک یا دو یا اس سے بھی پہلے ادا کر دی جائے تو جائز ہے۔ تاکہ نادار لوگ اس سے عید کی ضروریات پوری کر سکیں۔

صدقہ فطر کے دیگر مسائل:

رمضان المبارک میں کسی وجہ سے روزہ نہ رکھنے والے پر بھی صدقہ فطر واجب ہے بہتر ہے کہ صدقہ فطر قریب کے محتاجوں کو دیا جائے۔ لیکن اگر کوئی شدید اور معقول ضرورت مند ہوتو اس کو رقم بھی بھجوائی جاسکتی ہے۔ صبح صادق کے وقت بچہ پیدا ہو یا غریب کے پاس مال آجائے تو اس پر بھی صدقہ فطر واجب ہو گیا۔ صبح صادق سے پہلے مرنے والے کا صدقہ فطر ادا کرنا واجب نہیں ہے۔ کوئی شخص عید سے پہلے صدقہ فطر نہ دے سکا تو معاف نہ ہوگا بعد میں دے دیا جائے لیکن ثواب عام صدقہ کا ملے گا۔ صدقہ فطر ادا کرنے میں سستی کی مال ضائع ہو گیا تب بھی صدقہ فطر معاف نہ ہوگا۔ جبکہ مال چوری ہونے کی صورت میں زکوٰۃ معاف ہو جاتی ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم عید منانے سے قبل اپنے نادار بھائیوں کو بھی عید کی خوشیوں میں شریک کر لیں۔

عید الفطر محبت اور خوشی کا دن:

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں مسلمان کے گھر میں پیدا فرمایا۔ اور ہمیں دین اسلام سے آگاہی بخشی۔ روزہ داروں کی کوششوں کو اللہ تعالیٰ رحمت خاص سے نوازتا ہے۔ اور قرآن پاک کو پڑھنے والوں کی خوشیوں میں ایک اور اضافے کا دن عید الفطر ہے ہر قوم کے لئے عید اور خوشی کا دن ہے اور آج یعنی اختتام رمضان پر ہماری عید کا دن ہے۔

جنات کا رمضان

جنات کا پیدائشی دوست ''ماہنامہ عبقری'' کا مشہور سلسلہ ہے۔اس سلسلے کی ایک قسط ''جنات کا رمضان'' کے عنوان سے ماہنامہ عبقری میں چھپی، عبادت میں رغبت اور اعمال میں ترقی کیلئے اس کتاب کا حصہ بنا رہے ہیں۔

جنات کا پیدائشی دوست:- علامہ لاہوتی پراسراری لکھتے ہیں: قارئین بیٹھے بیٹھے خیال آیا کہ کیوں نہ آپ کو جنات کے رمضان کی کچھ کیفیات، معمولات، مجاہدے، قربانیاں، مانگنا، گڑگڑانا، رونا، قرآن پڑھنا، تراویح پڑھنا، ذکر کرنا، صدقہ وخیرات کرنا، غریب پروری میں آگے آگے بڑھ کر چلنا، یہ سب واقعات بتائے جائیں۔

جنات کا رمضان: جنات کی زندگی میں رمضان کا استقبال ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ جنات رمضان المبارک میں ذکر بہت کثرت سے کرتے ہیں۔ یہ ذکر جنات اربوں سے زیادہ کرتے ہیں۔کھلانے پلانے اور افطار کرانے کا انتظام ان کے ہاں بہت زیادہ ہوتا ہے۔ ہر جن کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ زیادہ زیادہ کھلائے پلائے۔

جنات رمضان میں چھٹی مناتے ہیں:- رمضان کے مہینے میں جنات کی زندگی کے معمولات دھیمے پڑ جاتے ہیں۔ان کا کاروبار بہت کم رہ جاتا ہے۔اور جنات کے ہاں ماہ رمضان میں لاکھوں قرآن پاک پڑھے جاتے ہیں۔ جنات میں حافظ بہت زیادہ ہوتے ہیں اس لئے ان کے ہاں ہر جگہ ہر گھر میں، ہر قبرستان، ہر ویرانے، ہر جنگل میں اور ہر درختوں کے جھنڈ میں اور ہر پرانی بھٹی اور بھٹے میں، ہر پانی کے کنارے پر دریا اور سمندر کے کنارے پر مصلے پڑھے جاتے ہیں۔

جنات کا طرز قرأت قرآن:- جنات قرآن بہت خوبصورت طرز میں پڑھتے ہیں۔ کیونکہ جنات نے خود قرآن حضور اقدس خاتم النبیین ﷺ سے سنا، صحابہ کرامؓ، اہل بیت، اجمعین سے سنا، تابعین سے سنا، تبع تابعین محدثین، اولیائے کرامؒ اور صالحین سے سنا ہے۔اس لیے جنات کے ہاں ہمیشہ وہی طرز ہے جس طرز پر سعودی عرب میں قرآن پاک پڑھا جاتا ہے۔

جنات کی ختم قرآن میں شرکت:- جنات ختم قرآن پر بہت ہی اہتمام کرتے ہیں ہر طرف سے تقاضہ ہوتا ہے کہ آپ ہمارے ختم قرآن میں آئیں اور دعا کروائیں کچھ کلمات بھی کہہ دیں جن میں تعارف قرآن، عظمت قرآن اور فضائل القرآن کی بات بھی ہو جائے۔سب ختم القرآن میں جاتے ہیں اور ہر جگہ مٹھائی بہت بانٹی جاتی ہے۔

یہ لاکھوں قران پاک کون پڑھتا ہے :- قارئین سینکڑوں ادارے روزانہ مسلسل قرآن پاک چھاپ رہے ہیں۔انسانی دنیا میں ہر گھر میں ایک یا دو قرآن پاک خاندان کے لیے عمر بھر کے لیے کافی ہو جاتے ہیں اس لئے کہ انسانی دنیا میں قرآن پاک پڑھنے کا ذوق بالکل ختم ہوتا جا رہا ہے۔ پھر آخر یہ چھپنے والے لاکھوں قرآن پاک کہاں جاتے ہیں؟ اور پھر نئے سرے سے چھپائی کا کام ہوتا ہے۔ جنات ہمیشہ قرآن پاک پڑھتے ہیں اور بہت پڑھتے ہیں۔ پھر ایک دوسرے کو تحفے میں قرآن پاک دیتے ہیں۔ان کے ہاں قرآن بہت بوسیدہ ہوتے ہیں۔زیادہ پڑھے جاتے ہیں زیادہ بکتے ہیں۔کئی جنات مجھے تحفے میں قرآن پاک دیتے ہیں پھر میں ان کو دوسرے جنات کو تحفے میں دے دیتا ہوں۔

جنات کا آزمودہ عمل:- رمضان کے مہینے میں ایک دن میں قرآن ختم کرنے والے، آدھے دن میں قرآن ختم کرنے والے جنات بے شمار سے بھی زیادہ ہیں۔
دو یا تین دن میں قرآن ختم کرنے والے عموماً ملتے ہیں، روزے کا ذوق، ختم قرآن کا ذوق، کروڑوں بار کلمہ، کروڑوں بار استغفار، کروڑوں بار درود شریف اور اربوں سے زیادہ حَلِیمُ، کَرِیمُ، عفوٌ، کریمٌ بہت پڑھنے والے ملتے ہیں۔ایک نوجوان جن کے بقول جو شخص رمضان میں حَلِیمُ، کَرِیمُ، عفوٌ، کریمٌ پڑھے گا۔اس کا وہ رمضان روزہ اور مجاہدہ اتنا قبول ہوگا کی دنیا حیران ہو جائیگی۔اس ذکر کو رمضان میں کرنے سے مشکل حل ہوتی ہے، پریشانیاں دور ہوتی ہیں، رزق میں وسعت و برکت، عزت و کامیابی، کمال برکت، کمال راحت، ہر مشکل کا حل، ہر پریشانی کا حل۔زندگی ایسی بن جاتی ہے کہ انسان کے گمان سے بالاتر، یہ ذکر ہر کسی کو کرنے کی اجازت ہے

سب سے زیادہ قرآن جنات قوم پڑھتی ہے:- میرا تجربہ اِس بات کی غمازی کرتا ہے کہ جتنا قرآن جنات قوم پڑھتی ہے شاید ہی کسی اور قوم کے لوگ اتنا قرآن پڑھتے ہوں۔ جنات قوم کو قرآن پاک سے بہت زیادہ شغف ہے اور قرآن ان کے انگ انگ اور نس نس کے اندر گھلا ہوا ہے۔یہ لاکھوں کی تعداد میں چھپنے والا قرآن پاک آخر کہاں جاتا ہے؟ وہ قرآن پاک قوم جنات خریدتی اور پڑھتی ہے۔جنات کی بچیاں اور بچے قرآن پاک بہت پڑھتے ہیں۔رمضان میں تو خاص اہتمام ہوتا ہے۔ایک رات میں پورا قرآن پاک ختم کرنے والے تین راتوں میں ختم کرنے والے، پانچ راتوں میں ختم کرنے والے بے شمار ہیں۔اور دس راتوں میں قرآن پاک ختم کرنا تو ایک عام بات ہے۔صفوں کی شکل میں قرآن پاک سناتے ہیں اور صفوں کی صفیں اس قرآن پاک کو سن رہی ہوتی ہیں۔جتنا لمبا ان کا قیام ہوتا ہے شاید ہم اتنا لمبا قیام نہ کر پائیں۔ہمارے جسم کی طاقت ہمارا اتنا ساتھ نہ دے سکے۔ پر جتنا لمبا قیام انکا ہوتا ہے ہم انسان سوچ بھی نہیں سکتے۔اور جس لگن اور محبت کے ساتھ قرآت

کرتے ہیں محسوس ہوتا ہے قرآن بول رہا ہے۔

صحابی رضی اللہ جن بابا، حاجی صاحب نے بھی قرآن پاک سنایا:- میں نے صحابی رضی اللہ بابا سے تقاضہ کیا کہ آپ نے خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سنا ہے تو قرآن مجھے سنایئے۔فرمانے لگے بوڑھا ہوگیا ہوں قرآن تو مجھے یاد ہے لیکن لمبی رکعت اور لمبے رکوع، قیام وسجود کی اب ہمت نہیں رہی۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ مختصر رکعت اور مختصر قیام میں مجھے سنا دیجئے۔انہوں نے میری بات مان لی پھر انہوں نے قرآن پاک سنایا۔دس دن میں پورا قرآن پاک ہوا۔ایسی طرز ایسا پڑھنے کا انداز کہ لفظ لفظ سینے میں اتر گیا۔ ہر حرف سے قرآن کی حقیقی خوشبو محسوس ہوئی اور طبعیت ایسے سرشار ہوئی کی عقل حیران رہ گئی۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے دور میں کیا واقعی ایسا قرآن پڑھا جاتا تھا؟ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے دور کا قرآن کتابوں میں پڑھا، علماء سے سنا۔تفسیر نے اس کی لذت اور چاشنی کو بیان کیا لیکن اس کو میرے کانوں نے سنا تو عقل دنگ رہ گئی اور مجھے محسوس ہوا کہ واقعی حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے دورِ مبارک میں ایسا قرآن پڑھا جاتا تھا۔

دسویں دن صحابی بابا نے تقریباً پونے گھنٹے رقت آمیز دعا کی، پونے گھنٹے کے بعد حاجی صاحب نے خود دعا ختم کی اور مجھ سے دعا کرنے کا تقاضہ فرمایا۔ پھر تقریبا بیس منٹ میں نے دعا کی اس مجمع میں جس میں جنات کے لشکر کے لشکر آئے ہوئے تھے سب آمین کہہ رہے تھے۔مرد، عورتیں، بوڑھے، بچے جوان سب ہی شامل تھے۔صحابی بابا حاجی صاحب کا ختم القران ہندوستان کے پہاڑی علاقے میسھوری میں ہوا تھا۔صحابی بابا کے قرآن پڑھنے کا انداز خالص عربی تھا۔ جو میں نے حج کی حاضری میں وہاں کے ائمہ سے سنا وہاں کے آئمہ کرام نے جس طرز پر قرآن پڑھا بالکل وہی طرز وہی انداز صحابی بابا کا تھا۔

اس کے بعد اس قسم کی مٹھائی جس کو جنات اپنی زبان میں ڈبی کہتے ہیں۔ تقسیم کی گئی یہ مہنگی مٹھائی جنات کے ہاں خاص موقعوں پر بنائی جاتی ہے ویسے عام طور پر جنات کے ہاں مٹھائی بہت بنائی اور کھائی جاتی ہے۔

تفسیر من الجنۃ والناس:- ایک اور ختم القرآن حاجی صاحب کے بیٹے عبدالسلام جن کا تھا۔ وہ بھی حاجی بابا کے طرز پر قرآن پڑھتا تھا۔ جنات کی کم عمر بھی دوڈھائی صدی کی ہوتی ہے۔اور یہی دوصدی، ڈھائی صدی کے جنات جوان ہوتے ہیں۔عبدالسلام جن نے مجھے آیت دی کہ ختم القرآن میں سورۃ الناس کی آخری آیت ''من الجنۃ والناس'' اس کی تفسیر بیان کروں۔اللہ کے نام کی برکت سے جب میں وہ تفسیر کرنے بیٹھا۔ تو ایسی لذت ملی اور ایسے ایسے راز درموز اور عقدے کھلے کے بیان سے باہر۔ بےشمار جنات یہ باتیں لکھ رہے تھے تقریبا ڈیڑھ گھنٹے میں نے اسکے تفسیری نکات بیان کیے۔ بعد میں وہ سب لکھا ہوا انہوں نے مجھے دکھایا۔ جو ماشاءاللہ چھپ کر کتابی شکل میں جنات کی دنیا میں آچکا ہے۔اس کا نام انہوں نے ''تفسیر من الجنۃ والناس'' رکھا ہے۔ساڑھے تین سوصفحات کی وہ کتاب بنی ہے۔اللہ کی ذات ہے کہ جو سینوں کو کھول کر اپنے راز اس میں ڈال دیتی ہے۔میں سوچنے لگا کہ کیا واقعی یہ سب کچھ میں نے بیان کیا ہے؟

قوم جنات کا قرآن سننے میں عاشقانہ اور والہانہ انداز:- میں نے دو نفل شکرانے کے ادا کیے کہ اللہ تیرا شکر ہے تو نے میرا سینہ کھولا۔ مجھے اس مجمع میں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ہمارے مدارس میں اکثر جنات پڑھتے ہیں۔اور اکثر جنات ختم القران کی اچھے اور متقی قاری کی تلاوت سننے ضرور جاتے ہیں۔نماز تراویح میں جتنا رش انسان نمازیوں کا ہوتا ہے اس سے ہزار گنا زیادہ ہجوم جنات کی قوم کا ہوتا ہے۔اور قوم جنات قرآن سننے میں عاشقانہ اور والہانہ انداز لئے ہوئے ہوتی ہے۔کوئی مسجد ایسی نہیں ہوتی جس میں جنات قرآنِ پاک نہ سنتے ہوں۔اور کوئی جگہ ایسی نہیں ہوتی جہاں رمضان المبارک میں جنات قرآن پاک نہ پڑھتے ہوں۔وہ پڑھتے بھی بہت زیادہ ہیں سنتے بھی بہت زیادہ ہیں اور سمجھتے بھی بہت زیادہ ہیں۔ان کے اندر تفسیری علوم (قرآن پاک کے متعلق) بہت زیادہ ہیں۔

میرا انسان دوست اڑن سواری میں میرے ہمراہ:- ایک رمضان میں میں اپنے خاص دوست کو جنات کے ختم القرآن میں لے گیا۔وہ سواری میں بیٹھتے ہوئے خوف زدہ تھا۔ڈر رہا تھا تو میں نے ان کے اوپر سانس روک کر سات مرتبہ ''وَ لَا یَئُودُہٗ حِفۡظُھُمَا وَھُوَ الۡعَلِیُّ الۡعَظِیۡمُ'' پڑھ کر دم کیا تب انہیں سکون آیا۔جب انہوں نے وہاں کے کھانے کھائے۔ختم القران کے مناظر دیکھے، سواری کو اڑتے، سواری کو اندھیرے کے پاتال سے نکلتے اور عجیب وغریب جنات کی خوفناک شکلوں کو، دیکھا کیوں کہ میں ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور میرا روحانی ہاتھ بھی تھا اس لیے وہ خوف زدہ تو ہوا لیکن زیادہ خوفزدہ نہ ہوا۔ ورنہ تو عام آدمی کا ہارٹ فیل ہوسکتا ہے۔اتنے خوفناک مناظر ہوتے ہیں۔واپسی پر میں نے انہیں سختی سے تاکید کی کہ کسی سے تذکرہ نہ کرنا ورنہ تمہاری موت واقعی ہوجائے گی۔ پھر واقعی انہوں نے کسی سے تذکرہ نہ کیا۔

علامہ لاہوتی پراسرار کی جنات کی عید میں شرکت:- رمضان کے کچھ معاملات آپ کے سامنے بیان کئے ہیں کہ جنات رمضان المبارک سے کیسے استفادہ کرتے ہیں اور جنات رمضان المبارک کا والہانہ استقبال کیسے کرتے ہیں؟ میں ان کی عید کی نماز میں بھی شامل ہوا ہوں عید کی نماز کیا تھی؟ ایک سماں تھا جس میں رحمت، برکت اور کرم کا دریا

بہہ رہا تھا، ان کی نماز بہت طویل ہوتی ہے، میں اس میں شامل ہوا، یہ لوگ نماز عید کے بعد ایک دوسرے کو طرح طرح کی مٹھائیاں اور طرح طرح کے کھانے کھلاتے ہیں۔

جنات کا ختم القرآن پر آنے کے لئے اصرار:- اس مرتبہ رمضان المبارک میں تو ختم القرآن کے اتنے سلسلے چلے کہ خود میں تھک گیا۔ ہر جن کا ہی اصرار ہوتا کہ آپ ہمارے ہاں ختم قرآن میں آئیں۔بعض راتیں تو ایسی تھیں کے ایک ایک رات میں مجھے نو نو ختم القرآن کی مجالس میں حاضری دینی پڑتی۔اور بعض اوقات سحری بھی مجھے جنات کے ساتھ ہی کرنی پڑتی میں جو چند باتیں خاص طور پر میں آپ حضرات کو بتانا چاہتا ہوں۔وہ جنات کا قرآن سے تعلق، قرآن سے محبت اور قرآن سے الفت ہے۔ میرا مشاہدہ اور سو فیصد مشاہدہ یہ ہے کہ جتنے بڑے بڑے قاری علماء، محدثین، مفسرین اور قرآن کو پڑھنے اور سمجھنے والے جنات کے پاس ہیں شاید انسانوں میں صدیوں میں بھی پیدا نہ ہوں۔

کل لمن علیھا فان (سورہ الرحمن، آیت نمبر 26) کی تفسیر: میں ایک کم علم رکھنے والا شخص لیکن میری تقریر کو ایسی دل گرفتگی اور شوق سے سنتے ہیں کہ ان پر گریہ اور آنسوں جاری ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات سسکیاں اور آہ و بکا کی آوازیں بہت زیادہ ہو جاتی ہیں حتیٰ کہ 13 رمضان کو درس قران کے بعد میں نے جنات کے بچوں کو روتے ہوئے دیکھا پھر میرے اندر ایک خیال آیا کہ یہ میرے بیان کی قوت تاثیر نہیں بلکہ یہ ان حضرات کا قرآن سے لگاؤ اور محبت ہے۔اس رمضان ''**کل من علیھا فان**'' کی تفسیر میں نے بیان کی جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مضامین کی آمد تھی اور علم بیان کرتا جا رہا تھا اور اتنی آہ و بکا تھی کہ مجھے خاموش ہونا پڑا۔اس لیے کہ خود میری آواز اس رونے میں دب گئی، پھر حاجی صاحب کے بیٹے عبدالسلام کی ڈیوٹی لگائی کے ان لوگوں کو چپ کروائے لیکن وہ لوگ چپ نہیں ہو رہے تھے-موت کا تذکرہ، قبر کا تذکرہ، خاتمہ بالخیر کا تذکرہ، آخرت کا تذکرہ یہ ان حضرات کے لئے ایک جان لیوا مضمون اور سبق تھا خود مجھے یہ احساس ہوا کہ موت کی حقیقت کو جتنا مسلمان جنات جانتے ہیں ہم مسلمان انسان اتنا نہیں جانتے۔

سومنات کے مندر کا سترہ سو سالہ پجاری جن:- میری اس تقریر کے بعد ایک بوڑھا جن جس نے اپنی عمر ساڑھے سترہ سو سال بتائی اور اس کے ساتھ والے جنات نے اس کی تصدیق کی۔اور انوکھی بات یہ کہ ساری زندگی اس کی سومنات کے مندر کے پجاری کی حیثیت سے گزری۔کوئی دوست اس کو میری تقریر سنوانے کے لئے وہاں لایا تھا۔جب اس نے ''**کل من علیھا فان**'' کی تفسیر موت، قبر اور آخرت اور جہنم کا تذکرہ سنا تو اس کی چیخیں نکل گئیں۔ بعد میں میرے پاس آیا اور کہنے لگا میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں اور صرف میں نہیں بلکہ میرے ساتھ سومنات کے اور بھی کئی پجاری جن مسلمان ہونا چاہتے ہیں۔ میں نے ان سب کو بلوایا۔ پھر میں نے ان سب کو کلمہ شہادت پڑھایا، ایمان کی شرائط پڑھائیں اور ساتھ بیٹھے ہوئے عالم جن جس کا نام لقمان تھا انہیں تاکید کی کہ ان کے قبیلے میں جا کر انہیں اسلام، ایمان اور اخلاق سکھائیں۔جس وقت میں انہیں کلمہ پڑھا رہا تھا تو ہندو جنات کا ایک بہت بڑا گروہ تھا۔جب میں نے ان کی زبان سے کلمہ شہادت سنا تو میں خود پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ یا اللہ میں اس قابل کہ صدیوں پرانے سومنات کے پجاری میرے ہاتھوں کلمہ پڑھیں اور انہیں ایمان کی دولت نصیب ہو یہ کتنی بڑی سعادت اللہ تعالیٰ نے میرے لیے لکھ دی تھی۔

ابتدائی سبق 5 کروڑ دفعہ کلمہ:- میں نے ابتدائی سبق میں اُن جنات کو 5 کروڑ مرتبہ کلمہ پڑھنا بتایا تھا۔ وہ تمام جنات جھوم جھوم کر کلمہ پڑھ رہے تھے ان کی چیخیں تو فرش تک کو ہلا رہی تھیں۔آخر میں ایک بار پھر انہوں نے دعا کا تقاضہ کیا۔اب جو دعا ہوئی تو دل کی کیفیت ہی کچھ اور تھی یہ احساس ہو رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا کو سن لیا اور قبول بھی کر لیا۔جب میں اٹھ رہا تھا تو چونکہ لاکھوں جنات سے میں مصافحہ نہیں کر سکتا تو میں نے سب کو اجتماعی سلام کیا اور جب میں نے علیکم السلام سنا تو ایک احساس ہوا کہ یا اللہ ان سب لوگوں نے مجھ پر سلام بھیجا ہے۔اے اللہ اس سلام کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر پوری امت کو سلامتی عطا فرما، پورے عالم کو سلامتی اور ہمارے مذہب کو سلامتی عطا فرما۔ویسے ہی جناتی دنیا میں سلام کرنے کا ذوق بہت زیادہ ہے۔

یاسلام کی برکتیں اور رحمتیں:- مجھے ایک بوڑھے جن نے جس کو میں نہیں جانتا تھا لیکن وہ مجھ سے بیعت ہے۔ایک دفعہ بتایا کہ جس کھانے سے پہلے 21 بار یاسلام پڑھ لیا جائے۔یا دوائی کھانے یا کھانا کھانے سے پہلے یا سفر سے پہلے، یا کسی کام سے پہلے، یا کسی مقصد سے پہلے اکیس بار یاسلام پڑھ لیا جائے تو وہ کھانا شفا اور اور محبت بن کر، وہ دوائی شفا اور صحت بن کر جلدی چھوٹ جائے گی۔جس مقصد کے لیے پڑھیں وہ پورا اور کامیاب ہوگا۔پھر اس کا مقصد پورا ہو جائے گا اور تکلیفیں، بلائیں، بیماریاں سب ختم ہو جائیں گی۔برکتیں اور رحمتیں اس کے قدم چومیں گی۔

مزید بوڑھے جن نے بتایا کہ جو شخص گھر میں داخل ہوتے وقت پانچ یا سات بار یاسلام پڑھے گا۔گھر کے جھگڑوں، تکلیفوں، بیماریوں اور پریشانیوں سب سے نجات مل جائے گی۔اور واقعی میں نے جس جس کو یہ دونوں عمل بتائے۔اور جس نے بھی کیے انھوں نے اس کے کمالات سو فیصد پائے بلکہ اس سے بھی زیادہ-(من و عن)۔

ماہ شوال المکرم

یہ اسلامی سال کا دسواں مہینہ ہے۔ تاریخ اسلام میں عیدالفطر کی سب سے پہلی نماز باجماعت یکم شوال المکرم 6ھ کو ہوئی تھی۔

ماہ شوال میں حضرت عبداللہ بن ابوبکرؓ کا انتقال ہوا۔ حضرت اُم ایمنؓ بھی اسی ماہ میں فوت ہوئیں۔ مشہور اموی خلیفہ عبدالما لک بن مروان کا انتقال بھی اسی مہینے میں ہوا۔ مشہور بزرگ خواجہ عثمان ہارونیؒ (جو حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے پیرو مرشد تھے) کا وصال بھی شوال کے مہینے میں ہوا۔

شوال کا چاند دیکھ کر سورہ فتح پڑھ کر دعا کریں۔

چھ روزے:

حضرت ابوایوب انصاریؓ سے مروی ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" جس نے رمضان کے روزے رکھے پھر اس کے بعد چھ روزے شوال کے رکھے تو اس نے گویا ہمیشہ روزہ رکھا" (مسلم شریف)

عید کا دن عید الفطر:

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "اپنی عیدوں کو تکبیروں سے زینت بخشو"۔ (المعجم الاوسط، ۲۱۵/ ۳، الحدیث: ۴۳۷۳)

حضرت انسؓ سے روایت ہے "حضور پاک خاتم النبیین ﷺ عیدالفطر کے دن جب تک چند کھجوریں نہ تناول فرما لیتے عیدگاہ تشریف نہیں لے جاتے تھے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ طاق کھجوریں تناول فرماتے تھے"۔ (بخاری شریف)

عید الفطر:

عید الفطر کی رات کو فرشتوں میں بوجہ خوشی ایک دھوم مچ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے فرماتے ہیں کہ ''جو مزدور اپنی مزدوری پوری کرلیں ان کی اجرت کیا ہے؟'' عرض کرتے ہیں الٰہی انہیں پوری پوری اجرت ملنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے'' اے میرے فرشتو! گواہ رہو میں نے محمد خاتم النبیین ﷺ کے روزے داروں کو بخش دیا ہے اور ان کے لئے جنت کو واجب کر دیا''۔ اس لئے اس رات کا نام فرشتوں میں'' لیلتہ الجائزہ'' انعام کی رات ہے۔ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" جو دونوں عیدوں میں پہلی شب بیداری کرے گا نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ، تو اس کا دل نہیں مرے گا جس دن اوروں کے دل مردہ ہو جائیں گے"۔ اور فرمایا" جو ان پانچ راتوں کو جاگے گا ان کے لئے جنت واجب ہو جائے گی۔ ذی الحجہ کی آٹھویں، نویں اور دسویں رات، شعبان کی پندرہویں رات اور عیدالفطر کی رات"۔ (غنیتہ الطالبین)

عید الفطر دراصل شکر و امان اور انعام و اکرام کا دن ہے رمضان کی عبادت میں مشغول رہنے کے بعد شوال کی پہلی تاریخ کو اللہ تعالیٰ اپنے اطاعت گزار بندوں کا انعام و اکرام رحمتیں اور برکتیں بے حساب اجر وثواب اور اپنی رضا یعنی بیش بہا دولت عطا فرماتا ہے۔ کیونکہ درحقیقت عید تو ان خوش نصیب مسلمانوں کے لئے ہے جنہوں نے اس پورے ماہ مقدس کا صحیح معنوں میں احترام کیا اور اس کے دنوں کو روزوں میں اور اس کی راتوں کو قیام وسجود اور عبادت وریاضت میں گزارا، ایسے لوگوں کے لئے یہ عید اللہ کی طرف سے مزدوری انعام واکرام ملنے کا دن ہے۔ ظہور اسلام سے پہلے سابقہ اُمتیں اور قومیں بھی عید منایا کرتی تھیں، مگر ہر قوم کا خوشی منانے کا اپنا طریقہ تھا لیکن نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی بعثت کے بعد عید اور خوشی منانے کا طریقہ ہی بدل گیا۔ اسلام سے قبل عیدوں میں لہولعب کھانا پینا اور کھیل کود ہوتا تھا۔ اور اب مسجدوں میں نماز دوگانہ اور ذکر الٰہی ہوتا ہے۔ پہلے عیدوں میں غریبوں کو دور کیا جاتا تھا اور اب غریبوں کو گلے لگایا جاتا ہے۔ پہلے عیدوں میں فضول خرچی اور خرافات ہوتی تھیں مگر اب عید کے دن صدقہ وخیرات اور فطرانہ ادا کیا جاتا ہے۔

عید کی نماز سے پہلے گھر سے میٹھی چیز کھا کر روانہ ہونا سنت نبوی خاتم النبیین ﷺ ہے رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ طاق عدد عموماً سات کھجوریں کھا کر گھر سے عید کی نماز کے لئے روآنہ ہوتے تھے، عیدگاہ پیدل جانا احسن ہے بوجہ عذر سواری پر جانا بھی جائز ہے۔ مرد وخواتین اور بچے بھی عیدگاہ جاسکتے ہیں بشرطیکہ عورت پردے میں جائے۔ سارے شہر کے گلی کوچوں اور راستوں سے مسلمان اپنے رب کریم کی کبریائی کا اعلان کرتے ہوئے تکبیر پڑھتے ہوئے ایک میدان میں جمع ہوتے ہیں۔ سب قوموں کے تہوار ہوتے ہیں اور عموماً وہ اپنے تہوار مناتے وقت کھیل تماشے، پینے پلانے اور ناچ گانے وغیرہ میں کھو جاتی ہیں۔

مسلمانوں کے تہوار اپنے رب کی حمد وثناء سے شروع ہوتے ہیں اور جائز حدود میں کھیل کود، سیر وتفریح، میل جول، کھانے پکانے، دعوتِ طعام کے ساتھ جاری رہتے ہیں۔غرض اسلام کی بنیادی باتوں کو کسی بھی وقت نظر انداز نہیں کیا جاتا ایسی حرکات جو انسانوں کو حیوانوں کے درجے پر لے آئیں قطعی منع ہیں۔مومنوں کا اپنی انفرادی قوت کا مظاہرہ کرنا بھی خوشی کے موقع پر جائز ہے۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے گروہ کی شکل میں عیدگاہ تک جانے اور بلند آواز سے تکبیر پڑھنے کی تلقین کی۔اور یہ کہ ایک راستے سے جاؤ اور دوسرے راستے سے واپس آؤ۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" تمام گھر والے جشن عید منانے کے لئے اور خوشی ومسرت کے موقع پر عیدگاہ میں حاضر ہوں"۔عید کے دن نماز سے پہلے گھر سے روانہ ہونے سے لے کر (تمام راستے میں) نماز کھڑے ہونے تک زیادہ سے زیادہ تکبیر پڑھنی چاہئے۔اس طرح کہ ساری فضاء ایک نورانی احساس اور پاکیزہ جذبے سے معمور ہوجائے اور دشت وجبل نامِ حق سے گونج اٹھیں۔عید کے دن نبی کریم خاتم النبیین ﷺ مندرجہ ذیل دعا کیا کرتے تھے:

ترجمہ:''اے رب ہم تجھ سے پاک صاف اور عمدہ موت چاہتے ہیں الٰہی ہمارا لوٹنا رسوائی کا لوٹنا نہ ہو۔ہمیں اچانک ہلاک نہ کرنا اور ایسے نہ پکڑنا کہ ہم حق ادا کرنے اور وصیت کرنے سے رہ جائیں۔الٰہی ہم حرام سے اور دوسروں کے سامنے کسی بھی طرح سے ذلیل ہونے سے بچنے کی دعا کرتے ہیں۔یا اللہ ہم تجھ سے پاکیزہ زندگی، نفس کا غنی، بقاء، ہدایت وکامیابی، اور دنیا وآخرت کے انجام کی بہتری طلب کرتے ہیں۔اے دلوں کو پھیرنے والے ہمارے دل ہدایت کی طرف پھیر دے اور ہمیں اپنی طرف سے خاص رحمت عطا فرما بے شک تو سب کچھ دینے والا ہے''۔

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں "مومن کی پانچ عیدیں ہیں،

1۔ ہر مسلم مومن کا جو دن گناہ سے محفوظ رہے یعنی جس دن کوئی گناہ سرزد نہ ہو وہ اس کا عید کا دن ہے۔

2۔ جس دن مسلم مرد یا عورت دنیا سے اپنا ایمان سلامت لے جائے وہ اس کا عید کا دن ہے۔

3۔ جس دن مسلمین ومسلمات دوزخ کے پُل سے سلامتی سے گزر جائیں گے وہ ان کا عید کا دن ہوگا۔

4۔ جس دن مسلمان جنت میں داخل ہونگے وہ ان کا عید کا دن ہوگا۔

5۔ جس دن مسلمان اپنے رب کی رضا کو پالے اور دیدارِ الٰہی سے اپنی آنکھوں کو روشن کرلے وہ اس کا حقیقی عید کا دن ہوگا"۔(سبحان اللہ)

حضرت وہیبؒ نے فرمایا''عید کا دن اس کے لئے خوشی کا دن ہے جس کے روزے مقبول ہوگئے عید ان کی ہے جنہوں نے آج کے دن خوب خوشیاں منائیں۔عید ان کی ہے جنہوں نے گناہوں سے خوب توبہ کی اور اس پر قائم رہے، عید انکی نہیں جنہوں نے اچھے اچھے کھانے پکائے اور کھائے۔عید تو ان کی ہے جنہوں نے حتیٰ الامکان نیک بنے رہنے کی کوشش کی اور نیک بنے رہنے کا عہد کیا۔عید ان کی نہیں جو دنیاوی زینت کے ساتھ نکلے عید تو ان کی ہے جنہوں نے تقویٰ اور پرہیزگاری کو اپنا شعار بنایا۔عید ان کی نہیں جنہوں نے عمدہ عمدہ سواریوں پر سواری کی بلکہ عید تو ان کی ہے جنہوں نے گناہوں کو ترک کیا۔عید ان کی نہیں جنہوں نے اعلیٰ درجے کے فرش اور قالینوں سے اپنے گھروں کو آراستہ کیا، عید تو ان کی ہے جنہوں نے پُل صراط سے بخیریت گزرنے کی تیاری کرلی۔عید ان کی نہیں جو کھانے پینے میں مشغول رہے بلکہ عید تو ان کی ہے جنہوں نے اپنے اعمال میں اخلاص پیدا کیا"۔

عید کے دن تمام مسلمان مساجد اور عیدگاہوں میں حاضر ہوکر اپنے رب کے حضور نہایت خشوع وخضوع سے نماز عید ادا کرتے ہیں اور اشک ندامت بہا کر اپنے گناہوں، خطاؤں اور لغزشوں سے توبہ کرتے ہیں۔اپنے ملک وقوم کے استحکام بقا اور سلامتی کے لئے اور ملت اسلامیہ کے اتحاد واتفاق اور خوشحالی کے لئے دعائیں مانگتے ہیں۔

عید الفطر کا عظیم تہوار وسیع پیمانے پر اخوت و بھائی چارے واتفاق واتحاد کا درس دیتا ہے۔اس اتحاد واتفاق سے مسلمان بھائیوں کے قلوب واذہان کو معمور کرنے کے لئے عید کے مبارک اور عظیم دن نماز عید کے اجتماع کا اہتمام کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کے طفیل ہم سب مسلمانوں کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔(آمین)

****

ماہ ذیقعد

یہ اسلامی سال کا گیارہواں مہینہ ہے۔ یہ بڑا ہی مبارک اور حرمت والا مہینہ ہے۔ اس ماہ کی عبادت بہت افضل ہے۔ ذی قعدہ کا چاند دیکھ کر سورہ قلم پڑھنے کا بے حد ثواب ہے۔

پہلی شب:

1) اس مہینے کی پہلی شب کو 30 رکعت نماز 2,2 کر کے اس طرح پڑھیں کے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد ایک مرتبہ سورہ زلزال پڑھیں بعد سلام ایک مرتبہ سورہ ''النساء'' پڑھے۔ بے حد ثواب ہوگا۔

2) اس ماہ کی پہلی شب عشاء کے بعد چار رکعت نفل نماز اس طرح ادا کریں ((2+2 کر کے ادا کریں۔ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد 23,23 مرتبہ سورہ اخلاص گناہوں کی معافی مانگیں اللہ تعالیٰ بخشش فرمائیں گے۔

3) اس ماہ میں کسی بھی دن روزہ رکھنے والے کو عمرے کا ثواب ہوتا ہے۔

جمعرات کی شب:

ذی قعدہ کے مہینے میں جو کوئی ہر جمعرات کی شب صلوٰۃ خیر پڑھے اس کا بے حد ثواب ہے۔ یعنی 100 رکعت نفل، 2,2 کر کے ادا کریں اور ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد 10 مرتبہ سورہ اخلاص پڑھیں۔

جمعہ کے نوافل: اس ماہ میں ہر جمعہ کے دن جمعہ کی نماز کے بعد چار رکعت نماز نفل، دو، دو رکعت کر کے اس طرح سے پڑھیں ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد 21,21 مرتبہ سورہ اخلاص۔ اس نماز کے پڑھنے والے کو حج وعمرے کا ثواب حاصل ہوگا۔

دو رکعت نفل:

ذی قعدہ کے مہینے کی ہر شب کو دو رکعت نماز نفل اس طرح ادا کریں کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص تین تین بار پڑھیں۔ انشاء اللہ ہر رات عمرہ کی عبادت کا ثواب حاصل ہوگا۔

ترقی درجات کے لئے:

جو کوئی بارہ گاہ الٰہی میں اپنا درجہ بلند کرنا چاہے اس کو چاہیے کہ ذی قعدہ کے مہینے کی نو تاریخ شب نماز عشاء کے بعد دو رکعت نفل اس طرح سے پڑھے کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد ایک مرتبہ سورہ مزمل اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد تین مرتبہ سورہ یٰسین پڑھے۔

آخری دن:

جو کوئی ذی قعدہ کے مہینے کی آخری تاریخ کو چاشت کے وقت 2 رکعت نماز نفل اس طرح ادا کرے کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد تین سو مرتبہ سورہ قدر پڑھے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد 11 مرتبہ درود پاک پڑھے۔ اس کے بعد 15 مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھے اور سجدے میں جا کر اللہ تعالیٰ سے جو دعا کرے گا انشاء اللہ قبول ہوگی۔ اللہ سے دین اور دنیا کی عافیت طلب کریں- خاص طور پر ایمان کامل پر خاتمے کی دعا کریں اور ناکارہ عمر سے بچنے کی دعا کریں-

ناکارہ عمر سے بچنے کی دعا

اَللّٰھُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِکَ مِنْ أَنْ أُرَدَّإِلَی أَرْذَلِ الْعُمُرِ

ترجمہ: " یا اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں اِس سے کہ ناکارہ (ایسی ضعیفی جس میں عقل میں خلل پڑ جائے) عمر تک پہنچوں"۔ (البخاری، کتاب الدعوات، برقم 6370)

کھانا کھانے کے بعد مندرجہ بالا دعا پڑھنے سے اللہ تعالیٰ بڑھاپے کی ہر طرح کی بیماری اور محتاجی سے محفوظ رکھتا ہے۔

****

ماہ ذی الحج

ذی الحج اسلامی سال کا بارہواں مہینہ ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" تمام مہینوں کا سردار رمضان المبارک ہے اور تمام مہینوں میں حرمت والا مہینہ ذی الحجہ کا مہینہ ہے"۔ (شعب الایمان:3479)

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" دنیا کے دنوں میں سب سے افضل دن ماہ ذی الحج کے پہلے دس دن ہیں"۔(کشف الاستار، ابن حبان)

حضرت سعید بن جبیرؒ فرمایا کرتے تھے''ذی الحج کی دس راتوں میں چراغ نہ بجھاؤ، اور آپ ان راتوں میں خدام کو بیدار رہنے کا حکم دیتے اور عبادت کو پسند فرماتے''۔

حضرت عمر فاروقؓ نے اسی ماہ میں اسلام قبول کیا تھا اور 28 ذی الحجہ کو آپ کو خنجر مارا گیا تھا۔ آپ کی شہادت یکم محرم کو ہوئی۔ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت (18 ذالحجہ کو) اسی ماہ میں ہوئی تھی۔ ذی الحجہ کے مہینے کے پہلے دس دنوں کی فضیلت بہت زیادہ ہے۔ اس مہینے کے پہلے عشرے کی فضیلت اور عظمت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جو کوئی ان دس دنوں کی عزت کرتا ہے اللہ تعالیٰ یہ دس چیزیں اس کو عطا فرماتے ہیں:

(1) عمر میں برکت (2) مال میں برکت (3) اہل وعیال کی حفاظت (4) گناہوں کا کفارہ (5) نیکیوں میں اضافہ (6) نزع کے وقت آسانی (7) ظلمت میں روشنی (8) میزان کا (نیکیوں کی طرف کا پلڑا) بھاری ہونا (9) جہنم سے نجات (10) جنت کے درجات میں بلندی۔

جس نے ذی الحجہ کے عشرہ میں کسی مسکین کو کچھ خیرات دی گویا اس نے پیغمبروں کی سنت پر صدقہ کیا۔ جس نے ان دنوں میں کسی مریض کی عیادت کی اس نے اولیاء اللہ اور ابدال کی عیادت کی۔ جس نے کسی جنازے میں شرکت کی اس نے گویا شہیدوں کے جنازے میں شرکت کی۔ جس نے اس عشرہ میں کسی مسلمان کو لباس پہنایا تو اس کو پروردگار عالم اپنی طرف سے خلعت پہنائے گا۔ جو کسی یتیم پر مہربانی کرے گا اس پر اللہ تعالیٰ عرش کے نیچے مہربانی فرمائے گا۔ جو شخص اس عشرے میں کسی عالم کی مجلس میں شریک ہوا تو گویا اس نے انبیاء اور مرسلین کی مجلس میں شرکت کی۔

ذی الحجہ کے مہینے کے پہلے عشرے کی فضیلت کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا''اور کوئی ایام ایسے نہیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کو ان دنوں سے (ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کے دنوں سے) زیادہ محبوب ہوں۔ ان دس دنوں سے افضل اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی دن نہیں ہے''۔ پوچھا گیا" یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کیا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے دن بھی ایسے نہیں ہیں"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے دن بھی ان جیسے نہیں ہیں مگر جو شخص اللہ کی راہ میں اپنا مال اور اپنی جان لے کر نکلا اور ان میں سے کچھ بھی سلامت نہ پایا"۔ (صحیح بخاری)

حدیث:۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا:''جو شخص ذوالحجہ کا چاند دیکھ لے اور اس کا ارادہ قربانی کرنے کا ہو تو وہ اپنے بالوں اور ناخنوں (کو کاٹنے) کے قریب بھی نہ جائے۔''(ابن ماجہ، جلد4، حدیث نمبر 3150)

حدیث:۔ نبی اکرم (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا: "جو ماہ ذی الحجہ کا چاند دیکھے اور قربانی کرنا چاہتا ہو وہ (جب تک قربانی نہ کرلے) اپنا بال اور ناخن نہ کاٹے"۔ (جامع ترمذی، جلد2، حدیث نمبر 1523)

نفلی روزے:۔ ذی الحجہ کے مہینے کی یکم تاریخ سے لے کر 9 تاریخ تک روزے رکھنے کی بے حد فضیلت ہے۔ ان ایام میں سب سے زیادہ فضیلت ساتویں، آٹھویں اور نویں ذالحجہ کو روزے رکھنے کی ہے۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک جوان جو احادیث رسول خاتم النبیین ﷺ سنا کرتا تھا۔ جب ذی الحجہ کا چاند نظر آیا تو اس نے روزہ رکھ لیا۔ جب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو یہ خبر ہوئی تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے اس کو بلایا اور پوچھا" تجھے کس نے اس بات پر آمادہ کیا"؟ اس نے عرض کیا" یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میرے ماں باپ آپ خاتم النبیین ﷺ پر قربان ہوں۔ یہ حج اور قربانی کے دن ہیں۔ شاید کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان کی دعاؤں میں شامل فرمالے"۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" تیرے ہر دن کے روزے کا اجر سو غلام آزاد کرنے کے برابر ہے۔ سو اونٹوں کی قربانیاں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں سواری کے لئے دیئے گئے ہزار گھوڑوں کے برابر ہوگا۔ جب نو ذی الحجہ کا دن ہوگا تو تجھے اس دن کے روزے کا اجر دو ہزار غلام آزاد کرنے، دو ہزار اونٹوں کی قربانی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں سواری کے

لئے دیئے گئے دو ہزار گھوڑوں کے اجر کے برابر ہوگا"۔(غنیۃ الطالبین)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا"ان دس ایام میں اللہ تعالیٰ کو جس قدر یہ بات پسند ہے کہ محنت اور کوشش کر کے اس کے عبادت گزار (بندے) بنیں۔اس سے بڑھ کر اور دنوں میں پسند نہیں ان دس ایام میں سے ہر یوم کا روزہ ایک برس کے روزوں کے برابر ہے اور ہر شب کا قیام شب قدر میں کھڑے ہونے کے برابر ہے"۔(ترمذی شریف)

ماہ ذی الحج میں ایک روزے کا ثواب ایک سال کے روزوں کے برابر ہے اور اس میں ایک رات کی عبادت کا ثواب ایک سال کی نمازوں کے برابر ہے۔(امام ترمذی، ابن ماجہ،مشکوۃ المصابیح)

ماہ ذی الحجہ میں تکبیرات پڑھنے کا بے حد ثواب ہے۔ہر نماز کے بعد 5 مرتبہ اور چلتے پھرتے جتنا ہو سکے یا کم از کم ایک 100 مرتبہ روز پڑھ لیں۔

تکبیر کیا ہے؟ اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد یہ تکبیر ہے

ذی الحجہ کے پہلے 10 دن روزانہ کم از کم 100 مرتبہ چوتھا کلمہ پڑھیں بے حد ثواب حاصل ہوگا۔

حضرت آدم علیہ السلام (توبہ کی قبولیت):- حضرت وہب بن منبہؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت آدمؑ کو زمین پر اُتارا گیا تو وہ خطا پر چھ روز تک روتے رہے ،ساتویں دن اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی ''اے آدمؑ کیا میں نے تجھے اپنا خاص نہیں بنایا تھا؟ کیا اپنے فرشتوں سے تجھے سجدہ نہیں کروایا؟ کیا میں نے تجھے منتہائے کرامت اور مقام عزت میں نہیں رکھا؟ پھر تو نے میرے حکم کے خلاف کیوں کیا؟ تو نے میرے حکم میری رحمت میری نعمت کو بھلا دیا۔مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم!'' اگر تیری طرح لوگوں سے ساری زمین بھر جائے اور وہ سب رات دن میری تسبیح میں مشغول رہیں اور ایک لمحہ کو بھی میری عبادت میں سستی نہ کریں اور پھر وہ میری نافرمانی کریں تو میں انہیں ضرور نافرمانوں کی منزل پر اُتاروں گا''۔ یہ سُن کر حضرت آدمؑ تین سو برس تک روتے رہے، پھر حضرت جبرائیلؑ حضرت آدمؑ کے پاس آئے اور فرمایا"اے آدمؑ آپ کو چاہیے عشرہ ذی الحجہ کے منتظر رہیے شاید اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے"۔حضرت آدمؑ وہاں سے کعبہ کی طرف روانہ ہوئے حضرت آدمؑ کا قدم جس جگہ پر پڑتا تھا وہ جگہ سرسبز ہو جاتی تھی اور دونوں قدموں کے درمیان کی جگہ بنجر رہتی تھی۔حضرت آدمؑ کے دونوں قدموں کے درمیان کا فاصلہ تین میل ہوتا تھا غرض حضرت آدمؑ کعبہ شریف پہنچ گئے پورے ایک ہفتے طواف کیا اور مسلسل روتے رہے اور دعا کرتے رہے۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝

ترجمہ:"اے میرے رب تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں تیری حمد کرتا ہوں میں نے اپنے اوپر خود ظلم کیا میرا قصور معاف کر دے"۔(سورۃ الاعراف، آیت 23)

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ پر وحی بھیجی اور فرمایا اے آدم علیہ السلام مجھے تیری کمزوری پر رحم آ گیا میں نے تیرا گناہ معاف کیا اور تیری توبہ قبول کر لی۔

''فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ'' سورۃ البقرہ آیت نمبر 37 کی تفسیر اور تشریح میں ہے کہ یہ اسی ذی الحج کے پہلے عشرے کی برکت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی توبہ قبول فرمائی۔پس اس طرح اگر کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر بیٹھے اور نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے لگے پھر وہ ذی الحج کے پہلے عشرے میں توبہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے رجوع کرے اور اس کا فرمانبردار بننے کا عزم کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور معاف فرما دے گا، اور اپنی مہربانی سے اس کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دے گا۔

عشرہ ذی الحج کی فضیلت:- اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے:

وَالْفَجْرِ۝ وَلَيَالٍ عَشْرٍ۝ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ۝ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ۝ هَلْ فِىْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِىْ حِجْرٍ۝ (سورۃ الفجر، آیت نمبر 1-5)

ترجمہ: "قسم ہے فجر کی (صبح کی) اور دس راتوں کی۔اور جفت کی اور طاق راتوں کی۔اور اس رات کی جو گزر جاتی ہے۔یہ قسمیں ذی فہم لوگوں کے لئے ہیں"۔

<u>وَالْفَجْرِ۝</u>: کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے ایک قول ہے "فجر سے مراد عام صبح ہے"۔حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں "فجر سے صبح کی نماز مراد ہے"۔حضرت مقاتلؒ کا قول ہے "فجر سے مراد مزدلفہ کی وہ صبح ہے جو قربانی کے دن ہوتی ہے"۔

<u>وَلَيَالٍ عَشْرٍ۝</u>: لیالِ عشر سے مراد ذی الحج کی پہلی دس راتیں ہیں۔

<u>وَالشَّفْعِ</u>: والشفع سے مراد حضرت آدمؑ اور حضرت حوّا ہیں۔

<u>وَالْوَتْرِ۝</u>: والوتر سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

وَالَّیۡلِ اِذَا یَسۡرِ ۝: کے معنی ہیں آئی ہوئی رات یعنی عیدالاضحیٰ کی رات۔ گویا اللہ تعالیٰ نے قربانی کے دن کی۔ دس راتوں کی۔ حضرت آدمؑ اور حضرت حوّاؑ کی۔ اپنی ذات کی اور عیدالاضحیٰ کی قسم کھائی ہے، اوران تمام قسموں کے بعد فرمایا، ھَلۡ فِیۡ ذٰلِکَ قَسَمٌ لِّذِیۡ حِجۡرٍ۔ (سورۃ الفجر، آیت 5)

ھَلۡ فِیۡ ذٰلِکَ قَسَمٌ لِّذِیۡ حِجۡرٍ ۝: کیا یہ قسمیں صاحب عقل اور ذی فہم لوگوں کے لئے کافی نہیں ہیں؟ یہ قسمیں بہت عظیم ہیں اور جواب قسم ہے۔۔۔۔

اِنَّ رَبَّکَ لَبِالۡمِرۡصَادِ ۝ بے شک ہمارا رب انتظار میں ہے یا بے شک تمہارا رب گھات میں ہے۔

ان تمام آیات میں اللہ تعالیٰ نے تمام قسمیں ماہ ذی الحج کے عشرہ اول کے متعلق کھائی ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" ذی الحج کے پہلے عشرے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی اوران کو اپنی رحمت سے نوازا۔ اس عشرے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی دوستی سے نوازا۔ اوراسی عشرے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی بنیاد رکھی۔ اس عشرے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلام سے عزت بخشی۔ اسی عشرے میں حضرت داؤد علیہ السلام کی لغزش معاف ہوئی۔ اس عشرے میں بیعت رضوان ہوئی۔ اسی عشرے میں:

1) یوم ترویہ: (آٹھ ذی الحج) جس دن لوگ صبح کی نماز پڑھ کر حج کے لئے روانہ ہوئے۔

2) یوم عرفہ: (نو ذی الحج) حج کا دن جس دن لوگ عرفات میں قیام کرتے ہیں۔

3) یوم نحر: (دس ذی الحج) قربانی کا دن۔

فجر کی قسم اور تفسیر کی حکمت:- سورہ فجر آیت نمبر 1 تا 4 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

ترجمہ: "یہ قسم ہے صبح کی۔ اور دس راتوں کی۔ اور جفت کی اور طاق کی۔ اور اس رات کی جو گزر گئی"۔

پھر آیت نمبر 5 سورہ فجر میں فرمایا: ترجمہ: ''کیا یہ قسمیں صاحب عقل اور صاحب فہم کے لئے کافی نہیں ہیں" ؟ یعنی یہ قسمیں بہت عظیم ہیں۔

اور پھر سورۃ فجر آیت نمبر 14 جواب قسم بھی دیا کہ: اِنَّ رَبَّکَ لَبِالۡمِرۡصَادِ ۝ ترجمہ: ''بے شک ہمارا رب انتظار میں ہے یا بے شک تمہارا رب گھات میں ہے''۔

اِنَّ رَبَّکَ لَبِالۡمِرۡصَادِ کا مطلب یہ ہے کہ جہنم کے پُل پر آٹھ چوکیاں ہیں **پہلی چوکی** پر بندے سے اللہ تعالیٰ ایمان لانے کے بارے میں پوچھے گا اگر مومن ہے تو نجات پائے گا ورنہ جہنم میں گر پڑے گا، **دوسری چوکی** پر وضو اور نماز کے بارے میں سوال کرے گا اگر دونوں میں کوتاہی ہوئی تو جہنم میں گر پڑے گا، اگر رکوع اور سجود مکمل کئے ہیں تو نجات پا جائے گا۔ **تیسری چوکی** میں جائے گا تو زکوٰۃ کے بارے میں پوچھا جائے گا اور اگر ادائیگی کی ہوگی تو نجات پائے گا ورنہ جہنم میں جائے گا۔ **چوتھی چوکی** میں جائے گا تو حج وعمرہ کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور اگر ان کو ادا کیا ہوگا تو نجات پائے گا ورنہ جہنم میں جائے گا۔ **پانچویں چوکی** میں امانت کے بارے میں پوچھا جائے گا اگر امانت میں خیانت نہ کی ہوگی تو نجات پائے گا۔ **چھٹی چوکی** میں ماں باپ کی خدمت گزاری کے بارے میں پوچھا جائے گا اگر فرمانبردار تھا تو نجات پائے گا۔ **ساتویں چوکی** میں غیبت، چغلی اور بہتان کے بارے میں پوچھا جائے گا اگر یہ سب نہ کیا ہوگا تو نجات پائے گا۔ **آٹھویں چوکی** میں حرام خوری کے بارے میں پوچھا جائے گا اگر مال حرام نہ کھایا ہوگا تو نجات پائے گا ورنہ جہنم میں جائے گا۔

حضرت حفصہؓ سے روایت ہے " نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کبھی بھی چار عمل ترک نہ کرتے تھے عشرہ ذی الحج کے روزے۔ عاشورہ کا روزہ۔ ایام بیض کے روزے۔ فجر کی سنتیں''۔ (مسند احمد، مشکوۃ المصابیح)

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" جس نے عشرہ ذی الحج کی کسی تاریخ کو رات بھر عبادت کی تو گویا اس نے سال بھر حج وعمرہ کرنے والوں کے برابر عبادت کی"۔ (غنیۃ الطالبین)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''عشرہ ذی الحج آجائے تو عبادت میں بہت کوشش کرو''۔ ذی الحج کے عشرے کو اللہ تعالیٰ نے بزرگی عطا فرمائی ہے۔ اوراس عشرے کی راتوں کو بھی ایسی عزت دی ہے کہ جو اس کے دنوں کو حاصل ہے۔ اگر کوئی شخص اس عشرے کی کسی رات کو آخری تہائی حصے میں چار رکعتیں اس ترتیب سے پڑھے کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد آیت الکرسی تین بار سورہ اخلاص تین بار سورہ فلق تین بار سورہ الناس تین بار۔ پھر نماز سے فارغ ہو کر دونوں ہاتھ اٹھا کر تراویح کی دعا پڑھے اور دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اسے فردوس اعلیٰ میں جگہ دے گا۔ اوراس سے کہا جائے گا کہ از سر نو عمل کر اگر حج نہیں کر رہا تو عرفہ کے دن

بھی روزہ رکھے اور عبادت کرے، اللہ تعالیٰ اسے بھی حاجیوں میں داخل کر دے گا۔(غنیۃ الطالبین)

حج، احرام اور تلبیہ کے فضائل:- حضرت مجاہدؒ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے ہمراہ تھے ایک قافلہ آیا اور انہوں نے کہا" یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں ہمیں حج کے فضائل بتایئے" ؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" ٹھیک ہے (سنو) جو شخص گھر سے حج یا عمرے کے لئے نکلتا ہے تو وہ جو قدم اٹھاتا یا رکھتا ہے تو اس کے قدموں سے اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح درخت سے پتے گر جاتے ہیں۔ جب وہ غسل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے گناہوں سے پاک فرما دیتا ہے، جب وہ احرام باندھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مزید نیکیاں عطا کرتا ہے۔ جب وہ ''لبیک اللھم لبیک'' کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ جواب میں فرماتا ہے، ''لبیک وسعدیک'' ترجمہ: میں نے تجھے سنا اور تیری طرف متوجہ ہوا۔ جب وہ مکہ مکرمہ میں پہنچ کر طواف کرتا ہے اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے نیکیوں تک پہنچا دیتا ہے، اور جب وہ میدان عرفات میں وقوف کرتا ہے اور طلب حاجات میں آوازیں بلند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سات آسمانوں کے فرشتوں میں ان لوگوں پر فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے،

''اے میرے فرشتوں میرے آسمانوں میں رہنے والو کیا تم میرے بندوں کو نہیں دیکھتے کہ یہ دور دراز کے علاقوں سے غبار آلود اور پریشان حال آئے ہیں انہوں نے مال بھی خرچ کیا اور اپنے جسموں کو بھی تھکایا۔ مجھے اپنی عزت وجلال اور اپنے کرم کی قسم میں ان کی نیکیوں کے سبب ان کے بُروں کو بھی بخش دوں گا۔ اور انہیں گناہوں سے اس طرح پاک کر دوں گا گویا یہ آج ہی شکم مادر سے باہر آئے ہوں۔ جب وہ کنکریاں مارتے سر منڈواتے اور بیت اللہ شریف کی زیارت کرتے ہیں تو عرش کے نیچے سے ایک منادی پکارتا ہے" جاؤ تمہاری بخشش ہوگئی اب نئے سرے سے عمل کرو''۔(غنیۃ الطالبین)

حج کا ثواب:- ایک روایت ہے کہ ایک اعرابی نے بارگاہ نبوی خاتم النبیین ﷺ میں حاضر ہو کر کہا یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میں حج کے ارادے سے نکلا تھا لیکن حج نہ کر سکا، میں نے احرام باندھ رکھا ہے۔ مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جس سے مجھے حج کا ثواب مل جائے، نبی کریم خاتم النبیین ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ''اے شخص ابوقبیس (پہاڑ کا نام) کی طرف دیکھ اگر تمہارے پاس کوہ ابوقبیس جتنا سونا ہو تو تم اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دو تو پھر بھی حج کرنے والے کا مقام نہیں پا سکتے۔ پھر آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا جب حج کرنے والا سفر کی تیاری شروع کر دیتا ہے تو وہ جو چیز بھی اُٹھاتا یا رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں دس نیکیاں لکھتا ہے، اس کے دس گناہ مٹاتا ہے اور اس کے دس درجے بلند فرماتا ہے، اور جب وہ سواری پر سوار ہوتا ہے تو سواری کے ہر قدم پر اس کو ثواب دیا جاتا ہے، اور پھر جب بیت اللہ کا طواف کرتا ہے تو گناہوں سے خالی ہو جاتا ہے، صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتا ہے تو گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے، عرفات میں ٹھہرتا ہے تب بھی پاک ہو جاتا ہے۔ جب مشعر حرام میں ٹھہرتا ہے (مزدلفہ میں) تو گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے، جب شیطان کو کنکریاں مارتا ہے تو تب بھی گناہوں سے نکل جاتا ہے (یعنی ہر جگہ پر آہستہ آہستہ اس کے گناہ معاف ہوتے رہتے ہیں) اس کے بعد آپ خاتم النبیین ﷺ نے اعرابی کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا پھر تمہیں حج کرنے والوں کے برابر ثواب کیسے مل سکتا ہے۔''؟ (غنیۃ الطالبین)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہا تھا میں نے عرض کیا" یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میرے ماں باپ آپ خاتم النبیین ﷺ پر فدا ہوں یہ بیت اللہ شریف کیا ہے"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''اے علی اللہ تعالیٰ نے اس گھر کو میری اُمت کے گناہوں کا کفارہ بنایا ہے"۔ پھر عرض کیا" یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ یہ حجر اسود کیا ہے"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''اے علیؓ یہ جنتی جوہر ہے اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا میں اُتارا، سورج کی طرح اس کی بھی شعاعیں ہیں، جب سے مشرکین نے اسے ہاتھ لگایا اس میں سیاہی آگئی (یعنی سفیدی ختم ہوگئی) اور اس کا آہستہ آہستہ رنگ بدل گیا''۔(غنیۃ الطالبین)

حجر اسود:- حضرت ابوسعید خدریؓ نے فرمایا" ہم نے امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ کے ساتھ ان کی خلافت کے ابتدائی زمانے میں حج کیا، جب وہ مسجد حرام میں داخل ہو کر حجرہ اسود کے سامنے کھڑے ہوئے تو فرمایا" یقیناً تو ایک پتھر ہے نہ نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان دے سکتا ہے اگر میں نے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو آج میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔ یہ کہا اور حجرہ اسود کو بوسہ دیا۔''

اس وقت حضرت علیؓ نے فرمایا" اے امیر المومنین ایسا نہ فرمایئے بے شک حجر اسود اللہ کے حکم سے نفع اور نقصان پہنچا سکتا ہے اگر آپ نے قرآن پاک میں مضمون قرآن کو سمجھا ہوتا تو آپ اس کا انکار نہ کرتے"۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا" اے ابوالحسن کتاب اللہ میں اس کی کیا تشریح ہے"؟ حضرت علیؓ نے فرمایا" اللہ تعالیٰ سورۃ

الاعراف آیت نمبر 172 میں فرماتا ہے: ترجمہ: ''اور اے محبوب یاد کرو جب تمہارے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی نسل نکالی اور انہیں ان پر گواہ کیا، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو سب نے کہا کیوں نہیں؟ تم گواہ ہوئے کہ قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم کو خبر نہ تھی''۔

یہ اقرار نامہ ایک صحیفے پر لکھا اس کے بعد ایک پتھر کو طلب کیا (حجر اسود کو) اور یہ اقرار نامہ اس پتھر کو نگلا دیا۔ تو اس جگہ پر اللہ کا یہ مقرر کردہ امین ہے، تاکہ قیامت کے دن اس شخص کی شہادت دے جس نے اپنے اقرار کو پورا کیا، یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا "اے ابوالحسن اللہ نے آپ کے سینے میں علمی خزانہ پوشیدہ رکھا ہے''۔

حجاج اللہ کے مہمان ہوتے ہیں: حضرت ابو صالحؒ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا ''حج اور عمرہ کرنے والے اللہ کے مہمان ہیں۔ وہ جو دعا کرتے ہیں اللہ ان کی دعا قبول فرماتا ہے اور جب وہ گناہوں کی مغفرت چاہتے ہیں تو اللہ ان کے گناہ معاف فرما دیتا ہے"۔ (ابن ماجہ، بیہقی)

حضرت مجاہدؒ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''الہیٰ حاجیوں کو اور ان لوگوں کو جن کی مغفرت کی دعا حاجی کرتے ہیں بخش دے''۔ (بیہقی، حاکم)

حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے "ملائکہ حاجیوں کا استقبال کرتے ہیں، جو اونٹ پر سوار ہوتے ہیں ان کو سلام کرتے ہیں، اور جو خچروں پر سوار ہوتے ہیں ان سے مصافحہ کرتے ہیں، اور جو پیدل ہوتے ہیں ان سے گلے ملتے ہیں"۔

بیت اللہ پر رحمتوں کا نزول:- حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "بیت اللہ پر دن رات میں ایک سو بیس رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ ان میں سے ساٹھ طواف کرنے والوں کے لئے، چالیس بیت اللہ کا اعتکاف اور عبادت کرنے والوں کے لئے اور بیس رحمتیں اس کی زیارت کرنے والوں کے لئے ہیں"۔ (المعجم الکبیر للطبرانی:11248)

یوم عرفہ:- یوم عرفہ تکمیل نعمت کا دن ہے اللہ تعالیٰ قرآن پاک کی سورہ مائدہ آیت نمبر 3 میں فرماتا ہے،

ترجمہ: ''آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام پسند کیا''۔

اللہ تعالیٰ نے حجۃ الوداع کے دن اپنے رسول خاتم النبیین ﷺ پر یہ آیت ''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ'' ''آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے (نازل فرمائی) یہ دن جمعہ اور عرفہ کا دن تھا۔

ایک یہودی حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا "ایک آیت جو تم پڑھتے ہو اگر ہم پر نازل ہوتی اور ہمیں اس دن کا علم ہو جاتا تو ہم اسے عید کا دن قرار دیتے"۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "وہ کون سی آیت ہے"؟ اس نے کہا ''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ'' حضرت عمرؓ نے فرمایا "تمہیں یہ معلوم ہے کہ یہ آیت کونسے دن نازل ہوئی تھی؟ یہ یوم عرفہ اور جمعۃ المبارک کے دن نازل ہوئی تھی، اس وقت ہم نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ عرفات میں وقوف کر رہے تھے اور الحمد للہ یہ دونوں ہی دن ہمارے لئے عید کے دن ہیں اور جب تک ایک مسلمان بھی باقی ہے یہ دن ان مسلمانوں کے لئے عید کا دن رہے گا"۔

حضرت نافعؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے سنا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ عرفہ کے دن اپنے بندوں کی طرف نظر فرماتا ہے تو جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوتا ہے اسے بخش دیتا ہے"۔ حضرت نافعؒ فرماتے ہیں میں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا "کیا سب لوگوں کو بخشا جاتا ہے؟ یا صرف اہل عرفہ کو"؟ آپؓ نے فرمایا "یہ مغفرت سب لوگوں کے لئے ہوتی ہے"۔ (غنیۃ الطالبین)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''یوم موعود'' قیامت کا دن ہے، ''شاھد'' جمعہ کا دن ہے اور ''مشھود'' عرفہ کا دن ہے"۔ (ترمذی، السلسۃ الصحیحۃ)

حضرت عطاؒ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ عرفہ کے دن عام لوگوں پر بالعموم اور حضرت عمرؓ پر بالخصوص فخر فرماتا ہے''۔ (الکنز، ابن عساکر)

یوم عرفہ شیطان کی ذلالت کا دن:- یوم عرفہ شیطان کی ذلالت کا دن ہے۔ شیخ ہبۃ اللہؒ چند سندوں سے حضرت طلحہ بن عبداللہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''یوم عرفہ سے بڑھ کر کسی دن شیطان کو زیادہ ذلیل و رسوا، شرمندہ اور غضب ناک نہیں دیکھا گیا، یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول اور گناہ گاروں کی مغفرت نظر آتی ہے۔ البتہ بدر کا دن اس سے مستثنیٰ ہے"۔ صحابہ نے عرض کیا "یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ابلیس نے بدر کے دن کیا دیکھا تھا"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "ابلیس نے بدر کے دن دیکھ لیا تھا کہ حضرت جبرائیل فرشتوں کو بلا رہے ہیں'' حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین

ﷺ نے فرمایا "سب سے بڑا مجرم وہ ہے جو عرفات سے یہ سمجھ کر لوٹے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بخشش نہیں فرمائی ہوگی"۔(غنیۃ الطالبین)

شہادت حضرت عثمان غنیؓ (18 ذالحج):- حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ حکومت کے پہلے چھ سالوں میں خلافت راشدہ کی وسعت انتہا کو پہنچ گئی۔ پھر حضرت عثمان غنیؓ کی بدقسمتی یہ ہوئی کہ وہ اپنے پیش رو کے کڑے معیار کو برقرار نہ رکھ سکے اس سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ اسلام سے قبل چھوٹی بڑی دس شاخیں تھیں۔ ان میں سے 2 زیادہ مشہور تھیں۔ 1۔ بنو ہاشم 2۔ بنو امیہ

ان دنوں خاندانوں میں ابتداء ہی سے رقابت پائی جاتی تھی، بنو ہاشم کعبے کے متولی ہونے کے ناطے سے ممتاز سمجھے جاتے تھے جبکہ بنو امیہ کو افرادی اکثریت اور مال کی کثرت حاصل تھی، نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے مدینے آنے کے بعد بنو ہاشم کے تقریباً تمام لوگ مدینہ آ گئے تھے۔ اس وقت مکہ میں خاندان بنو امیہ ریاست کی کرسی پر متعین تھا۔--------8 ہجری میں جب مکہ فتح ہوا تو بنو امیہ کا زور ٹوٹ گیا اور اس طرح اس وقت خاندان بنو امیہ نے بھی اسلام کے سامنے سر خم کر دیا۔ حضرت عثمان غنیؓ کا تعلق خاندان بنو امیہ سے تھا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے دورِ خلافت میں بنو امیہ کے لیے صلہ رحمی کے تمام دروازے کھول دیئے۔

حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف مخالفت ابھارنے میں ان کے چچا زاد بھائی اور داماد مروان بن الحکم نے ''بدروح'' کا کردار ادا کیا۔

حضرت عثمان غنیؓ نے کاروبارِ خلافت کا نظم و نسق چلانے میں بنو امیہ پر پورا انحصار کر لیا- تاہم ہمیشہ حضرت علیؓ نے بنو ہاشم کو کھلی مخالفت سے باز رکھا اور خود کبھی بھی حضرت عثمان غنیؓ کی مخالفت نہیں کی۔

عبداللہ بن سبا:- یہ یمن کا یہودی تھا۔ اس کی ماں حبشی نژاد لونڈی تھی۔ جس کا نام سودا تھا۔ اپنے مقصد کے حصول کے لیے اس نے ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا اور یمن سے مدینے آ گیا۔ حضرت عثمان غنیؓ سے کسی منصب کے حصول کے لیے درخواست کی لیکن ناکام ہوا۔ مدینے میں رہ کر عجمی نو مسلموں، عجمی غلاموں اور تھوڑے بہت یہودیوں اور عیسائیوں سے ملتا رہا جو مدینہ، خیبر اور عرب کے دوسرے مقامات سے نکالے گئے۔ یہ یہودیوں اور یہودی مذہب کی اسلام کے ہاتھوں ذلت کا انتقام لینا چاہتا تھا۔ یہودی سے بڑھ کر کینہ رکھنے والی قوم دنیا میں اور کوئی نہیں ہے۔ عبداللہ بن سبا نے اس کے بعد حُبِ علی کا نعرہ لگایا۔

ابن سبا پہلا شخص تھا جس نے حضرت علیؓ کی امامت کے فرض ہونے کو شہرت دی۔ اور حضرت علیؓ کا محب بن گیا۔ حضرت عثمان غنیؓ کی مخالفت اختیار کر لی۔ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے بظاہر زہد، درویشی اور ترکِ دنیا کا روپ اختیار کیا اور اپنے پیروکاروں کو بھی یہی بہروپ اختیار کرنے کا کہا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تبلیغی ڈھونگ رچایا۔ جب کم فہم اور کم سمجھ لوگ اس کی باتوں پر کان دھرنے لگے **تو اموی اور ہاشمی رقابت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ''حُبِ اہلِ بیت'' کا چولا پہننا اور نئے نئے عقائد و نظریات وضع کر کے پھیلانا شروع کر دیئے**، مثلاً یہ کہ:

''ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے اور حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کے وصی حضرت علیؓ ہیں۔ محمد خاتم النبیین ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور علیؓ خاتم الاولیاء ہیں۔ خلافت حضرت علیؓ کا حق ہے۔ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی وصیت کو پورا نہ کرنے والا ظالم اور غاصب ہے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے خلافت پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے حالانکہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے وصی موجود ہیں۔ اس نے اپنی باتوں میں حضرت علیؓ کے مرتبے کو خدا تک پہنچا دیا۔ اور جعلی خطوط لکھ کر لوگوں کو حضرت عثمان غنیؓ کی بغاوت پر ابھارنا شروع کر دیا۔ وہاں اسے ایک لٹیرا حکیم ابن جبلہ مل گیا جو نظر بندی کی زندگی گزار رہا تھا۔ وہ اور اس کے ساتھی ابن سبا کے ہم نوا بن گئے اور پھر یہ گروہ بنو امیہ کی خلافت اور خلیفہ پر نکتہ چینی کرنے لگے اس طرح ابن سبا نے عجمی عناصر کے جذبات کو بھی خلیفہ کے خلاف کر دیا۔ ابن سبا کی سرگرمیوں اور سازش کی خبر پر گورنر نے اسے کوفہ سے بھی نکال دیا۔ پھر وہ دمشق گیا لیکن وہاں پر اس کی دال نہ گلی، غرضیکہ بصرہ سے فسطاط سے ابن سبا جہاں جہاں سے گزرا، اپنے زہریلے اثرات چھوڑتا گیا۔ اس کا اور اس کے پیروکاروں کا کہنا تھا کہ حضرت عثمان غنیؓ کو اور ان کے اعمال کو دین داری اور خدا خوفی سے کوئی تعلق نہیں۔ بنو امیہ کے اقتدار کو ختم کئے بغیر سچائی اور انصاف کو بحال نہیں کیا جا سکتا۔

ابن سبا کے سازشی گروہ نے بڑی بڑی گھناؤنی تراکیب استعمال کیں۔، ایک شہر کا سازشی گروہ دوسرے شہر کے لوگوں کو حضرت عثمان غنیؓ کے عمال کی فرضی ظلم بھری داستانیں لکھ کر بھیجتا رہا۔ انہوں نے یہ تاثر دیا کہ حضرت علیؓ ان کے ساتھ ہیں۔ نیز یہ بھی کہ تمام صحابہ کرامؓ اور خود حضرت عائشہؓ، حضرت عثمان غنیؓ کی پالیسیوں اور ان کے اعمال کے خلاف ہیں اور ان کی معزولی کے خواہش مند ہیں۔ بزرگ صحابہ کرامؓ کی مناصب سے معزولی اور توہین کے پردے میں حضرت عثمان غنیؓ کی اقربا نوازی، اموی عمال کی نااہلیوں اور غلط کاریوں کے افسانے گھڑے گئے، جعلی اور فرضی خفیہ خطوط کے ذریعے مختلف شہروں کے لوگوں میں بے اطمینانی پیدا کرنے اور انہیں

بھڑکانے کی بھرپور کوششیں کی گئیں۔

یہ ایک زیرزمین تحریک تھی جو عام یہودی کا طریقہ کار ہے۔فسطاط (مصر) میں بیٹھ کر اس نے اپنی سازشوں کا تانا بانا دوسرے شہروں میں پھیلایا۔اس سازشی اور فتنہ پرور ٹولے نے حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف الزامات کی ایک طویل فہرست تیار کرلی۔ان کے خلاف بڑا الزام یہ لگایا کہ ''وہ صرف رشتہ داروں کو نوازتے ہیں''۔

کوفہ کے شرپسندوں نے حضرت عثمان غنیؓ سے گفتگو کے لیے آپؓ کے پاس اپنے کچھ نمائندے بھیجے جنھوں نے خلیفہ کو کھلم کھلا دھمکی دی۔حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے عمال کو بہتری پیدا کرنے کی تمام تجاویز پیش کیں اور ہر ممکن کوششیں بھی کیں لیکن عبداللہ ابن سبا کی طرف کسی کا دھیان نہ گیا کہ یہ تمام کام وہ کررہا ہے کیونکہ اس فساد کا اصل نہیں تو سب سے بڑا سرچشمہ تو وہی تھا۔

لوگوں نے حضرت علیؓ کی موجودگی میں حضرت عثمان غنیؓ پر الزام لگایا کہ آپؓ کے عمال آپؓ سے پوچھے بغیر کام کرتے ہیں اور آپؓ کو بتاتے بھی نہیں اور کہتے ہیں کہ آپؓ نے ایسا کہا تھا اور آپؓ ان کو پوچھتے بھی نہیں ہیں اور ان کا محاسبہ نہیں کرتے۔اس پر مروان بطور خود کھڑا ہوا اور حاضرین کو یہ کہہ کر ڈرایا کہ ''اگر تم باہر جاؤ تو ہم تمہارے اور اپنے درمیان تلوار سے فیصلہ کردیں''۔حضرت عثمان غنیؓ نے اسے ڈانٹا اور کہا ''تم ہمارے درمیان نہ بولا کرو''۔اس کے بعد حضرت عثمان غنیؓ نے ایک تحقیقاتی کمیشن بنایا، عمال کو حج پر اکٹھا کیا، تمام اعمال حاضر ہوئے تو ان تمام باتوں کو ایک سازش قرار دیا۔

اسی سال حضرت عثمان غنیؓ نے اپنی زندگی کا آخری حج کیا۔حج سے واپسی پر مجلس شوریٰ کا اجلاس منعقد کیا۔سب نے وعدہ کیا کہ ہجری 55 سکون اور اطمینان کا سال ہوگا۔سب کے چلے جانے کے بعد حضرت معاویہؓ نے حضرت عثمان غنیؓ کو تجویز پیش کی کہ ''آپؓ موجودہ خطرے کے پیش نظر مدینے کو چھوڑ کر چلے جائیں''۔

حضرت عثمان غنیؓ نے مدینہ چھوڑنے سے انکار کردیا۔حضرت معاویہؓ نے کہا کہ سازشیں ہورہی ہیں اور آپؓ کی جان کو خطرہ ہے۔آپؓ نے جواب دیا۔

حسبی اللہ و نعم الوکیل نعم المولیٰ و نعم النصیر (میرے لیے اللہ ہی کافی ہے وہی میرا کارساز ہے)

اس کے بعد ابن سبا نے کوفہ، بصرہ، مصر اور دوسرے علاقوں کے سازشی دھڑوں کو خفیہ خطوط بھیجے اور مدینے کے بعض عناصر کو ملا کر خلیفہ پر یلغار کا پروگرام طے کیا۔

حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت عظمیٰ 35 ہجری:- محمد ابن سعد کی روایت کے مطابق مصر سے تقریباً 200 اور بصرہ سے 100 یعنی مجموعی طور پر تقریباً 900 باغیوں نے مدینہ کے قریب ذی خشب کے مقام پر ڈیرا ڈالا۔یہ لوگ چار چار کے قافلوں کی صورت میں آئے تا کہ کسی کو شک نہ ہو۔ان میں اکثریت مصریوں کی تھی۔کیونکہ مصر ان کی تحریک کا سب سے بڑا مرکز تھا۔حضرت عثمان غنیؓ کو باغیوں کے آنے کی اطلاع مل گئی تھی لیکن انہوں نے اپنی طبیعت کی نرمی کے باعث درگزر سے کام لیا۔باغیوں نے حضرت عثمان غنیؓ کی معزولی کا مطالبہ شروع کردیا اور دھمکی دی کہ معزولی سے انکار کی صورت میں انہیں قتل کردیا جائے گا۔

اس کے ساتھ ساتھ باغیوں نے حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے رابطے بھی کئے اور انہیں منصب خلافت قبول کرنے کے لیے کہا لیکن ان سب نے انکار کردیا اور کہا کہ انہیں خوب معلوم ہے کہ ''ذوالمروہ'' ذوخشب اور اعوص کی فوجوں پر رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے لعنت کی ہے''

مصری حضرت علیؓ سے بے حد محبت کرتے تھے۔حضرت علیؓ کے انکار پر مصریوں نے پوچھا کہ پھر آپؓ حضرت عثمان غنیؓ اور ان کے اعمال کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کے لیے ہمیں خطوط کیوں لکھا کرتے تھے؟، آپؓ نے اس بات کی سختی سے تردید کی، جس پر باغیوں کو حیرت ہوئی اور معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کی طرف سے جعلی خطوط ابن سبا اور اس کے ساتھیوں نے پھیلائے تھے۔جب باغیوں کو یقین ہوگیا کہ حضرت عثمانؓ خلافت سے دستبردار نہیں ہوں گے اور لوگ حج سے واپس آجائیں گے تو کسی بھی صوبے سے حضرت عثمان غنیؓ کو فوجی کمک پہنچ جائے گی تو باغیوں نے انتہائی اقدام کا منصوبہ بنایا۔

جمعتہ المبارک کے دن حضرت عثمان غنیؓ نے منبر نبوی خاتم النبیین ﷺ پر کھڑے ہوکر خطبے کا آغاز کیا۔تو ایک شخص نے اٹھ کر کہا ! ''عثمانؓ کتاب اللہ کو اپنا طرز عمل بنا''۔آپؓ نے بڑی نرمی سے اسے بیٹھ جانے کا کہا لیکن اُس نے پھر یہی جملہ دہرایا۔مسجد میں شور برپا ہوگیا۔جہجا بن سعید غفاری کود کر منبر پر چڑھ گیا اور حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے رسول خاتم النبیین ﷺ کا عصا مبارک چھین کر توڑ دیا اور پرے پھینک دیا، پھر بلوائیوں نے عام پتھراؤ شروع کردیا۔حضرت عثمان غنیؓ زخمی ہوکر منبر سے نیچے گر گئے اور اسی حالت میں لوگوں نے انہیں اٹھا کر گھر پہنچایا۔

18 ذی الحج کو جمعتہ المبارک کے دن آپؓ معمول کے مطابق روزے سے تھے۔آپؓ نے غسل کیا اور خلافِ عادت پاجامہ پہنا اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ''آج میری حیات فانی کا آخری دن ہے۔اگر تم میری آرزو اور خوش فہمی نہ سمجھو تو میں ایک عجیب بات تمہیں بتاؤں۔میں نے آپ خاتم النبیین ﷺ کو خواب میں

دیکھا ہے، آپ خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ تھے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''عثمان آج تم ہمارے ساتھ روزہ افطار کرنا'' بلوائیوں نے آپؓ کے گھر کا محاصرہ کرلیا۔ حاضرین نے ایک مرتبہ پھر اصرار کیا کہ باغیوں کا مقابلہ کیا جائے لیکن آپؓ نہ مانے۔ اُس روز آپؓ نے 20 غلام آزاد کئے۔ اپنی اہلیہ کو فرمایا کہ شہادت کا وقت قریب ہے۔ پھر حضرت زبیرؓ کو اپنا وصی مقرر کیا۔ آپؓ اپنے گھر کے زنان خانہ میں اوپری منزل میں چلے گئے اور تلاوت قرآن میں مشغول ہوگئے، جبکہ آپؓ کے گھر کے دروازے پر حضرت امام حسنؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ بلوائیوں کو روکتے رہے۔ یہ دیکھ کر باغیوں کے لیڈر کنانہ بن بشر اور کچھ دوسرے ساتھی چھت سے کود کر حضرت عثمان غنیؓ کے خلوت خانہ میں گھس گئے سب سے پہلے بڑھ کر عافقی بن حرب نے حملہ کیا اور قرآن پاک کو پاؤں کی ٹھوکر ماری۔ کنانہ بن بشر نے لوہے کی ایک بھاری سلاخ اس زور سے حضرت عثمانؓ کی پیشانی پر ماری کہ آپؓ پہلو کے بل گر گئے اور فرمایا ''بسم اللہ توکلت علی اللہ'' پیشانی مبارک سے خون کا فوارہ بہہ نکلا، شور کی آواز سے آپؓ کی زوجہ محترمہ آگے بڑھیں۔ سودان بن حمران کی تلوار کو اپنے ہاتھ سے روکا جس سے ان کی تین انگلیاں کٹ گئیں۔ ان کی بری طرح توہین کی گئی پھر اس نے تلوار کے ضرب سے خلیفہ راشد کی زندگی کی ڈور کاٹ دی شہادت کے وقت آپؓ سورہ بقرہ کی آیت نمبر 137 فرما رہے تھے۔

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ترجمہ: ان لوگوں کے مقابلے میں عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کے لیے کافی ہوگا اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے''

اس میں شک نہیں کہ بنوامیہ سے حد سے زیادہ بڑھی ہوئی صلہ رحمی کے باوجود حضرت عثمان غنیؓ دنیا کے ایک عظیم ترین انسان تھے اور شہادت نے انہیں عظیم تر بنا دیا۔ **اس حادثے کا ایک اندوہ ناک سلسلہ ردعمل شروع ہوا، جس نے مسلمانوں کی تمام تر توانائیوں کو چوس لیا۔** جنگ جمل، جنگ صفین، جنگ نیروان، حضرت علیؓ کی شہادت، حضرت حسینؓ اور مختار ثقفی کی شورش، عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت، حجاج بن یوسف کی سفا کی اور خون ریزی، بنوامیہ اور بنوعباس کی جنگ، اقتدار، **فرقہ خارجیہ اور فرقہ شعیہ کا ظہور سب ہی شہادت عثمانؓ کا نتیجہ تھے۔**

مسلمانوں کا سیاسی اور مذہبی اتحاد پارہ پارہ ہوگیا۔ ملت واحدہ بے شمار گروپوں اور فرقوں میں بٹ گئی۔ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت اسلام کی شکست ثابت ہوئی، دشمنوں کے دلوں سے مسلمانوں کا رعب اور خوف ختم ہوگیا۔ حضرت عثمانؓ اس قرآنی تصور کو کہ مسلمان ترجمہ: "اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں آپس میں رحمدل ھیں" (سورۃ الفتح آیت نمبر 29) کو اپنے ساتھ ہی قبر میں لے گئے۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

یوم عرفہ کی مخصوص دعائیں:- حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ عرفات میں قبلہ رُو ہو کر دعا مانگنے والے کی طرح ہاتھ پھیلاتے تین بار لبیک فرماتے پھر سو مرتبہ چوتھا کلمہ پڑھتے پھر سو مرتبہ ''لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیٍٔ قَدِیْر وَ اَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیٍٔ عِلْمً''

اس کے بعد شیطان مردود سے پناہ مانگتے پھر تین مرتبہ فرماتے ''اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمِ'' پھر تین بار سورہ فاتحہ پڑھتے، پھر ایک بار سورہ اخلاص پڑھتے، پھر دس بار درود شریف پڑھتے اس کے بعد جو چاہتے دعا کرتے۔

ایک حدیث میں حضرت ابن جریح نے کہا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے "عرفات میں مسلمان کی دعا زیادہ تر یہ ہونی چاہئے،

''ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار''

ترجمہ: اے اللہ ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی بھلائی عطا کر اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ"۔

حضرت مجاہدؒ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا "جب سے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پیدا فرمائے ہیں رُکنِ یمانی کے پاس ایک فرشتہ آمین کہنے کے لئے کھڑا ہے لہٰذا تم یہ کہو ''ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار''

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے "رسول پاک خاتم النبیین ﷺ ایک شخص کی عیادت کے لئے گئے وہ شخص پرنوچے ہوئے چوزے کی طرح لاغر ہوگیا تھا۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے اس سے دریافت کیا "تم اللہ سے کچھ دعا کیا کرتے ہو"؟ اس شخص نے عرض کیا "جی ہاں میں کہتا تھا الٰہی جو عذاب تو نے مجھے آخرت میں دینا ہے وہ تو مجھے دنیا میں ہی دے دے"۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "سبحان اللہ تم میں اتنی طاقت کہاں ہے؟ تم نے اس طرح دعا کیوں نہ مانگی:

''اَللّٰھُمَّ ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار''

اس کے بعد اس شخص نے اس طرح دعا مانگنی شروع کی کچھ ہی عرصے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کو شفاء دے دی۔ (مسلم)

****

مُصَنِّفہ کی تمام کُتُب

خاتم النبیین مِحبُوبِ ربُّ العٰلمین ﷺ	خاتم النبیین مُحسنِ اِنسانیت ﷺ (۲،۱)	مقصدِ حیات	عبدیّت کا سفر ابدیّت کے حصُول تک
تعلُّق مع اللہ	مُختصراً قُرآنِ پاک کے علُوم	راہِ نجات	فلاح
اہلِ بیت اور خاندانِ بنُو اُمَیّہ	ثواب و عتاب	تُو ہی مُجھے مِل جائے (جِلد۔۱)	تُو ہی مُجھے مِل جائے (جِلد۔۲)
مختصر تذکرہ صحابہ کرامؓ مختصر تذکرہ انبیاء کرامؑ	اولیاءکرامؒ	کتاب الصلوٰۃ وَ اوقاتُ الصّلوٰۃ	عشرہ مُبشرہؓ اور آئمہ اربعہؒ
حیاتِ طیّبہ	آگہی	اِسلام عالمگیر دِین	عقائد واِیمان
دِینِ اِسلام (بچّوں کےلئے)	کتابِ آگاہی (تصحیح العقائد)	تصَوُّف یا رُوحانیت (جِلد۔۱)	تصَوُّف یا رُوحانیت (جِلد۔۲)

www.jamaat-aysha.com